رجسٹرڈ نمبر ۱۸۲

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

[illegible]

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

کتبخانۂ دارالمصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی رح

سیرۃ النبی صلعم حصۂ اول طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ للعہ، للعہ

ایضاً حصۂ دوم طبع اول قیمت باختلاف کاغذ عہ، معہ

ایضاً حصۂ دوم طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ صہ، ہے،

الفاروق حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف و طرز حکومت، ہے،

المامون خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، عہر

الغزالی امام غزالی کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ عہ

سیرۃ النعمان امام ابو حنیفہ کی سوانح عمری اور انکے اجتہادات و مسائل عہر

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ، عہر

مقالات شبلی مولانا کے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ عہر

رسائل شبلی مولانا کے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ عہ

بیان خسرو خسرو کے حالات زندگی اور انکی شاعری پر ریویو، ۸ر

شعر العجم حصۂ اول شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کی ابتدا و قدما کا دور ہے

ایضاً حصۂ دوم شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصۂ سوم شعرائے متاخرین کا دور، عہر

ایضاً حصۂ چہارم فارسی شاعری پر ریویو ہے

ایضاً حصۂ پنجم فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہر

الانتقاد علی التمدن الاسلامی جرجی زیدان کی تمدن اسلامی عربی پر تنقید، ہر

موازنۂ انیس و دبیر میر انیس کی شاعری پر ریویو، ہے

سفرنامۂ روم و مصر و شام مطبوعہ معارف پریس قیمت، عہ

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات، قیمت باختلاف کاغذ طبع عہر، عہ، ۱۲ر

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اسکی عہد بعہد کی ترقیات اور علماے متکلمین کے نظریات و مسائل طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس، عہ

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہو اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہو، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

قصیدۂ امرتسر امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلما میں مولانا نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین اعلیٰ مطبع نامی کانپور، ۲ر

مجموعۂ کلام شبلی اردو، ۱۲ر

مثنوی صبح امید، ۴ر

کلیات مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۳۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہی قیمت عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم جدید طرز پر عربی میں قرآن مجید کی تفسیر ۴ر

تفسیر سورۂ والتین " " ۴ر

تفسیر سورۂ والکوثر " " ۴ر

تفسیر سورۂ عبس " " ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح عربی میں حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، ۱۰ر

اسباق النحو حصۂ اول و دوم سہل طرز پر عربی گرامر اردو، ۱۱ر

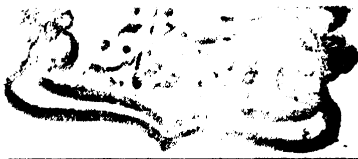
دیوان حمید مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ۱۲ر

خرد نامۂ منظوم خاص فارسی زبان میں امثال سلیمان کا ترجمہ ۲ر

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن حصۂ اول عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہو جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہو، قیمت عہ

ارض القرآن جلد دوم اقوام قرآن یعنی بنی اسرائیل اصحاب الایکہ قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار و قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۲۱ عہ



عدد دوم	ماہ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۴ء	مجلد سیزدہم

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ یہ نمبر پے در پے خانگی مصائب اور علالتون کے باعث دو ہفتون کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے، شہر مین طاعون کی وبا پھیلتی جا رہی ہے، کہ نہین سکتے کہ آئندہ پرچہ بھی وقت پر شائع ہو سکے گا یا نہین، احباب سے توقع ہے کہ اس تاخیر سے دلگیر نہ ہونگے،

دسمبر کے معارف مین تنقید شعر العجم کے سلسلہ مین ڈاکٹر اقبال اور پروفیسر اقبال کے تشابہ پر رسالہ اردو کو جو ہم نے ٹوکا تھا، اس نے اورنگ آباد سے لیکر علی گڈہ تک ایک آگ سی لگا دی، اڈیٹر صاحب کی خفگی تو بجا تھی، مگر مہتمم صاحب مطبع مسلم یونیورسٹی کی بو الفضولی سمجھ مین نہین آئی، بہرحال معارف اور اردو کے شذرات ملک کے ارباب علم و فہم کے سامنے ہین، اور وہ انکو دیکھکر فیصلہ کر سکتے ہین کہ ان دونون مین کس کا معیار اخلاق بلند ہے؟ ہمعصر الناظر نے اردو کو اسکی اس "عامیانہ" روش پر بیکار ٹوکا کہ شاید مؤلف قواعد اردو، اردو کی عامیانہ ضرب الامثال پر کوئی کتاب تالیف فرما رہے ہین، اس لیے بے اختیار انکی زبان قلم سے ایک منجھا ہوا فقرہ نکل آیا، معارف کے ایک معمولی لیکن ذرا سی شذرہ پر جس سے ملک کے متعدد اہل قلم کو باہمی الجھاؤ سے نجات مل گئی اردو کی اس برافروختگی کو دیکھکر ہم کو بے اختیار ہنسی آتی ہے کہ وہ ایک معمولی گرفت سے اس قدر برہم ہے، اور ان لوگون کو صبر و رضا و تسلیم کی دعوت کرتا ہے جن کے ایک بزرگ کو طعن و طنز، لہجہ کی درشتی، اور تجہیل کے ساتھ وہ مہینون سے یاد کر رہا ہے، اور اسکا فیصلہ ہمعصر دلگداز اور الناظر کے ناشائستہ فیصلون سے ہو سکتا ہے،

اسلامی تعلیمی کانفرنس کے شعبۂ نمائش علمی کی تفصیلی روداد، اب تک چھپکر سامنے نہین آئی، انتظار رہا کہ اس اہتمام بالشان نمائش کا جو یقیناً اسلامی ہندوستان مین اپنی حیثیت کا مکمل ترین علمی کارنامہ تھا، ایک مفصل روداد چھپکر شائع ہوتی، تاکہ یہ نوادر روزگار جو اتفاق سے یکجا ہوگئے تھے اور پھر بکھر گئے، ان کا قلمی تذکرہ توکم ازکم یکجا رہتا، شاید کانفرنس کی مطبوعہ علیحدہ روداد مین اسکا ذکر آئے، اخبارات مین اس کے تذکرے بہت ناقص آئے، کانفرنس گزٹ مین بھی مجمل ہی ذکر رہا، بہرحال کانفرنس کی الہ آباد (؟) کی اور ندوہ کی بنارس کی علمی نمائشون سے اس نمائش کی حیثیت بلند تر معلوم ہوتی ہے، صاحبزادہ صاحب نے مقامات قرآنی کے نقشون پر خطبہ دینے کے لیے مجھے یاد فرمایا تھا افسوس ہے کہ یہ بے نشان خط (مقام کا نام چھوٹ گیا تھا) ڈیڈلیٹر آفس مین پڑکر بعداز وقت ملا، ورنہ مین خوشی سے اسکی تعمیل کرتا،

اہل فرنگ کی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے دعوے جس بلند آہنگی سے سنے جاتے ہین، اس "طبل بلند بانگ" کی تہی باطنی "تو ڈریپر کی" تاریخ ازم علم و دانش" کے صفحات سے ہویدا ہے، مگر موجودہ عہد بھی اس کے نئے نئے نظائر پیش کرتا رہتا ہے، ابھی حال مین خبر آئی ہے کہ امریکہ مین ایک پادری صاحب نے مسیح کی غیر معمولی الوہیانہ ولادت کا انکار کیا تھا، عدالت مین ان پر مقدمہ قائم ہے اسلام کی تنگ نظری تو ان تنگدلون کے نزدیک وسیع شہرت رکھتی ہے، لیکن آزادی کے ملک کے متعلق جو خبر ہے،

یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین؟

مقالات

شعر العجم اور عمر خیام

مولنا شبلی کی مشہور تصنیف شعر العجم کئی سال سے پنجاب یونیورسٹی کے کورس مین داخل ہی، اور اس تقریب سے وہ کالجون کے فارسی پروفیسرون کے ہاتھون مین پہنچ گئی ہی، شاعری کا نازک مذاق، اور سخن فہمی کی دقیقہ رسی تو کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی کی سند سے نہین حاصل ہوسکتی، یہ تو صرف درسگاہ قدرت کی طرف سے عطا ہوتی ہی، اور اس کا استحقاق صرف اس کے فضل وکرم کی مشیت ہی، سعی ومحنت نہین،

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کورس کی کتابون کو پڑھانے کے لیے اساتذہ کو ان کے متعلق تیاری بھی کرنی پڑتی ہی، اور اظہار لیاقت یا طلبہ کے اضافہ معلومات کے لیے زیر درس کتابون پر نقد وتبصرہ بھی اساتذہ کا ایک ضروری فرض ہے لیکن شعر العجم اردو کے مشہور نازک قلم **مہدی** مرحوم کے بقول واقعات کی کھتونی نہین، بلکہ حسن وعشق کا صحیفہ ہی، شعر العجم شعراء کے اسماء والقاب سنین وسال، اور امراء وسلاطین کی تنقیدی تاریخ نہین، بلکہ فارسی شاعری کا تنقیدی تبصرہ ہے، شعر العجم مین ہر شاعر کا تذکرہ سوانح پہلی چیز نہین، دوسری چیز ہو، پہلی چیز ہر شاعر کا شاعرانہ کمال اور اسکی سخنوری کا معنوی جوہر ہے، غرض وہ جسم ومادہ کی تاریخ نہین، بلکہ روح ودماغ کی تاریخ ہے،

باین ہمہ کچھ دنون سے رسالہ **اردو** (اورنگ آباد دکن) مین شعر العجم پر ایک مسلسل تنقید نکل رہی ہے، جس کی طرف پہلے اس لیے ہم نے توجہ نہ کی کہ یہ نقاد کی شعر العجم پر تنقید نہین، بلکہ مغربی مستشرقین کی مشرقی تذکرہ نویسون پر تنقید ہے، اور شعر العجم کا پردہ مضمون نگار نے صرف اس لیے رکھا ہی تاکہ "طعنۂ نیکان" کے وسیلہ سے وہ اپنے "اخلاق حسنہ" کی پردہ دری کرسکین،

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے نمبر میں جناب نقاد اپنے "غم تنہائی" کے ازالہ کے لیے ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر شیخ اقبال معلم فارسی اورینٹل کالج لاہور کو بھی اس دشت خارزار میں اپنے ساتھ لگا لائے ہیں، ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات انگلستان میں متعدد بار ہو چکی ہے، اور وہ اس وقت پروفیسر براؤن کے ماتحت طالب علم کا فرض انجام دے رہے تھے، پروفیسر براؤن اس وقت میری نگاہ میں تمام انگلستان میں مشرقیات کے سب سے بڑے عالم ہیں، انھوں نے اقبال صاحب کی مجھ سے حوصلہ افزا توصیف کی تھی اور اس لیے اس وقت سے برابر ان کی نسبت میرا حسن ظن قائم رہا، لیکن دفعۃً رسالہ "اردو" میں ان کا مضمون "شعر العجم اور عمر خیام" دیکھ کر حیرت سی ہو گئی، شعر العجم کا مصنف اگر آج زندہ ہوتا تو کالجوں کے السنۂ مشرقیہ کے پروفیسروں کے ان "تنقیدات عالیہ" کو دیکھ کر وہی جواب دیتا جو ایک مشہور ایرانی شاعر نے اپنے ایک مدرسہ نشین معترض کو دیا تھا کہ "**شعر مرا بمدرسہ کہ برد**"؟

حضرت نقاد کے طرز بیان کی اخلاقیت یعنی زبان کی تیزی، لہجہ کی سختی اور قلم کی بیباکی اور متبحرانہ شان غرور کی نمائش کی نسبت میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا، جتنا ہماری زبان کے پرانے انشا پرداز مولانا عبد الحلیم شرر نے اس کے متعلق اپنے رسالہ دلگداز (جون ۱۹۲۳ء) میں لکھا ہے؛

"شبلی مرحوم کی شعر العجم پر ایک نہایت محققانہ ریویو نکل رہا ہے، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتراضات تمام صحیح ہیں، مگر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ خدا نے ان قابل ریویو نگاروں کو جتنا علم و فضل دیا ہے اتنا ہی ضبط و تحمل بھی عطا کرتا، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، عربی لٹریچر تعقبات سے بھرا پڑا ہے، ضخیم کتابیں موجود ہیں، جو ایک مصنف کے بعد، بعد والے محققوں نے لکھیں، دنیا کی تحقیق صرف ایک مصنف کے قلم سے نہیں ہو جاتی، تکمیل ہمیشہ ایک دوسرے کا نقد کرنے سے ہوتی ہے، مولانا **شبلی** نے جب اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے، وہ متفرد تھے، اور تحسین و آفرین کی جو صدائیں بلند ہوئیں ان کے سچے مستحق، اور اب یہ ریویو نگار ان سے زیادہ مرحبا سننے کے اہل ہیں، لیکن یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ جو کچھ پہلے لکھا گیا لغو و بیکار تھا،"

کشورستان ادب کے اس تجربہ کار سیاح نے اس ملک کے نووارد مسافروں کو جن کا شاید اس راہ میں پہلا قدم ہے، جو کچھ فہمائش کی ہے، اس کی سچائی میں کس کو شک ہو سکتا ہے، مگر جلدی کی ضرورت نہیں، جیسے جیسے آگے تجربہ ہوگا،

رہ ورسم "ادب" سے انھین خود آگاہی ہوتی جائیگی،

ہمکو تسلیم ہو کہ ہمارے معترض پروفیسرون کی نگاہ کے سامنے ادبیات ایران کا وہ پورا ذخیرہ موجود ہو جو یورپین مستشرقین نے اپنی تحقیق وکاوش سے پیدا کیا ہو، اور جسپر علمائے مشرق کو عموماً دسترس حاصل نہین، اس لیے یہ کسقدر مفید ہوتا کہ "اس تخریبی پروگرام" کے بجائے وہ "تعمیری پروگرام" اپنے سامنے رکھتے، اور شبلی کی غلط در غلط شعر العجم کے بجائے" وہ صحیح اور سرتا پا صحیح شعر العجم لکھکر علم وادب کو ممنون کرم فرماتے، ہمارے دوست پروفیسر اقبال شعر العجم کے عمر خیام کی تنقید کے بجائے اگر مظفریہ کے عمر خیام کو اُردو کا قالب پہناتے تو ہماری ملکی زبان پر کتنا بڑا احسان ہوتا،

افسوس اسکا ہو کہ جس طرح جدید تعلیم دوسرے شعبون مین صرف یورپ کی نقالی کو مایۂ کمال بتاتی ہو، علمی شعبہ مین بھی ہمارے "دکاترۂ" علم وفن صرف مستشرقین یورپ کی تقلید کو اپنا راس المال قرار دئے ہوئے ہین، اور جو کچھ ادنکی زبان وقلم سے نکل جاتا ہو وہ ان کے نزدیک تمام ایشیائی علمار کی تحقیقات کی صحت وغلطی کا معیار ہو، اور وہ اس باب مین ایسی عدالت العالیہ ہو جس کے فیصلہ کے آگے بے چون وچرا سر تسلیم خم ہی کر دینا چاہئے،

ہمارے جدید ابنائے تعلیم اس تقلید مین اس قدر استوار ہین کہ وہ اپنے بزرگون کو بھی بزرگ اس لیے مانتے ہین کہ یورپ اُن کو ایسا مانتا ہو، عمر خیام کے ساتھ یورپ کو اعتنا ہوئی، اور اسکی رباعیات فٹز جیرلڈ کی انگریزی زبان مین جا کر کچھ کی کچھ ہوگئی اور چونکہ وہ خیالات یورپ کے موجودہ مادّی خیالات، "کھا، پی، خوش رہ" سے بہت ملتے جلتے ہین اس لیے یورپ نے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا، ورنہ مشرق مین رباعی گو، سخنور اور حکیم کی حیثیت سے وہ کوئی بڑا درجہ نہین رکھتا، نفس حکیمانہ خیالات اور صوفیانہ نکات کی گھر سنجی مین دیگر رباعی گو سخنور حکمار اور صوفیہ مثلاً حضرت ابو الحسن خرقانی، سلطان ابو سعید ابو الخیر، سحابی نجفی، اور آخر مین سرمد، خیام سے فروتر نہین ہین، اس بنا پر ہمارے دوست نے خیام کی طرف سے مشرق کی لاپروائی پر جو طعن وطنز کیا ہو وہ مذاق کی سلامت روی کا کچھ زیادہ صحیح استعمال نہین ہے،

اس سلسلہ مین ایک ضمنی تذکرہ زبان قلم پر آگیا ہے، ہیرن ایلن کا عمر خیام کا مشہور قیمتی اڈیشن چھپکر شائع ہوا تھا، مہدی حسن مرحوم جو نوادر مغرب کے بڑے قدردان تھے، اوسکو لیکر مولانا کی خدمت مین آئے اور ادھر ادھر سے

اسکو سنایا، مولنا نے ایک خاص رباعی کے متعلق فرمایا کہ اس کا ترجمہ ضرور ہی غلط ہوگا، چنانچہ وہ نکالی گئی، اور ترجمہ کی غلطی ظاہر تھی، مہدی مرحوم نے اس کو مولنا کی بجا گرفت سے مطلع کیا اس نے اعتراف کیا اور مولنا کا شکریہ ادا کیا، مولنا مرحوم نے برسبیل تذکرہ اس واقعہ کا ذکر ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا، مہدی مرحوم نے اپنے ایک مضمون "شعر العجم پر ایک فلسفیانہ نظر" مین ادھر اشارہ کیا ہی،

لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ خود ہیرن ایلن جس نے رباعیات خیام کے متعدد مطبوعات خاصہ شائع کیے ہین، اور جنہین سے ایک نہایت قیمتی اڈیشن صرف دو سو ممبرون کے لیے چھپا تھا... شبلی کی ایک سرسری تحقیقات سے بے نیاز نہ رہ سکا، جس مین فارسی کے مسلم الثبوت استاد پروفیسر ڈینی سن راس نے بھی ٹھوکر کھائی تھی[1]

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، آمدم برسر مطلب،

پروفیسر اقبال نے شعر العجم کے تذکرۂ خیام پر حسب ذیل اعتراضات کئے ہین،

۱۔ مولنا نے خیام کے متعلق ان کے زمانہ تک معلومات کا جو سرمایہ مغرب مین فراہم ہو چکا تھا، اسکو نظر انداز کر دیا ہے، اور یہی ان پر سب سے بڑا الزام ہی،

۲۔ خیام کے حالات جن ماخذون سے مل سکتے ہین وہ دس ہین،

لیکن مولانا نے صرف پانچ سے فائدہ اُٹھایا ہے، اور پانچ کو چھوڑ دیا،

۳۔ مشرقی تذکرہ نویسون کی تقلید مین مولنا نے حسن بن صباح، نظام الملک اور عمر خیام کے ہم مکتب اور ہم سبق ہونے کا جو قصہ لکھا ہی وہ درائتہً غلط ہی،

۴۔ مولانا نے رباعیات خیام کی تنقید مین یہ نہین بتایا کہ ان کے پیش نظر کونسا نسخہ تھا؟ کیونکہ خیام کی رباعیان مخلوط بہت ملتی ہین،

۵، مولانا نے خیام کی بعض ان تصنیفات کا ذکر نہین کیا جو یورپ کے مختلف کتبخانون مین ہین،

[1] افادات مہدی صفحہ ۱۶۱،

۶- مولانا نے عرائس النفائس نام ایک کتاب خیام کی طرف غلط منسوب کر دیا ہی، اور زیچ خیام نام بھی کوئی کتاب یورپ نے نہین چھاپی ہی،

حقیقت تو یہ ہو کہ مولنا شبلی بھی منجملہ مصنفین کے ایک مصنف تھے، کسی مصنف کی نسبت معصومیت کا دعوی کرنا، فطرت انسانی کا انکار ہی، اور اسی طرح کسی تصنیف کی نسبت تکمیل اور عدم نقص کا ادعا بھی علم کی روز افزون ترقی کی توہین ہے، آج ان معترضین نے جو کچھ لکھا ہو کل کی ترقی کے معیار پر وہ کامل اور بے نقص کب ٹھہرینگے، تاہم کسی مصنف پر متعصبانہ خردہ گیری، اسکی نہین بلکہ اپنے نقص کی غیر محمود نمایش ہے، اب ہم سلسلہ وار ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات کی تنقید کرنی چاہتے ہین

پہلا اعتراض | یعنی یہ کہ مولنا نے اپنے عہد تک کے تمام معلومات کو جو نقادانِ یورپ نے فراہم کیا ہی، ان کو سمیٹ نہین لیا ہی، خیام کے متعلق علمائے یورپ کی تحقیقات کا سب سے بڑا مجموعہ، نہ صرف ڈاکٹر صاحب بلکہ علامہ قزوینی اور پروفیسر براؤن کے نزدیک، روسی مستشرق زدکوفسکی کا مضمون ہی، اس مضمون کی اصلیت یہ ہو کہ بارن دیکٹر جو پیٹرسبرگ یونیورسٹی مین عربی پروفیسر تھے اُن کے ایک جشنِ تبریک مین اُن کے گیارہ شاگردون نے عربی، عبرانی، فارسی، ترکی زبانون کے متعلق متفرق مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا ہو جسکا عربی نام المظفّریّہ ہے، کہ وکٹر کا ترجمہ عربی مین مظفر ہے، اس مجموعہ کا آخری مضمون وہی زدکوفسکی کا مقالہ عمر خیام ہی، اس مین اس نے خیام کے سوانح کے متعلق قدیم ترین ماخذ سے لیکر سنہ [illegible]ھ تک کے ماخذون کو بہ ترتیب زمانی یکجا کر دیا ہی، یہ مجموعہ سنہ ۱۸۹۷ء مین شایع ہوا اور سنہ ۱۸۹۸ء مین ڈاکٹر راس نے اسکا انگریزی مین ترجمہ کیا، یہی مایۂ ناز ذخیرۂ علمی ہو جس تک مولانا کی دسترس ہو سکی تھی، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہین

،،خیام کے متعلق پروفیسر زدکوفسکی کا وہ فاضلانہ مضمون جو انھون نے سنہ ۱۸۹۷ء مین روسی زبان مین لکھا تھا اور جس کا ترجمہ انگریزی مین ڈاکٹر راس نے سنہ ۱۸۹۸ء رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ مین شایع کیا تھا، اوسکا علم مولنا کو ضرور تھا کیونکہ انھون نے خود خیام کے تذکرے کے آخر مین اس مضمون کا اور اس کے انگریزی ترجمے کا ذکر کیا ہے، لیکن شاید وہ اتنی زحمت گوارا نہین کرسکے کہ وہ اسکو منگوا کر ایک نظر دیکھ لیتے ورنہ اتنی بڑی فروگذاشت ان سے سرزد نہ ہوتی،،

عرض ہو کہ مولانا نے ڈاکٹر صاحب کے علی الرغم یہ زحمت گوارا کی ہو، اور یہ انگریزی ترجمہ نہین بلکہ مظفریہ کا اصل روسی نسخہ انھون نے منگوا کر اس پر ایک نظر ڈال لی، چنانچہ انھین کا متروکہ نسخہ آج میرے سامنے ہی، چونکہ اس مضمون مین تمام مواد کو اصل فارسی اور عربی زبان وخط مین بعینہٖ لکھدیا ہی اس لیے اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بنفسہٖ روسی زبان جاننے کی ضرورت نہین، اور یہ "سب سے بڑی فروگذاشت" یعنی ژوکوفسکی کے چند پیش کردہ ماخذون کو استعمال نہ کرنا عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ وہ مصنف کی سمجھی ہوئی فروگذاشت" ہی،

ڈاکٹر صاحب کہتے ہین:۔

"مولانا شبلی نے خیام کے ذخیرۂ حالات مین سے جو انکو بغیر کسی کاوش اور تلاش کے مہیا ل سکتا تھا نصف کے قریب بالکل چھوڑ دیا ہے"

مین ڈاکٹر صاحب کو تحدی کرتا ہون، کہ مولٰنا شبلی کے "رقم زدہ" ذخیرۂ حالات" کی یہ نصف کی کمی پوری کر دین تو دنیا انکی تحقیق و وسعت نظری کی داد دیگی، مگر حالات ہون، قیاسات وتاویلات ومباحث نہین،

اب ہم بتانا چاہتے ہین کہ ڈاکٹر صاحب کے خیال مین خیام کے ذخیرۂ حالات مین نصف کی کمی کی میزان کیون کر بٹھائی ہے، اور یہ ہم نے اُنکے اعتراض کا دوسرا نمبر قرار دیا ہی،

دوسرا اعتراض | یہ دوسرا اعتراض عجیب مضحکہ انگیز ہی، بات یہ ہی کہ ژوکوفسکی نے جن ماخذونکو ذکر کیا ہی، جن مین مستقلاً یا اشارۃً بھی خیام کا نام آگیا ہی، وہ شاید تعداد مین دس ہین، (۱) دولت شاہ سمرقندی کا تذکرہ، (۲) نزہتہ الارواح شہرزوری (۳) کامل ابن اثیر، (۴) تاریخ الحکما قفطی (۵) چہار مقالہ نظامی عروضی، ڈاکٹر صاحب اعتراف کرتے ہین کہ" ان پانچ کتابون مین سے جو حالات اخذ کئے جا سکتے تھے، وہ بیشک اضون نے اخذ کر لیے ہین" لیکن وہ علاوہ ان پانچ ماخذون کے جنکا استعمال کیا ہی اور جنکا اوپر ذکر دیا گیا ہی، پانچ کتابین اور ہین جن مین خیام کے حالات ملتے ہین، اور جو باعتبار ثقاہت کے کچھ کم قابل وقعت نہین ہین" ان مین سے ایک (۱) مرصاد العباد نجم الدین ابوبکر رازی، (۲) آثار البلاد قزوینی (۳) جامع التواریخ (۴) فردوس التواریخ (۵) تاریخ الفی "مولٰنا نے انکو چھوڑ دیا ہے"

اب حساب لگا لیجئے کہ مولانا نے پہلے پانچ ماخذون مین جو حالات تھے اونکو لے لیا ہے، لیکن پچھلے پانچ ماخذون کی باتین نہین لی ہین، حاصل یہ نکلا کہ مولنا نے خیام کے ذخیرۂ حالات مین سے نصف باتین لکھین، اور نصف چھوڑدین، لیکن شاید ابھی ڈاکٹر صاحب کو کسی مستقل تصنیف کا تجربہ نہین ہو، اس لیے مصنف کے سلیقۂ انتخاب کی وہ وجدانی اور ذاتی تجربہ کے طور پر داد نہین دیسکتے، ڈاکٹر صاحب نے ان پانچ متروکہ کتابون کے مطالب کو اپنے مضمون مین اسلیے پیش کرنا نہین چاہا کہ، ان کو "طوالت کا خوف" تھا، لیکن بحمد اللہ کہ ہم کو "طوالت" کا خوف نہین اسلیے ہم انکو پیش کرنا چاہتے ہین

(۱) مرصاد العباد مین عمر خیام کے" ذخیرۂ حالات" کے یہ واقعات ہین کہ "فلاسفہ و حکما، باوجود دعوے ہمہ دانی روح اور جسم کے باہمی تعلق کے اظہار مین بالآخر حیران ہین، تا بیکے از فضلا کہ بہ نزد ایشان بفضل و حکمت و کیاست و معرفت مشہور است و آن عمر خیام است از غایت حیرت و ضلالت این بیت می باید گفت،

در دائرۂ کامدن و رفتن ماست — انرا نہ بدایت نہ نہایت پیداست

کس می نزند دمے درین عالم راست — کاین آمدن از کجا و رفتن بکجاست

اس اقتباس سے خیام کے "ذخیرۂ حالات" مین کیا اضافہ ہوا، یہ ہے کہ ساتوین صدی کا ایک مصنف اوسکو زمرۂ فضلا مین شمار کرتا تھا؛ اگر یہ سوانح و حالات کے اجزا ہین تو پھر کسی ہیرو کی سوانح عمری کبھی کوئی لکھ ہی نہین سکتا، اب دوسرا چھوٹا ہوا ماخذ لیجئے،

(۲) آثار البلاد قزوینی مین خیام کے متعلق تین واقعے ہین، ایک یہ کہ سلطان ملکشاہ نے اسکو رصد خانہ کا مہتمم بنایا تھا، مولانا اسکو ابن اثیر کے حوالہ سے لکھ چکے ہین، دوسرا واقعہ جو چھوٹا ہے وہ یہ کہ خیام ایک سرائے مین ٹھہرا تھا، وہان لوگ پرندون کی کثرت اور انکی وجہ سے نجاست کے ہونے کے شاکی تھے، خیام نے مٹی کا ایک پرندہ بنا کر ایک چھت پر رکھدیا تو پرندون کی آمد بالکل جاتی رہی، بیشک یہ شعبدہ مولنا نے حکیم خیام کے حال مین نہین لکھا، تیسرا واقعہ یہ رہ گیا ہے کہ ایک فقیہہ صاحب تھے جو صبح آفتاب نکلنے سے پہلے جاکر خیام سے فلسفہ کا سبق لیا کرتے تھے، پھر جب مسترشدین کا حلقہ ان کے پاس جمع ہو جاتا تھا، تو وہ خیام کی

ہجوان سے کرتے تھے، خیام نے یہ دیکھکر اس کے توڑ کی یہ تدبیر کی کہ اس نے ایک دن بہت سے ڈھول اور باجے والون کو بلواکر اپنے گھر مین چھپا دیا، فقیہہ صاحب بمعمول جب صبح اندھیرے مین سبق پڑھنے آئے تو اس نے ڈھول باجے والون کو اشارہ کیا، وہ خوب زور زور سے بجانے لگے لوگ یہ سنکر چارون طرف سے ٹوٹ پڑے، اس وقت حکیم خیام نے نکلکر لوگون سے کہا کہ دیکھو یہ نیشاپور کے تمھارے عالم صاحب ہین، جو روز مجھ سے چھپکر پڑھتے ہین، اور تم سے جاکر میری برائی کرتے ہین؛ اگر مین ایسا ہی ہون تو مجھسے یہ پڑھنے کیون آتے ہین،

مولنا نے خیام کی اس طبل نوازی کے واقعہ کو مشتبہ نہین لکھا کہ اول تو یہ خیام کے رتبہ سے فروتر بات تھی، دوسرے یہ کہ ان دونون واقعون کی صحت مین ان کو شک تھا، کیونکہ خود قزوینی نے ان واقعات کو حُکی کہکر بیان کیا ہے یعنی یہ قصہ کہا جاتا ہے، جس سے روایت کا ضعف ظاہر ہے،

(۳) جامع التواریخ سے خیام کا جو واقعہ مولنا کو مل سکتا تھا اور جسکو بقول ڈاکٹر صاحب مولانا نے چھوڑ دیا وہ وہی ہے جس کو شعر العجم مین جگہ دینے پر ڈاکٹر صاحب اس قدر چراغ پا ہین، یعنی نظام الملک حسن بن صباح اور عمر خیام کی ہمنشینی اور ہم مکتبی اور معاہدۂ باہمی کی داستان، یہ دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنون را" کی مثال صادق آئی، مولنا نے اسکو لکھا تو اعتراض ہے کہ اس بعید از قیاس قصہ کو شعر العجم مین کیون جگہ دیگئی، اور پھر اعتراض ہے کہ جامع التواریخ والا واقعہ کیون نقل نہین کیا، مین سمجھتا ہون، ڈاکٹر صاحب کو ادھر توجہ تو ہوئی کہ مولنا نے جامع التواریخ نام ایک ماخذ کو چھوڑ دیا، لیکن یہ مطالعہ نہ کرسکے کہ جامع التواریخ مین لکھا کیا ہے؛ حالانکہ علامہ قزوینی کے حواشی چہار مقالہ ان کے پیش نظر تھے، اور وہی ان کے معلومات کا تنہا ماخذ ہے؛

(۴) فردوس التواریخ مصنفہ مولنا خسرو ابرکوہی (شنشہ) سے مولنا نے خیام کا حال نہین لیا، فردوس التواریخ مین خیام کا حال یہ ہے کہ وہ بڑا عالم فاضل تھا، اسکی ایک رباعی یہ ہے، اس کے بعد یہ ہے کہ ایک شخص نے خیام سے شنشہ مین حماسہ کے ایک شعر کا مطلب پوچھا تھا اور اس شخص نے بیان کر دیا تھا، بعد ازین خیام کی وفات کا قصہ ہے جسکو مولنا اور حوالون سے لکھ چکے ہین، بس خاتمہ! متروکہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ خیام نے ایک شخص

کا امتحان لیا تھا،

(۵) تاریخ الفی جو اکبر کے عہد مین ہندوستان مین لکھی گئی، اس مین بھی خیام کا حال ہے، اور مولنا نے اُسکو نہین لکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے ماخذ وحید، حواشی چہار مقالہ مین یہ نہین دیکھ لیا کہ تاریخ الفی مین خیام کے متعلق کیا ہی؟ وہ تمام تر شہرزوری کا ترجمہ ہی جسکو مصنف نے خود ظاہر کر دیا ہی اور اوپر ہی ڈاکٹر صاحب تسلیم کر چکے ہین کہ مولنا نے شہرزوری کو پورا لے لیا ہی، تاریخ الفی مین جو بعض دوسرے تذکرون مین بھی ہی اتنا اضافہ ہے کہ لوگ کہتے ہین کہ خیام تناسخ کا قائل تھا، چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہی نیشاپور مین ایک پرانے مدرسہ کی مرمت ہو رہی تھی، چند گدھون پر اینٹین لدی تھین، اور گدھے تو انہین لیکر عمارت مذکور مین چلے گیے، مگر ایک گدھا کسی طرح نہ گیا، اس پر خیام نے مسکرا کر ایک فحش قسم کی رباعی پڑھی، اور کہا کہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ گدھا پہلے جنم مین اس مدرسہ کا کوئی ملّا تھا،

مولنا نے یہ فحش رباعی نہین لکھی ہی، اور نہ یہ بے سند قصہ درج کیا ہی، جو زیادہ سے زیادہ ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کو یارون نے گڑھکر سنجیدہ خیام کے نام تھوپ دیا ہے،

یہ ہے حقیقت اس نصف مواد کی جسکو شعر العجم کے مصنف نے عمر خیام کے حال مین چھوڑ دیا ہے،

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو!

اگر یہی مواد کا چھوڑنا ہی تو پانچ ہی کتابین کیون مین کہتا ہون مولانا نے اور بہت سے ماخذون کو چھوڑ دیا ہے، جن مین عمر خیام کا نام ہی، یا قصہ ہے، مثلاً خاقانی کا شعر، نیز تاریخ گزیدہ، حبیب السیر، روضۃ الصفا، وصایائے نظام الملک، تذکرۂ مخزن الغرائب وغیرہ، لیکن ان مین کیا ہی؟ البتہ ہمارے دوست نے خیام کے سوانح کے ایک قدیم تر ماخذ کا نام چھوڑ دیا ہی، شاید اس لیے کہ ژوکوفسکی نے اُسکا نام نہین لیا یا اس لیے کہ قزوینی نے ان صفحات مین اُسکا ذکر نہین کیا ہی جنکو سامنے رکھکر ہمارے دوست نے یہ مضمون لکھا ہے اور وہ عماد الدین کاتب کی خریدۃ العصر ہے، جو ۵۷۲ھ مین تالیف ہوئی، اس مین شعرائے خراسان کے ضمن مین

خیام کا حال ہے، اسکا قلمی نسخہ کتبخانۂ لیڈن مین ہو اور ڈوزی نے اپنی فہرست مین اسکا ذکر کیا ہو، (حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۹) مگر ظاہر ہو کہ قلمی نسخہ جب یورپ مین میسّر علامہ قزوینی کو نہین ملا، تو غریب شبلی کو ہندوستان مین کیا ملتا،

تیسرا اعتراض کہ مولف نے نظام الملک، حسن بن صباح اور عمر خیام کی ہمنشینی، اور ہم درسی، اور باہمی معاہدہ کی داستان کہ جو بڑے عہدہ پہنچے وہ اپنے دوسرے رفقار کی خبرگیری کرے، بالآخر نظام الملک کا وزارت تک پہنچنا، اور حسن بن صباح اور خیام کا اس کے پاس آنا، خیام کا صرف گوشہ نشینی کے وظیفہ پر قناعت کرنا اور حسن بن صباح کی شرارت نفس کا ظاہر ہونا وغیرہ کو شعر العجم مین کیون جگہ دی ہو جب کہ یورپ کے نقادون نے اس کو رد کر دیا ہے اور اس کو درائتہ قابل قبول نہین سمجھا ہو، ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ مین پہلے علامہ محمد عبد الوہاب قزوینی کی عبارت (حواشی چہار مقالہ) کی تلخیص ایسے الفاظ مین پیش کی ہو جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس داستان کے غلط ہونے کے متعلق وہ بعض ناقدین یورپ کے پوری طرح ہمداستان ہین، حالانکہ ایسا نہین ہے، علامہ قزوینی نے صرف انکی رائے کی ترجمانی کا فرض ادا کیا ہو، چنانچہ اُن کی اصل عبارت یہ ہو،

"بارے حکایت مزبور یعنی داستان رفاقت عمر خیام و حسن صباح و نظام الملک در آوان طفولیت معروف و مشہور است و در غالب کتب تاریخ از قبیل جامع التواریخ و تاریخ گزیدہ، و روضۃ الصفا و حبیب السیر و تذکرہ دولتشاہ و کتاب مجعول وصایای نظام الملک و ہمچنین در مقدمہ ہر طبع از رباعیات عمر خیام بفارسی و انگلیسی و غیرہا مسطور و حاجت بتکرار آن درین موضع نیست ولی باید این نکتہ را ناگفتہ نگذاریم کہ بعقیدۂ غالب مستشرقین اوروپا این حکایت اصلے ندارد بلکہ مجعول و افسانہ است، زیرا کہ تولد نظام الملک در سنہ ۴۰۸ است و تولد عمر خیام و حسن صباح اگرچہ معلوم نیست ولے وفات عمر خیام علی الاشہر در سنہ ۵۱۷ و وفات حسن در سنہ ۵۱۸ است و اگر عمر خیام و حسن صباح ہم سن یا متقارب السن با نظام الملک بودند چنانچہ مقتضای این حکایت است بایستے ہر یک از حسن صباح و عمر خیام بیشتر از صد سال عمر کردہ باشند این اگرچہ عادۃً محال نیست ولے مستبعد است باز اگر فقط یکی ازین دو نفر یعنی حسن صباح و عمر خیام موضوع این حکایت صاحب عمر صد و بیست سالہ باشد چندان استبعادے نداشت ولی حکایت مستلزم این است کہ ہر دو شخص معروف تاریخی کہ ہیچ دلیلے از خارج بر بلوغ ایشان بعمر فوق العادہ نداریم ہر دو

قریب بہ ویست سال عمر کردہ باشند بعید الوقوع وضعیف الاحتمال است، واللہ اعلم بالصواب" (صفحہ ۲۱۶ و ۲۱۷)

غور کرو، کہان ڈاکٹر صاحب کی قطعیت اور کہان علامہ قزوینی کی نقادان یورپ کی ترجمانی، اور اپنی محتاط ذاتی رائے اور واللہ اعلم لکھکر اپنے اشتباہ کا اظہار، تاہم علامۂ ممدوح کا یہ حساب سمجھ مین نہین آتا کہ ان دونون کو نظام الملک کا ہمسن ماننے تو انکی ۱۲۰ برس کی عمر ماننی پڑیگی، ۴۰۸ھ سے جو نظام الملک کی ولادت کا سال ہو ۵۱۸ھ تک ۱۱۰ ہی برس تو ہوتے ہین،

ہمارے فاضل دوست نے اس موقع پر نہ صرف علامۂ موصوف کی پیش کردہ دلیل ہی پر اکتفا کی ہے بلکہ واقعہ کی تحقیق کے لیے کچھ اپنے ذاتی اجتہادات یا کہین اور جگہ سے لیکر بعض باتون کا بھی اضافہ کیا ہی، مثلاً یہ کہ نظامی عروضی نے لکھا ہو کہ ۵۰۸ھ مین عمر خیام بادشاہ کے شکار کے لیے علم نجوم سے وقت مقرر کرتا ہو اور چار دن مین بادشاہ کے ساتھ شکار مین جاتا ہی، سو برس کا" بڈھا ہوش اعمالِ نجوم کے لائق اور چار دن مین شکار کے میدان مین جانے کی صلاحیت کہان رکھ سکتا ہی،

یہ تو خیام اور نظام الملک کے ہم سن ہونے کی صورت مین اعتراض وارد کیا ہی، اور اگر یہ کہا جائے کہ نظام الملک اپنے دوسرے ہم مکتبون سے عمر مین بڑا تھا، تو یہ اسکی عمر کی بڑائی کم از کم بقدر تیس برس کے ماننی ہوگی، اگر خیام اور حسن صباح نے اسی اسی اور پچاسی پچاسی برس کی بھی عمر پائی تو ظاہر ہے کہ انکی ولادت ۴۳۸ھ کے قریب قریب ہونی چاہئے، اس صورت مین نظام الملک ان دونون سے قریباً ستائیس برس کے بڑا ٹھہرا تو کیا یہ ممکن ہی کہ ایک چالیس برس کا سن رسیدہ آدمی بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کے بچون کا ہم سبق ہو جب کہ دوسری طرف ہم کو معلوم ہے کہ نظام الملک نے نوجوانی ہی مین ابو علی شادان گورنر بلخ کے ہان بحیثیت کاتب کے ملازمت اختیار کر لی تھی،

ہمارے محتاط محقق نے ابو علی شادان کے ہان "نوجوانی ہی" مین بحیثیت کاتب (میر منشی) ملازمت کر لینے کا واقعہ ابن خلکان کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر کیا وہ ابن خلکان کا کوئی ایسا نسخہ دکھائینگے،

جس مین نوجوانی کی تصریح ہو اثبات دعویٰ کے لیے الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کرنا یہ کونسا" ریسرچ درک"
ہے، ابن خلکان کی عبارت یہ ہے،

واشتغل بالحدیث والفقہ ثم	حدیث وفقہ کی نظام الملک نے تحصیل کی، پھر علی بن
اتصل بخدمتہ علی بن شاذان	شاذان کی خدمت مین پہنچا،

اس مین عمر کی تصریح کی طرف اشارہ بھی نہین، اور بعینہ یہی عبارت کامل ابن اثیر مین ہو،

بہرحال ان تینون کی ہمدرسی کی داستان کے تسلیم کرلینے پر یہ شکوک لازم آتے ہین،

(۱) ایک ہی زمانہ مین دو شخص (ابن صباح اور خیام) ایسے ماننے پڑینگے جنکی عمر ۱۱۰ برس کی ہو اور یہ بعید از عادت ہے،

(۲) ۵۱۶ھ مین خیام نے اعمال نجومی کا حساب کیا اور بادشاہ کے ساتھ ستارگاہ مین جاڑون مین گیا، نظام الملک کے ہم سن ہونے کی صورت مین اس وقت خیام کی عمر سو برس کی ہو گی اور سو برس کا بڈھا نہ تو یہ دماغی اور نہ یہ جسمانی محنت اٹھا سکتا ہو،

(۳) اگر ہم سنی کو چھوڑکر، ابن صباح اور خیام کو ان دونون کی عمرین ۸۰ یا پچاسی مانکر انکی ۵۱۸ھ اور ۵۱۷ھ تاریخ وفات سے حساب لگائین تو لازم آتا ہو کہ انکی پیدائش کے وقت نظام الملک قریبًا ۴۰ برس کا ہو گا تو کیا ممکن ہے کہ چالیس برس کا سن رسیدہ، بارہ بارہ، تیرہ تیرہ برس کے بچون کا ہم سبق ہو،

یہ ہین وہ استحالات جو ان تینون کی ہم سنی اور ہم سبقی کی داستان صحیح ماننے پر لازم آتے ہین، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک زمانہ مین دو مشہور آدمیونکا ایک سو دس برس کی عمر پانا محل حیرت کیا ہے، جب ہم اسی زمانہ مین اس عمر کے متعدد مشاہیر کو پاتے ہین، دولت سلجوقیہ کے بانی سلجوق کی نسبت پڑھتے ہین کہ وہ ۱۰۷ برس کا ہوکر مرا، اور اس عمر تک معرکۂ و کارزار کا مرد بنا رہا[1]، ۴۵۰ھ مین قاضی ابو الطیب طاہر طبری نے ۱۰۲ برس کی عمر مین وفات پائی اور ہمارے دوست کی مستند کتاب زبدۃ النصرہ مین انکے متعلق یہ لکھا ہے

---

[1] ابو الفدا، ذکر ابتدائے سلجوقیہ،

وکان صحیح السمع والبصر سلیم الاعضاء یناظر ویفتی ویستدرک علی الفقہاء،

پھر ہمارے مؤرخ دوست حسن و خیام کو نوشیروان خالد کا ہم مکتب بتاتے ہین، اگر انکا سال ولادت ۴۴۵ھ ہو تو ۵۲۶ھ مین جب وہ ، ۹ کا "بڈھا پھوس" تھا بغداد کی وزارت کا عہدہ کیونکر وہ انجام دیتا تھا،

اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہی کہ عمر خیام کا سال وفات کیا ہے، مولانا نے مجمع الفصحا کے حوالہ سے ۵۱۷ھ نقل کیا ہی، اور عام علمائے یورپ بھی یہی سال وفات لکھتے ہین، مگر ہمارے فاضل دوست کے شیوۂ تحقیق سے یہ امر فروتر ہے کہ وہ بغیر کسی معتبر سند کے اسکو تسلیم کر کے اس پر اپنے قیاسات کی عمارت قائم کردین، خیام کے حالات کے سلسلہ مین جو سنین ملتے ہین وہ حسب ذیل ہین، ۴۶۷ھ[1] مین وہ رصد ملک شاہی کا مہتمم نظر آتا ہے، ۵۰۸ھ مین ابوالحسن بیہقی اس سے ملتے ہین، ۵۰۶ھ بلخ مین نظامی عروضی کی اس سے ملاقات ہوتی ہی، ۵۰۸ھ مرو مین وہ بادشاہ کے شکار کے لیے زائچہ تیار کرتا ہی، ۵۳۰ھ مین نظامی عروضی جب نیشاپور جاتا ہے تو اس کی وفات پر چند سال گذرتے ہوتے ہین،

موجودہ ماخذون سے اسکی زندگی کے یہی سنین معلوم ہوتے ہین، پھر ہمارے محقق دوست کے پاس کونسی نئی سند اوس کے سال وفات کی تعیین کی ہی، مگر اقوال علمائے یورپ! اسی لیے علامہ قزوینی نے بجا طور پر لکھا ہی،

"وفات عمر خیام را غالب مصنفین اور پا در ۵۱۷ھ می نویسند (؟) و بروکلمن در تاریخ علوم عرب در ۵۱۵ھ،

وسند موثقی برای ہیچ یک ازین دو تاریخ بنظر این ضعیف نرسیدہ است، در ہر صورت از چہار مقالہ

واضح می شود کہ وفات او ما بین ۵۰۸ھ - ۵۳۰ھ بودہ است (حواشی چہار مقالہ)

اب غور کیجئے کہ خیام کے "ہموطن" علامہ قزوینی تو یہ لکھتے ہین مگر ڈاکٹر صاحب ۵۱۷ھ کو خیام کی ایک مختتم تاریخ وفات تسلیم کئے بیٹھے ہین،

تیسری بات قابل غور یہ ہی کہ اس داستان کا شان نزول ہمدرسی کی بنیاد پر قائم ہے ہم سنی کے

[1] حواشی چہار مقالہ مین اس موقع پر دو جگہ ۵۳۰ھ کے بجائے ۵۲۴ھ لکھا ہی؟ کیا یورپ کے مطبوعات اور تصنیفات مین بھی سنین کی غلطیان ہو جاتی ہین؟

دعوی پر نہین، گو وصایا کی جعلی کتاب مین ہمدرسی کے ساتھ ہم سنی کا لفظ بھی لکھا ہی[1]، مگر زیادہ تر کتابون مین صرف ہمدرسی ہی کا تذکرہ ہے، پھر سوال یہ ہے کہ ہمدرسی کی صورت مین یہ کیون سمجھا جاتا ہے کہ ان تینون کی ہمدرسی الف بے مین تھی، کتاب مجہول وصایا تک مین تو یہ تصریح ہو کہ نظام الملک طوس سے پڑھکر بعد کو نیشاپور کی درسگاہ مین آیا اور اس کے بعد عمر خیام اور حسن صباح وہان آئے اور وہان حدیث و قرآن کے اسباق مین انکی باہم شرکت ہوئی، ایسی حالت مین اگر ہم نظام الملک اور ان دونون مین ۲۰ برس کی بھی چھوٹائی بڑائی مان لین تو یہ کوئی بعید از عقل بات نہین معلوم ہوتی کہ ایک تیس سال کا جوان جو کچھ عمر گذر نے پر آیا ہو وہ اٹھارہ بیس برس کے نوجوانون کے ساتھ شریک درس ہو سکتا ہو،

اس تقدیر پر ہم عمر خیام اور حسن صباح کی ولادت کا سال تقریباً ۴۳۰ھ کے لگ بھگ تسلیم کرتے ہین اگر خیام کا سال وفات ۵۱۷ھ بھی ہو تو اُنکی عمر کا اندازہ ۹۰ برس ہوگا، اور حسن صباح کا ۹۰ برس، فرمائیے یہ تو بعید از عادت نہین ہے،

ہم اپنے دوست کے اس فلسفہ حساب کے سمجھنے سے علانیہ عجز کا اعتراف کرتے ہین کہ اگر یہ مانا جائے کہ نظام الملک اپنے دوسرے ہم مکتبون سے بڑا تھا تو ہم کو اسکی عمر کی بڑائی بقدر تیس کے ماننی ہوگی' اور اس لزوم کی وجہ سمجھ مین نہ آئی، اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اس سے کم فرض کرتے مین کیا استحالۂ عقلی یا اشکال عادی لازم آتا ہے، اور یہ کہ حسن صباح اور عمر خیام کی عمر اسّی اسّی اور پچاسی پچاسی برس کی کیون تسلیم کیجائے اور اس سے چند سال زیادہ کیون نہین مان سکتے ؟

حسن صباح کا الپ ارسلان کے دربار مین آنا، اور اسکا حاجب کے عہدہ پر منصب ہونا (بحوالۂ ابن عطاش) تاریخ گزیدہ مین مرقوم ہے[2] (الپ ارسلان کا عہد حکومت ۴۵۵ھ سے ۴۶۵ھ تک ہے) اس وقت اسکی عمر ہمارے حساب سے پینتیس ۳۵ اور پینتالیس ۴۵ کے درمیان ہوگی، اسی طرح عمر خیام جب ۴۶۷ھ مین رصد ملک شاہی کا

[1] ضمیمۂ سیاست نامہ مطبوعۂ پیرس، منشورۂ چارلس شیفر، [2] ذکر سلطنت الپ ارسلان و ذکر اسماعیلیان،

اہتمام کر رہا ہوگا، اس کی عمر اس تخمینہ سے ۴۰ برس کی ہوگی، جو اس عظیم الشان خدمت کے استحقاق کے لیے ہر طرح قرین قیاس ہے،

خیام کے سلسلۂ حالات مین شہرزوری کے بیان کے مطابق ہم اوسکو بخارا مین خاقان شمس الملوک کے دربار مین پاتے ہین، یہ غالباً ایلک خانی خانوادۂ حکومت کا خاقان تکین فرمانروا ے ماوراء النہر و ترکستان ہی، جسکا لقب شمس الملک تھا، وہ ۴۶۰ھ مین تخت نشین ہوا، شمس الملک کے سلجوقی سلاطین سے سسرالی رشتے بھی تھے، تاہم الپ ارسلان نے اس پر ۴۶۵ھ مین چڑھائی کی، اور اتفاقیہ جان دی،

شمس الملک کی وفات کی تاریخ ہنوز مجھ کو نہین ملی ہی، لیکن یہ معلوم ہی کہ اس کا دوسرا جانشین احمد خان ملکشاہ کا معاصر تھا، اور ملکشاہ نے اس کو گرفتار کیا، اور ۴۸۲ھ مین اوس کو آزاد کر دیا[۱]،

بہرحال بخارا مین شمس الملک کے دربار مین خیام کا جانا، اور شمس الملک کا اپنے تخت کے برابر بٹھانا ۴۶۰ھ سے جو اس کی تخت نشینی کی تاریخ ہی اور ۴۶۷ھ جو خیام کے نیشاپور مین تعمیرِ رصد کا زمانہ ہی، ان دونون کے بیچ کی کوئی تاریخ ہوگی۔ اس وقت ہمارے تخمینہ سے اوسکی عمر چالیس بیتالیس کی ہوگی، جو اسکی اس شہرتِ کمال کے لیے کہ ایک فرمانروا اس کو اپنے تخت پر جگہ دے، مناسب عمر ہو سکتی ہی، لیکن ڈاکٹر صاحب کے حساب (۴۳۳ھ) سے اس وقت اسکی عمر پچیس تیس کی ہونی چاہیے،

عمر خیام کی تصنیفات مین سے اس کا رسالہ فی براہین الجبر والمقابلہ پیرس مین ۱۸۵۱ء مین (غدر سے ۶ سال پہلے) چھپ چکا ہی، اور اس وقت وہ میرے سامنے ہی، اس کے دیباچہ مین خیام نے علم اور خصوصاً فلسفہ کی ناقدری کا سخت ماتم کیا ہی، اور بالآخر قاضی القضاۃ ابوطاہر کی مجلس مین پہنچنے پر فخر کیا ہی اور شکر کیا ہی، اور اسی کے نام پر یہ کتاب لکھی ہی، قاضی ابوطاہر[۲] کا پتہ مجھے اب تک نہین چلا ہی، تاہم دیباچہ کے ان

---

[۱] ابن اثیر واقعات ۴۸۲ھ، [۲] ابوطاہر قمی اور ابوطاہر خاتونی دو شخص اس عہد مین ہین، مگر دونون صدر اور وزیر ہین، قاضی القضاۃ نہین،

مضامین سے ظاہر ہوتا ہی کہ یقیناً سلجوقی دربار تک پہنچنے سے پہلے یہ کتاب لکھی ہی، ورنہ سلجوقی سلاطین خصوصاً ملک شاہ اور نظام الملک کے عہد مین اور اسکے بعد سنجر کے زمانہ مین بھی جب وہ ایک خاص اعزاز حاصل کر چکا تھا، ایسے سلاطین زمانہ اور وزرائے عہد کو چھوڑ کر ایک گمنام قاضی القضاۃ کے نام اپنی ایک بلند رتبہ تصنیف کو نسبت نہ دیتا، علم کی یہ کیسی بدبختی ہے کہ خیام نے اپنے اس رسالہ کے آخر مین خود اپنی اس تصنیف کی تکمیل کی تاریخ لکھی ہی، اس مین ۲۲ ربیع الاول تو پڑھا جاتا ہی، لیکن جس نسخہ سے یہ کتاب چھپی ہے اس مین نساخ نے سنہ ایسے طلسمی خط مین لکھا ہی کہ وہ پڑھا نہین جاتا، موسیو وپکے WEOPCKE جنھون نے اس نسخہ کا ترجمہ کیا اور چھاپا ہی، انھون نے بھی یونہی اسکو رہنے دیا ہی، تاہم اس کتاب کی تالیف کے ۵ برس کے بعد خیام نے چند صفحے ابوالجود محمد بن بن لیث مہندس کے جواب مین اور اضافہ کیے ہین، اس سے اور بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس کے عہد آخر کی تصنیف نہین اب الپ ارسلان اور ملکشاہ کے عہد سے پہلے ہم اس کتاب کی تصنیف کیلئے جسپر بقول اسکے اُسنے بہت سال غور کیا ہی کیا اسکی عمر فرض ۲۰ برس کی ہوگی

ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر ہوتسما کے حوالہ سے ایک "دلچسپ حقیقت" کو ظاہر کیا ہی کہ اصل مین خیام و حسن کا ہم مکتب انوشیروان خالد تھا، جو نظام الملک کے جانشینون مین سے ایک تھا، اور جسکو ڈاکٹر صاحب قابل قبول سمجھتے ہین، کیونکہ خود انوشیروان نے ڈاکٹر صاحب کے بقول اسکو واضح طور سے ذکر کیا ہی، لیکن انھون نے اس واضح ذکر کی عبارت نقل نہین کی ہی، اور وہ یہ ہی:

فنابت النوائب وظهرت العجائب، وفارق	تو مصیبتین پیش آئین، اور عجیب باتین ظاہر ہوئین، اور جمہور مسلمانون کو
الجمهور من بيننا جماعة نشأ واعلى طباعنا	چھوڑ کر ایک گروہ الگ ہو گیا، جنھون نے ہماری ہی طبیعتون پر نشو و نما
وكانوا لصاعنا، وكانوا معانى المكتب	پائی تھی، اور ہمارے ہی پیمانے مین تھے، اور ہمارے ساتھ مکتب مین تھے
واخذوا حظا وافرًا من الفقه والادب	اور فقہ و ادب کا بڑا حصہ انھون نے حاصل کیا تھا، انھین مین رے
وكان منهم رجل من اهل الرى وسجم	کا ایک آدمی تھا جس نے دنیا کی سیاحت کی تھی، اور اس کا پیشہ
فى العالم وكانت صناعته الكتابة	سرکاری دفترون کی منشی گری تھی پھر اسکا حال چھپ گیا، اور کھڑا
فخفى امره وقام واقام من الفتنة كل قيام الخ	ہوا اور فتنہ کی ہر قیامت اس نے کھڑی کی تھی۔

یہ زبدۃ النصرہ کی عبارت ہی، زبدۃ النصرہ کتاب کی اصلیت یہ ہی، کہ انوشیروان خالد نے فارسی زبان مین سلجوقیون کی مختصر تاریخ لکھی ہی اور وہ خود انکا معاصر اور درباری تھا، اس مختصر فارسی تاریخ کا نام جیسا کہ چلپی نے تصریح کی "فتور زمان الصدور، و صدور زمان الفتور" ہے، اس کے بعد عماد الدین کاتب نے نصرۃ الفترہ و عصرۃ الفطرہ کے نام سے عربی مین انشا پردازانہ، لفاظانہ، قافیون کے جوڑ توڑ مین سلجوقیون کی تاریخ لکھی، اور اس مین انوشیروان کی اس کتاب کو اسی انداز مین گھٹا بڑھا کر اپنی کتاب مین داخل کرلیا، اور اسی کے حوالے اور نام سے اوسکی فارسی عبارتون کو عربی مین نقل کیا، اس کے بعد ابوالفتح بنداری نے نصرۃ الفترہ کی لفاظی اور حشو و زوائد کو کم کرکے اسکا نام زبدۃ النصرہ اور عصرۃ الفطرہ رکھا، اس وقت انوشیروان کے نام سے یہی بنداری کی کتاب پیش کیجاتی ہے، اور اس کے ایک لفظ "مکتب" پر جو اصل مین کیا تھا، اور کیا بنا، یہ دعوی کیا جاتا ہی کہ انوشیروان نے خود تصریح کی ہی،

بہرحال اس کتاب مین یہ ہی کہ "ایک گروہ مسلمانون سے الگ ہو گیا، جو ہماری ہی طبیعت و سرشت کا تھا، اور جو ہمارے ساتھ مکتب مین تھا اور ان مین سے ایک شخص تھا جو ری کا رہنے والا تھا، اور جس نے دنیا کی سیر کی تھی" لیکن اوّل تو لفظ "مکتب" مین بحث ہی، کہ اس کے کیا معنی ہین، عربی مین اس کے لفظی معنی لکھنے کی جگہ کے ہین، لیکن اسکا اطلاق دو معنون پر ہوتا ہے ایک دفتر" (موضع الکتاب) دوسرے ان معنون مین جس مین اردو مین لفظ مکتب بولا جاتا ہی، (دیکھو لسان العرب) اب یہان کیا معنی مراد ہین پروفیسر لوٹسما دوسرے معنی لیتے ہین، مگر اس پر یہ شبہہ ہوتا ہی کہ ہم مکتب وہی بچے ہوتے ہین جو ہم قریہ، یا ہم محلہ ہون حالانکہ حسن صباح ری کا تھا اور انوشیروان نہین معلوم کہان کا تھا؛ لیکن اس کے تعلقات نیشاپور سے معلوم ہوتے ہین، دوسرے یہ کہ انوشیروان کہتا ہی کہ ہمارے مکتب کے رفقا (الصیغۂ جمع) عام مسلمانون سے الگ ہو گئے تو کیا یہ قیاس کیا جائے کہ کیا اس کے اکثر ہم مکتب فرقۂ باطنیہ مین ہو گئے تھے؟ قابل غور امر ہے، تیسرے یہ کہ وہ کہتا ہے کہ اسی ہم مکتب گروہ مین ایک ری کا آدمی (رجل) تھا، آیا رجل کا اطلاق بچہ پر ہو سکتا ہی؟

اگر وہ مراد ہوتی تو ایک لڑکا کہنا چاہئے، پھر کہتا ہے انھین مین ایک آدمی رَی کا تھا اور اس نے دنیا کی سیر کی تھی وَساحَ فی العالم کا کَانَ پر عطف ہی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکتب مین داخل ہونے سے پہلے سیاحت کرچکا تھا، جو کسی طرح ایک مکتب نشین کے لیے خیال مین نہین آسکتا، اگر یہ مقصد ہوتا کہ مکتب چھوڑنے کے بعد اس نے سیاحت کی تو فَسَاحَ (پھر اس نے سیاحت کی) ہوتا مگر ایسا نہین ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ انوشیروان نے ہم مکتب ہونے کا اظہار ان لوگونکی نسبت کیا ہے جو باطنی ہوگئے تھے، اور حسن صباح کے ساتھ شامل ہوگیے تھے، اور منہم کی ضمیر صرف و فارق الجمہور کی طرف راجع ہی، اور اسکی دلیل حسب ذیل ہی،

حسن صباح اور خیام کی طرح یہ معلوم ہی کہ انوشیروان نے سنہ ۵۳۲ھ مین وفات[1] پائی، اسکی ولادت کا سال نہین معلوم، اوسکی کتاب کے عربی ترجمہ سے جو بصورت زبدۃ النصرۃ[2] ہے یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ ملکشاہ اور نظام الملک کے عہد کا چشم دید گواہ نہین ہے، وہ سب سے پہلے اپنے وجود کا پتہ سنہ ۴۸۵ھ[3] مین صرف اس قدر دیتا ہی کہ مین نے تاج الملک کو کئی ہزار کا عطیہ دیتے دیکھا[4]، اس کے بعد سنہ ۴۸۶ھ مین وہ مؤید الملک بن نظام الملک کے ساتھ میدانِ جنگ مین ملتا ہے[5]، اس کے بعد مؤید الملک کے قتل سے غمگین ہوکر سنہ ۴۹۴ھ مین حریری صاحب مقامات کے ساتھ بصرہ مین گوشہ نشین نظر آتا ہے[4]، پھر سلطان محمد کی طلب پر وہ بغداد حاضر ہوتا ہے، سنہ ۴۹۹ھ مین رفاقتِ سلطانی مین اصفہان جاتا ہے[5]، یہ سب سے پہلا موقع کہ وہ کسی سلجوقی سلطان کے دربار سے مشرف ہوتا ہے، اور اس کے بعد وہ خزانہ کی افسری پھر فوج کے متولی عرض کے عہدے[6] پاتا ہے۔ بعد ازین نائب وزیر ہوتا ہے[7]، سنہ ۵۱۶ھ کے پس و پیش مین معتوب ہوتا ہے، اور بغداد مین نظر بند ہوتا ہے[8]، پھر اسکا گناہ معاف ہوتا ہے اور سال ڈیڑھ سال کے لیے سنہ ۵۲۱ھ مین سلطان محمود سلجوقی کا وزیر[9] ہوتا ہے، پھر سنہ ۵۲۹ھ مین تھوڑے

[1] زبدۃ النصرۃ صفحہ ۱۶۶، مصر و کشف الظنون ذکر فتور زمان الصدور، [2] زبدۃ النصرۃ صفحہ ۶۰، مصر [3] ایضاً صفحہ ۶۹، [4] ایضاً صفحہ ۸۲، [5] ایضاً صفحہ ۸۳، [6] ایضاً صفحہ ۸۹، و صفحہ ۹۲، [7] صفحہ ۹۹، [8] ایضاً صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۸، [9] ۱۲۶ و ۱۲۹، [10] ابن اثیر واقعات سنہ ۵۲۱ھ

دنون کے لیے خلیفہ مسترشد باللہ کی وزارت اسکو ملتی ہے[1]، اور آخر ۵۳۲ھ مین وہ وفات پاتا ہے،

انوشیروان کے سال ولادت سے میرے موجودہ ذرائع معلومات مجھے باخبر نہ کرسکے، تاہم ہمارے دوست نے ہم کو یہ دو اصول تعلیم کئے ہین اوّل یہ کہ ہم مکتبی کے لیے ہم سنی ضرور ہے، اور دوسرے یہ کہ انسان کی اوسط عمر اسّی پچاسی برس فرض کیجا سکتی ہے، اس دوسرے اصول کی بنا پر ۵۳۲ھ مین وفات یافتہ انسان کا سال پیدائش ۴۴۷ھ اور ۴۵۲ھ کے قریب ہونا چاہیئے، حالانکہ ہمارے دوست عمر خیام اور حسن صباح کی ولادت ۴۳۵ھ مین فرض کرتے ہین، تو گویا انوشروان کی ولادت کے وقت حسن صباح اور خیام کی عمر ۱۸ یا ۲۲ کے قریب ہوگی، مکتب نشینی کا زمانہ اگر ۸ برس کا بھی فرض کیا جائے تو کیا انھین کے اصول کے مطابق عقل عادی اسکو جائز رکھتی ہے کہ تیس تیس برس کے جوان صالح ایک آٹھ برس کے بچہ کے ساتھ ہم مکتب اور ہم درس ہون،

ممکن ہے کہ ہمارے دوست یہ کہین کہ ہم نے نظام الملک کی ہم نشینی کی خاطر حسن صباح اور خیام کی ولادت ۴۳۵ھ مین فرض کی تھی، ممکن ہے کہ وہ بھی ۴۴۷ھ یا ۴۵۲ھ مین پیدا ہوئے ہون اور اس طرح یہ دونون انوشروان کے بالکل ہم سن ہوکر ہم مکتب ثابت ہو جائین، لیکن اس حالت مین ہمکو یہ معلوم ہے کہ حسن صباح الپ ارسلان المتوفی ۴۶۵ھ کا درباری تھا، اور اسکی زندگی ہی مین وہ دربار چھوڑکر ۴۶۴ھ مین اسماعیلی دعاۃ سے مل چکا تھا، اور خیام ۴۶۰ھ اور ۴۶۵ھ کے درمیان اتنی شہرت حاصل کرچکا تھا کہ خاقان شمس الملک اوسکو تخت پر اپنے ساتھ بٹھاتا تھا، اور ۴۶۷ھ مین ملکشاہ نے جو علم ہیئت کے مشاہیر رصدخانہ کی تعمیر کے لیے جمع کئے تھے، ان مین سرفہرست خیام تھا، خیام کو شہرت اور کمال کا یہ درجہ حاصل کرنے اور صباح کو ایک سلطانی دربار کا عہدہ دار اعلی بننے اور اس کے بعد دعاۃ اسمٰعیلی مین داخل ہونے کے لیے کم ازکم تیس چالیس برس کی تو عمر فرض کرنی چاہیئے، اس بنا پر ۴۳۵ھ کے بعد ان دونون کا سال

[1] زبدۃ النصرۃ صفحہ ۱۳۶ و ابن اثیر واقعات ۵۲۱ھ ج ۶، مصر،

ولادت کسی طرح فرض نہین کیا جاسکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ انوشروان خالد کا ایک ہم سن وہم مکتب جب بقول ابن اثیر "اعیان منجمین" مین داخل ہوکر ایک رصد شاہی کا مہتم ہو، اور دوسرا ہم نشین جب حاجب سلطانی ہو، اور پھر ایک بڑی تحریک کا داعی ہو تو انکی عمرین ۲۰ برس سے زیادہ نہ ہون، کیا یہ معقول فرض ہے؟

بہرحال انوشروان خالد کو خیام اور حسن صباح کی ہم سنی اور ہم مکتبی کے لیے ۴۴۵ھ کے قرب مین پیدا ہونا چاہئے، اور اس فرض کی بنا پر اوسکی عمر اوس وقت جب وہ ۵۲۱ھ مین سلطان محمود سلجوقی کا وزیر مقرر ہوا، چھیاسی برس کی تھی، کیا یہ عمر ایک عظیم الشان سلطنت کی ابتدائے عہد وزارت کے لیے موزون ہوسکتی ہے؟ اور اس سے زیادہ یہ کہ جب وہ ۵۲۶ھ مین خلیفۂ عباسی مسترشد باللہ کا وزیر مقرر ہوتا ہے، اور سلطان سلجوقی اور خلیفۂ بغداد کے تعلقات سلجھانے کے لیے تگاپو مین مصروف ہوتا ہے تو اسکی عمر ۹۱ برس کی ہوگی وہ ارباب علم جو سو برس کے "بڈھے پھوس" خیام کے دماغ کو اعمال نجومی مین مصروف دیکھنا محال سمجھتے ہین، کیا ان سے یہ توقع کیجائے کہ وہ ۹۱ برس کے بڈھے پھوس انوشروان کے دماغ کو اعمالِ وزارت کی انجام دہی کے لیے محال نہین سمجھتے؟ یا للعجب! کسی نظریہ کو اپنی ذاتی تحقیق کے بغیر صرف ایک یورپین دماغ کے اختراع کی بنا پر قبول کرلینا اور اسکو مدعیانہ پیش کرنا کہان تک علم کی صحیح خدمت، اور حقیقت کی صحیح تلاش ہے؟

میرے نزدیک جب تک انوشروان کا سال ولادت کسی ماخذ سے معلوم نہ ہو ۴۵۰ھ سے ۴۶۰ھ تک اس کا سال ولادت فرض کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اسکی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکشاہ کے عہد تک جو ۴۶۵ھ سے ۴۸۵ھ تک ممتد ہے، واقعات کا چشمدید گواہ نہین، اور اس لیے یہ زمانہ اس کے بچپن اور طلب علم اور آغاز جوانی کا معلوم ہوتا ہے، الغرض اس وقت جب انوشروان دس برس سے سترہ برس تک کا ہوگا اس کا ایک فرضی ہم مکتب تقویم جلالی کا خاکہ کھینچ رہا ہوگا، یا رصد شاہی کی بنیاد ڈال رہا ہوگا، اور دوسرا ہم مکتب الپ ارسلان کے دربار سے روٹھکر اسماعیلی داعیون کے بھیس مین ہوگا،

کیا اب بھی پروفیسر ہومر لنما کا یہ نظریہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قابل قبول ہے؟ جب کہ

اس پر بعینہ وہی اعتراضات عائد نہین جو نظام الملک اور خیام و حسن صباح کی ہم مکتبی پر صادق آتے ہین،

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا،

بہر حال جب دونون مفروضے یعنی حسن صباح و خیام کی ہمدرسی نظام الملک اور نوشروان کے ساتھ یکسان اعتراضات وتاویلات کے مورد ہو سکتے ہین، اور ایک ان مین مشہور تر ہے تو کوئی وجہ نہین کہ ہم اسکو چھوڑ کر دوسرے کے اختیار کرنے پر مجبور کیے جائین،

اب اس واقعہ یعنی نظام الملک کی ہمدرسی کی بیرونی شہادتون پر غور کیجئے، یہ واقعہ یا تو نظام الملک کی تصنیف مین ملتا ہے جو کو فرضی اور جعلی ہو، اور یا حسن صباح کے سوانح مین جو اس کے ابتدائی معتقدین نے لکھے ہین مذکور ہے، اس سے اگر حسن صباح اور نظام الملک کی باہمی رقابتون کے اسباب کا اظہار مقصود ہے، یا اس ہمدرسی سے ایک دوسرے کا اعزاز مقصود ہے تو بیچارہ خیام کا نام اس مین کیون شامل کیا گیا ہے، ایک شاعر و منجم و حکیم کی ہمدسی نہ وزیر آل سلجوق کیلئے باعث اعزاز کہی جاسکتی ہے، اور نہ حاکم قلعہ الموت کے لیے، آخر اس مفروضہ داستان مین خیام کی تیسری شخصیت کیون اور کس بنا پر داخل کیگئی؟

پھر واقعہ کی صورت حال ایسی ہے، جس سے ایک طرف حسن صباح کی محسن کشی اور دوسری طرف نظام الملک کی حیلہ گری ثابت ہوتی ہے، جو دو مین سے ایک کے لیے بھی خوش آیند نہین ہو سکتی، اس لیے ان دونون مین سے کسی کے مداح و معتقد کو بھی اس داستان کے وضع کرنے کی ضرورت نہ تھی، پھر یہ واقعہ ادھر نظام الملک کی طرف منسوب کتاب مین ملتا ہے اور دوسری طرف حسن صباح کے معتقدین کی کتابون مین مذکور ہے،

تاریخ گزیدہ مین یہ واقعہ ابن عطاش کے حوالہ سے ہے، جو غالباً عطاش باطنی مالک قلعہ اصفہان، اور حسن صباح کا شریک سازش اور استادزادہ ہو، ایک ہی واقعہ کا دو مختلف گروہونکی کتابون مین پایا جانا اس کی صحت کی دلیل کہی جاسکتی ہے،

اس داستان کی کیفیت جیسا کہ وصایائے نظام الملک مین ہے یہ ہے کہ نظام الملک کہتا ہے،

کہ "مین اپنے وطن طوس مین پڑھتا تھا، پھر میرے باپ نے نیشاپور مین امام موفق کی درسگاہ مین قرأت اور حدیث کی تحصیل کے لیے بھیدیا، امام موفق خراسان کے علمائے مشاہیر مین تھے، اور نہایت بزرگ اور متبرک تھے اور ان کا سن پچاسی سے زیادہ تھا، اور مشہور تھا کہ جو انکی درسگاہ مین بیٹھتا ہے وہ دولت اور اقبال پاتا ہی اور اسکو اعلیٰ مناصب سرکاری حاصل ہوتے ہین، چار سال مین اونکی خدمت مین رہا، اور حکیم عمر خیام اور مرد ودا بن صباح دونو نو رسیدہ تھے . (اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نو عمر تھے، یا یہ کہ درسگاہ مین نئے آئے تھے،) میرے سن کے تھے، اور درسگاہ مین میرے ہم سبق تھے، درسگاہ سے اوٹھکر ہم لوگ ساتھ اسباق کی تکرار کرتے تھے، حسن کا باپ علی بن محمد ری کا تھا، اور ابو مسلم رازی وہان کا رئیس اپنی نیکی اور حسن عقیدت کے باعث اس سے خفا رہتا تھا، علی نے اپنی سنیت کے اظہار کے لیے اپنے بچہ کو اہل سنت کے متعلق علیہ امام موفق کی درسگاہ مین پہنچا دیا، حسن اکثر زاویہ نشین رہتا، کبھی اعتزال اور کبھی الحاد کی باتین کرتا، ایک روز خیام اور حسن نے مجھسے کہا کہ امام کی درسگاہ سے ہم مین سے کوئی اعلیٰ منصب پر ضرور پہنچیگا، ہم سب تو نہین پہنچ سکتے، کوئی ایک پہنچیگا، تو باہمی معاہدہ یہ ہوا کہ جسکو دولت و منصب ملے وہ دوسرونکو بھی برابر کا شریک کرے، ایک زمانہ اس پر گذر گیا، مین خراسان سے ماوراء النہر مین چلا گیا، غزنین و کابل مین پڑا رہا، جب لوٹا تو وزارت نصیب ہوئی، سلطان الپ ارسلان کے زمانہ مین عمر خیام میرے پاس آیا، مینے کہا مین شرط پر قائم ہون، کہو تو سلطان سے کہکر کوئی عہدہ دلواؤن، چونکہ وہ شریف الطبع اور قانع تھا، اس نے تھوڑی سی مدد چاہی، مین نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا، وہ فارغ البال ہو کر تکمیل فن مین لگ گیا اور علم ہئیت مین کمال حاصل کیا، حسن صباح الپ ارسلان کے زمانہ مین گمنام تھا، ملکشاہ کے زمانہ مین اس سال (سنہ جب اس نے قاردو بن جغری بک کی مہم سے فرصت پائی تھی، نیشاپور مین نمودار ہوا اور میرے پاس آیا، مین نے اسکی بڑی عزت کی، اور اپنی اعانت پیش کی، اس نے بناوٹ سے بڑی قناعت اور زہد کا اظہار کیا، مین نے سلطان سے اسکی تقریب کی، اس نے سلطان کے مزاج مین دخور پیدا کر لیا، حاصل یہ کہ مین نے

اوسکو اس درجہ پر پہنچایا، اور آخر اس نے بدسیرتی سے یہ طریقہ اختیار کیا، کہ میری ذرا ذراسی دفتری فروگذاشت کو سلطان کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتا تھا: (اس کے بعد اس قسم کے چند واقعے بیان کیے ہین منجملہ انکے ایک یہ کہ) کہ ایک دن سلطان نے تمام محاصل کی فرد طلب کی، مین نے جتنی مدت اس کے لیے مانگی، اُس نے اس سے دسوین مدت کم مین اس کے تیار کر دینے پر آمادگی ظاہر کی، اور اس نے واقعی کمال کیا کہ اس مدت مین اسکو تیار کر دیا، لیکن چونکہ اس کا کام حسد، شک اور بدعہدی پر مبنی تھا، اس نے تائید نہ پائی، اور کاغذات پیش کرتے وقت خجالت اُٹھائی، اور پھر دربار مین ٹھہرنے کی مجال اسکو نہ ہوئی"

دوسری کتابون مین ہے کہ نظام الملک نے حسن صباح کے ایک غلام کو ملا کر حسن صباح کے تیار کردہ فرد کے کاغذات الٹوا پلٹوا دئے تھے، اور بعض روایتون مین ہے کہ نظام الملک نے قصداً کاغذات ہاتھ سے گرا دئے کہ وہ غیر مرتب ہوگئے، اور اس طرح حسن صباح کی محنت اکارت گئی،

اس داستان مین ایک لفظ "ہم سنی" کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہین جس پر گرفت کیجا سکے، اس داستان مین جتنے اشخاص ہین سب تاریخی ہین، ابومسلم رازی، رے کا رئیس بھی تھا اور نظام الملک کا خسر تھا امام موفق کی قدر وجلالت اور عزت وشہرت بھی ویسی ہی تھی جیسی اس مین بیان کیگئی ہے، نظام الملک کا حسن صباح کے ساتھ باعزاز پیش آنا بھی ثابت ہے، ابن اثیر مین ہے،

"حسن صباح ایک بلند ہمت، لائق اور ہندسہ، حساب، نجوم، اور سحر وغیرہ کا عالم تھا، اور رے کا رئیس ایک شخص تھا جسکو ابومسلم کہتے تھے، اور جو نظام الملک کا خسر تھا، تو حسن صباح پر یہ الزام لگا کہ (اسماعیلی) مصریون کے داعیون کی ایک جماعت اس کے پاس آتی ہے، تو ابن صباح اس سے ڈرا، اور نظام الملک اسکی عزت کرتا تھا، ایک دن نظام الملک نے قیافہ سے تاڑ کر کہا کہ عنقریب یہ بیوقوف عوام کو گمراہ کریگا، جب حسن ابومسلم سے بھاگا تو اس نے اس کو بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہین ملا اور حسن حکیم ابن عطاس کے شاگردون مین سے تھا جو قلعۂ اصفہان کا مالک ہوگیا تھا، حسن صباح گیا

اور ملکون مین پھرا اور مصر پہنچا، .... (ج ۱۰ ص ۲۱۶)

امام موفق جنکا اس داستان مین نام آتا ہے، نیشاپور کے ایک جلیل القدر علمی خاندان سے تھے، ابو عمر محمد بن حسین بسطامی شافعی جو ۳۸۸ھ مین نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے تھے، اور سلطنت اور خلافت کے درمیان سفارت کا فرض انجام دے چکے تھے، ان کے صاحبزادہ تھے، ۴۰۷ھ مین قاضی ابو عمر نے وفات پائی، اور ان کے بجائے امام موفق مسند نشین ہوئے، انکا نام ہبۃ اللہ اور لقب جمال الاسلام تھا، یہ اپنے زمانہ مین تمام شوافع کے مقتدا اور رئیس تھے، اور انکی مجلس علما اور ارباب علم کا مرکز تھی، تمام ملک مین وہ مقبول اور ہردلعزیز تھے، ۴۴۰ھ مین وفات پائی، انکا انتقال ہوا تو حضرت ابوالقاسم قشیری نے ان کے صاحبزادہ ابو سہل ابن الموفق کو سلطنت کی اجازت سے مسند علم و درس پر بٹھایا اور تمام شوافع کو انکی اطاعت پر جمع کیا[1]

امام موفق کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کو دیکھکر سلجوقی سلطنت جو ابھی عہد طفولیت مین تھی ان کے اعزاز و احترام پر مجبور تھی، بلکہ سلطان طغرل اونکا مرید و معتقد تھا، ۴۳۷ھ مین جب حکیم ناصر خسرو نیشاپور پہنچا ہے، تو ان سے ملا تھا، وہ کہتا ہے کہ "حاکم زمان طغرل بک محمد بود..... از نیشاپور بیرون رفتم در صحبت خواجہ موفق کہ خواجۂ سلطان بود[2]"، اب ہر شخص یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ایسے بزرگ کی درسگاہ کی نسبت لوگون کی یہ توقع بجا ہوسکتی ہے کہ وہان پڑھکر اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز ہونگے، پھر واقعات بھی اس کے شاہد ہین، طغرل کا مشہور وزیر عمید الملک کندری جسکا نظام الملک جانشین تھا، وہ امام موفق ہی کے مشورہ سے وزیر مقرر ہوا تھا اور اس عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہوا تھا، زبدۃ النصرۃ مین ہے،

وکان سبب معرفتہ لطغرل	طغرل کی عمید الملک سے شناسائی کی وجہ یہ ہوئی کہ جب طغرل
بک انہ لما ورد نیشاپور افتقر	نیشاپور آیا تو اسکو ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو عربی
الی کاتب یجمع فی العربیۃ والفارسیۃ	اور فارسی دونون زبانون کا منشی ہو، اور

[1] طبقات الکبریٰ سبکی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ و ۱۰۸، مصر۔ [2] میرے پیش نظر سفرنامۂ ناصر خسرو کا قلمی نسخہ ہے جسکے صفحہ ۳ مین یہ عبارت ہے۔

بين الفصاحتين فدل له عليه الموفق	دونون مین فصیح ہو تو ابو سہل کے والد موفق نے
والد ابی سہل (ص ۲۹)	عمید الملک کا پتہ بتایا ۔

ابن اثیر میں ہے،

وكان سبب اتصاله بالسلطان طغرل	عمید الملک کے سلطان طغرل تک پہنچنے کا سبب
بك ان السلطان لما ورد نیشاپور	یہ ہوا کہ طغرل جب نیشاپور آیا، تو اس نے ایک
طلب رجلا یکتب ویکون فصیحا	شخص کو تلاش کیا جو اسکا میر منشی ہو سکے اور عربی
بالعربیة فدل علیه الموفق والد ابی	مین فصیح ہو تو ابو سہل کے والد موفق نے اسکا پتہ
سہل (ج ۱۰ ص ۲۰)	دیا ،

اگر تمام عمر مین ایک شخص بھی ایک ایسے بزرگ کے وسیلہ سے اس بلند و عظیم مرتبہ وجاہ پر سرفراز ہوا تو عوام مین ان کے متعلق عقیدت خاص کے پیدا ہونے کے لیے بالکل کافی ہے ۔

مین سمجھتا ہون کہ اس بحث کے تمام پہلوؤن پر کافی روشنی پڑ چکی ہے ، اب ڈاکٹر صاحب کے دوسرے شبہات کو رفع کرنا ہے ۔

رباعیات کے نسخے ڈاکٹر صاحب نے یہ صحیح فرمایا ہے کہ رباعیات کے متعدد مختلف نسخے ہین، اُسکی بہت سی رباعیان دوسرون کی طرف منسوب ہین ، اور دوسرونکی رباعیان اُسکی طرف منسوب ہو گئی ہین ، ایسی حالت مین وہ کونسا معتبر نسخہ ہے، جس پر مولانا نے اعتبار کیا؟ یورپ کے مستشرقین نے اس کی بیسیون رباعیان اوردن کے نام سے پائی ہین، چنانچہ مولانا نے خیام کی جو رباعیان نقل کی ہین، ان مین سے ڈاکٹر صاحب کے شمار کے مطابق دس رباعیان وہ ہین جنکو ژوکوفسکی نے دوسرونکی طرف منسوب پایا ہے ، اور جب ایک یورپین مستشرق نے انکو دوسرونکی طرف منسوب پالیا تو وہ اب خیام کی کیونکر ہو سکتی ہین ؟

یہ استدلال بالکل بجا ہے ، لیکن ایک کلام جب دو شاعرونکی طرف منسوب ہے تو آپ کیا کیجئے گا؟

یہ کیجئے گا کہ وہ دونون کی ملکیت مشترکہ قرار دیجئے گا، یا دونون کو اسکی ملکیت سے بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا محروم کر دیجئے گا یا آدھا آدھا دونون مین بانٹ کر مصالحت کرا دیجئے گا، ظاہر ہے کہ ان تینون مین سے کچھ نہ کیجئے گا، بلکہ اپنے مذاق پر اعتبار کرکے ان دونون مدعیون مین سے ایک کے حق مین اسکی ملکیت کا فیصلہ کر دیجیگا، اور یہی مولنا نے کیا ہے، آپ کا ذوق اگر اسکو خیام کا کلام ماننے سے ابا کرتا ہے، تو آپ کو مجبور نہین کیا جا سکتا ہے، مجھے معلوم نہین کہ مولنا کے سامنے مخصوص طور پر کون نسخہ تھا، مولنا کے مملوکات مین ایک نہایت عمدہ خوشخط ضخیم فارسی بیاض اشعار ہی جس مین علما، مشائخ، حکما، و فلاسفہ، سلاطین و امرا، کی تقسیم سے اشعار جمع کیے گیے ہین، اس مین خیام کی رباعیات بھی ہین، یہ مجموعہ اس وقت کتب خانہ دار المصنفین مین ہے، اور اس مین یہ اکثر رباعیان خیام کے نام سے ہین، عجب نہین کہ یہی قلمی نسخہ اس وقت ان کے سامنے ہو، بہرحال کسی یورپین مستشرق کا مستند و معتبر نسخہ اگر انکے پیش نظر نہ تھا، اور مشرقی ہی لوگون کے مرتبہ قلمی نسخہ یا نسخے ان کے پاس تھے، تو یہ کوئی جرم نہین،

ہمارے دوست لکھتے ہین کہ "زبان اور انداز سے خیام کی رباعیات دوسرے اساتذہ مثلاً مولانا رومی، عطار، حافظ، سنائی، انوری، بوعلی سینا وغیرہ کی جو رباعیان خیام کی رباعیون کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہین ان سب کا انداز قریب قریب یکسان ہے اور سب کے مضامین متحد اور متشابہ ہین، لہذا ان مین تمیز کرنا اور صرف انداز بیان سے مصنف کا پتہ لگانا محال ہے اگر یہ حقیقت ہی تو خیام کی اس پرستش اور پرستش کی وجہ پھر کیا ہے؟ اور کیون اسکو ایک خیامی فلسفہ کا مجدد سمجھا جاتا ہے۔

ژوکوفسکی نے جن ۸۰ رباعیون کو غیرونکی طرف منسوب پایا ہے، ان مین قریب نصف رباعیان شیخ عطار، مولانا رومی اور حافظ کی رباعیون مین بھی شامل پائی گئی ہین، اور باقی نصف سلطان ابوسعید بوعلی سینا، فردوسی، انوری، سنائی اور عبد اللہ انصاری کی طرف بھی منسوب ہین، ان مین چار قسم کے اشخاص ہین، نرے فلسفی جیسے بوعلی سینا، نرے شاعر، جیسے فردوسی اور انوری، باقی صوفی اصحاب

ہین، خیام ان اقسام اربعہ مین سے الگ شاہراہ رکھتا ہے، اور اس لیے آشنائے ذوق کے لیے اوسکا پہچاننا مشکل نہین، لیکن یہ تمامتر ذوقی چیزین ہین،

کتب وتصنیفات | مولانا نے لکھا ہے کہ خیام کی زیچ یورپ نے چھاپکر شایع کی ہے، ڈاکٹر صاحب کہتے ہین، کہ خیام کی کوئی زیچ آج تک یورپ مین شایع نہین ہوئی، یہ عجیب گول فقرہ ہے، اگر یہ مقصود ہے، کہ خیام نے کبھی کوئی زیچ تیار ہی نہین کی جسکو یورپ شایع کرتا، تو یہ قطعاً غلط ہے، رصد ملکشاہی مین جو زیچ تیار ہوئی تھی، وہ خیام ہی کی تیار کردہ تھی، چنانچہ کشف الظنون مین زیچ ملکشاہی اس کے نام سے لکھی ہے، اور خود علامہ قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین اسکو تسلیم کیا ہے، اور اگر یہ مقصود ہے کہ اسکا نام زیچ خیام نہین زیچ ملکشاہی ہے تو مولانا نے بھی اوسکو زیچ خیام نہین کہا ہے، اگر یہ مقصود ہے کہ خیام کی تیار کردہ زیچ ملکشاہی یورپ مین اب تک چھاپی نہین گئی ہے، تو یہ مسئلہ چندان اہم نہین، یہ تو اطلاع کی بات ہے آپ یورپ مین چند سال رہ چکے ہین، آپکی اطلاع مطبوعات یورپ کی نسبت زیادہ صحیح ہوگی، اگر مجھے یاد آتا ہے کہ اٹالین مستشرق گویدی یا کرنلو اسکی اشاعت مین مصروف تھا، لیکن ابھی مین اسکی نسبت نفیاً یا اثباتاً کوئی امر وثوق کے ساتھ نہین کہہ سکتا، اور نہ اپنے دوست کی اطلاع صحیح تسلیم کرنے کو تیار ہون،

مولانا نے خیام کی بعض تصنیفات کا ذکر کیا ہے اور بعض ایسی تصنیفات کے ذکر سے خاموش ہین جو یورپ کے کتبخانون مین ملتی ہین، اور جنکا ذکر علامہ قزوینی نے یورپ مین بیٹھکر اپنے حواشی مین کیا ہے، یہ کوئی چندان گرفت کی بات نہین، ظاہر ہے کہ مولانا یورپ کے کتبخانون سے علامہ قزوینی یا پروفیسر براؤن کی طرح نہ واقف تھے، اور نہ ہو سکتے تھے، لیکن خیام کی تمام تصنیفات کا نام ونشان نہ بتانا اگر نقص ہے، تو مین کہہ سکتا ہون کہ ہمارے دوست نے خیام کی ایک اور تصنیف کا ذکر نہین کیا جس کا نام غالباً لوازم الامکنہ؟ مقاسیم الوجود ہے، اور جو اس وقت بھی پروفیسر عبدالقادر (بمبئی) کی ملکیت مین ہے،

ہمارے دوست نے اس پر بھی طنز کیا ہے کہ مولانا نے شہرزوری کی نزہتہ الارواح کا نام تاریخ الحکماء

لکھدیا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی باتون پر گرفت تنگدلی ہے، شہرزوری کی کتاب کا پورا نام نزہتہ الارواح و روضتہ الافراح فی تواریخ الحکماء المتقدمین والمتاخرین ہے اگر اختصار کے لحاظ سے اسکو مولنا نے تاریخ الحکماء لکھدیا یعنی نام کا دوسرا جزلے لیا تو کیا یہ غلطی ہے؟ جناب نے اپنے مضمون مین زبدۃ النصرۃ شایع کردہ ہوٹسما کو عماد الدین کاتب کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ عماد الدین کی کتاب کا نام نصرۃ الفترہ وعصرۃ الفطرۃ" ہے، اور ہوٹسما نے اس کے خلاصہ کو جسکا نام "زبدۃ النصرہ ونخبتہ العصرۃ" ہے اور جو فتح بن علی بن محمد بنداری کی ہے شایع کیا ہے، یہ دونون الگ الگ ہین اگر میرے قول پر وثوق نہ ہو تو پیرس کی نیشنل لائبریری کی قلمی عربی کتابونکی فہرست مین نمبر ۲۱۴۵، ۲۱۴۶ دیکھئے

عرائس النفائس مولانا نے شہرزوری کے حوالہ سے خیام کی ایک کتاب عرائس النفائس کا نام لکھا ہے کہ خیام نے ایک بحث کے دوران مین کہا کہ مین اس مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس مین لکھ چکا ہون" ڈاکٹر صاحب لکھتے ہین کہ شہرزوری کی اس عبارت مین یہ فقرہ نہین، مولانا شبلی نے اسکو اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، ہمارے لائق دوست نے اپنے پورے مضمون مین اس سے زیادہ دلیرانہ فقرہ کوئی نہین لکھا، اور یہ دلیری انھون نے اس بیے کی ہے کہ علامہ قزوینی نے اپنی عبارت مین اس فقرہ کو نقل نہین کیا ہے لیکن لطف یہ ہے کہ ہمارے وسیع النظر دوست نے خود شہرزوری کی کتاب ملاحظہ نہین فرمائی ہے اور نہ علامہ قزوینی نے اس موقع پر شہرزوری کی طرف مراجعت کی ہے، جیسا کہ انھون نے خود تصریح کردی ہے اور لکھا ہے کہ مین نے زدکوفسکی سے یہ عبارت نقل کی ہے، اس سے زیادہ ایک انسان کی علمی جرأت اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک کتاب کو دیکھے بغیر اس کے متعلق کوئی مدعیانہ فقرہ اپنی زبان وقلم سے نکالے، اور اس پر فخر کرے،

ہمارے محقق دوست ملتفت ہین؟ شہرزوری کا نسخہ مولانا کے استعمال مین کم از کم دس بارہ برس رہا، انکا ذاتی نسخہ جواب کتبخانۂ ندوہ مین ہے حیدرآباد کے نسخہ سے منقول ہے، حیدرآباد کا یہ نسخہ ۷۳۶ھ مین تبریز مین لکھا گیا ہے، یعنی مصنف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد لکھا گیا ہے، اس مین یہ فقرہ مذکور ہے

فقال الخیامی انا قد ذکرت ذلک فی کتاب عرائس النفائس من تصنیفی (صفحہ ۷، نسخۂ ندوہ)	خیام نے کہا مین نے اسکو اپنی تصنیف عرائس النفائس مین بیان کیا ہے،

ہمارے فاضل دوست نے انکار کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ قزوینی نے چہار مقالہ مین یہ فقرہ نقل نہین کیا ہے، قزوینی نے یہ عبارت زدکوفسکی سے بعینہ نقل کیا ہے اور زدکوفسکی مین یہ فقرہ نہین، اور یورپین مستشرق سے کبھی نقل عبارت مین کوئی فقرہ نہین چھوٹا کرتا، پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ہو نہو ہندوستان ہی کے مصنف نے غلطی کی ہے، لیکن زدکوفسکی کی اس منقولہ عبارت مین توکم ازکم دو غلطیان اور ہین جن مین سے ایک کی علامہ قزوینی نے اپنی طرف سے تصحیح کر دی ہے. بہرحال کتاب موجود ہے اوفیصلہ ہو سکتا ہے.

صفحاتِ بالا مین ڈاکٹر صاحب کے تمام اعتراضات کے سنجیدگی اور ملائمت کے لہجہ مین جواب دے گیے ہین، لیکن دورانِ بحث مین ابھی کئی باتین ڈاکٹر صاحب کے لیے محتاج ثبوت ہین، لیکن مین نے قصداً ان کو تسلیم کرلیا ہے، مثلاً خیام کی تاریخ وفات کا مسئلہ وصایائے نظام الملک کے تمامتر جعلی اور فرضی ہونے کی بحث، امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس تشنہ بحث کو تکمیل تک پہنچا کر اپنی زبان پر احسان فرمائینگے معارف کے صفحات ہمیشہ انکی تحقیقات کے قبول کرنے کے لیے کھلے ہوئے ہین، آخر مین اپنے "ہندی مستشرق" دوست سے عرض ہے کہ اپنے دوسرے مشرقی علمی خدمت گذار دن کو نظر حقارت سے نہ دیکھین،

دوستان عیب من بیدل حیران مکنید ‌ ‌ ‌ جوہرے دارم وصاحب نظرے میجویم

اور ان مین بہت سے لوگون نے حکومت ہالینڈ کی عظیم الشان خدمتین انجام دین،

۱۸۲۰ء اور ۱۸۲۷ء کے درمیان حکومت ہالینڈ نے سید حسن بن عمر الحبشی کو شاہ سیام، سلطان برونی، امرائے بالی اور امرائے سوراکرتا کی خدمت مین چند اہم امور پر تبادلۂ خیالات (مخابرات) کے لیے روانہ کیا، چونکہ ان اطراف مین سید موصوف کا بڑا اثر و اقتدار تھا، اس لیے حکومت نے سیاسی مہمات مین کامیابی حاصل کرنے کے لیے اُن سے کام لیا، ۱۸۳۰ء مین سید موصوف نے ایک اہم یادداشت ہالینڈ کی ہندوستانی حکومت کے گورنر جنرل کی خدمت مین پیش کی جس مین وہ کامیاب ذرائع بتائے جن سے بحری ڈاکو ئن کا قلع و قمع کیا جاسکتا ہے، ۱۸۴۲ء مین حکومت نے ان کو (فنغیران) کا خطاب دیا جو شرفائے جاوہ کا سب سے بڑا خطاب ہے، اسی طرح انکی فضیلت کے اعتراف مین مبلغ ۴۰۰۰ سالانہ کا وظیفہ بھی عطا فرمایا،

جنگ اچی مین جن لوگون نے حکومت ہالینڈ کی خدمت کی ان مین سید ابوبکر عیدید بھی ہین جو تبادی مین عرب کے سردار تھے، انھون نے بھی ۱۸۷۸ء مین "مایور" کا خطاب حاصل کیا اور اس کے چند سال کے بعد اپنی خدمات کے صلے مین فنغیران کا خطاب بھی پایا،

زمانۂ قدیم سے آج تک جزائر ہند مین اہل عرب کی معاش کا اہم ذریعہ تجارت ہی، اونکی دولت و ثروت کا ایک ذریعہ بحری و تجارتی جہازرانی بھی تھی اور تمام بحری سفرون کی باگ انھی کے ہاتھ مین تھی، اور صرف انھی مین سے ناخوذہ یعنی کپتان، نائب کپتان اور مہتمم سامان تجارت (مدیر البضاعتہ) ہوتے تھے ان تین عہدونکے علاوہ اور باقی عہدہ دار ملکی باشندے ہوتے تھے، انیسوین صدی کی ابتدا مین بھی بحری جہاز عرب کی دولتمندی اور خوشحالی کا سب سے بڑا سبب تھے، یہ جہاز ۱۸۴۵ء اور ۱۸۵۵ء کے درمیان اخیری قوت مین انتہائی درجہ کو پہنچ گئے تھے، لیکن اسی وقت سے ان سمندرون مین دخانی جہازون کے مقابلہ و کشمکش سے ان کے جہازات اپنے قدم پیچھے ہٹانے لگے،

عربی جہازات کی کثرت کے جاننے کے لیے یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ ۱۸۵۰ء مین یعنی عین اس وقت

جبکہ اہل عرب کو شکست ہو رہی تھی ہ، عربی جہازات باقی تھے، اور اب صرف انکی چند درد انگیز یادگارین اُن بوڑھون کے دماغ مین باقی رہگئی ہین، جو اب نہایت معمولی زندگی بسر کر رہے ہین، حالانکہ اس سے پہلے وہ ریاست کے اسٹیج اور شرف و خوشحالی کی چوٹی پر نظر آتے تھے۔ یورپین لوگون اور ملکی باشندون کے درمیان اہل عرب تجارتی لین دین کا ایک اہم ذریعہ ہین، اگرچہ اس معاملہ مین اونکا درجہ چینیون سے کم ہے، یہ لوگ زیادہ تر کپڑون بالخصوص **باتیک** یعنی رنگین تہبندون کی تجارت کرتے ہین، اور تہبندون کے اکثر کارخانے یا تو ان کے قبضے مین ہین یا اُن کے سرمایہ سے چلتے ہین۔ اور بہت سے عرب اس کے ذریعہ سے دولتمند ہو گئے ہین، اخیر سالون مین ان عربون نے جنھون نے یورپ مین تعلیم پائی تھی یہ کوشش کی کہ تجارتی سامان براہ راست یورپ، امریکہ اور اسٹریلیا سے منگائے جائین لیکن ۱۹۲۰ء مین قیمتون کے گر جانے سے انکی یہ کوشش پوری طور پر کامیاب نہین ہوئی، اہل عرب مین بہت سے لوگ بڑے بڑے شہرون اور دیہاتون مین وسیع زمینون اور بڑے بڑے مکانون کے بھی مالک ہین، اور اب میونسپلٹی نے ان سے ان وسیع زمینون کو خریدنا شروع کر دیا ہے، لیکن ان تمام باتون کے ساتھ ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہل عرب مین ایسے لوگ بھی موجود ہین جو سود کے ذریعہ سے دولت حاصل کر رہے ہین،

ان ملکون مین عرب کی تمدنی حالت کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ مین ہم ان کی ان تقسیمات کا ذکر کر دین جو حضر موت مین پائی جاتی ہین، کیونکہ یہ لوگ بہت سی قسمون مین منقسم ہین، جن مین اہم قسمیں یہ ہین

(۱) **سادات** یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولادین ہین، اور آل شیخ ابوبکر کے سوا یہ لوگ ہتھیار نہین اٹھاتے، یہ لوگ نہایت بلند رتبہ اور ذی اثر ہین، اور ان کا کام دو متحارب فرقون مین صلح کرا دینا ہے، اور اسی طرح مذہبی تعلیم بھی انھی کے فرائض مین داخل ہے،

۲- **قبائل**، یہ لوگ سپاہی ہین، اور باہم ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے ہین،

۳ **ضعفاء**، یعنی کاشتکار اور کاریگر،

۴- **غلام**، جن مین نسب وخاندان کے لحاظ سے اکثر لوگ افریقی ہین،

حضرمی قبیلہ کی لڑکیان ان لوگون سے شادی نہین کرتین، جوان سے پست درجہ ہین. ہالینڈ کے ہندوستانی جزائر مین اگرچہ حضرمی قبیلہ کے لوگ اخیر کی تینون قسمون مین اپنے آپ کو داخل نہین کرتے، بلکہ ان مین اکثر لوگ سیّد شیخ اور سادہ کے لقب سے مشہور ہین، اور عرب اور ملکی باشندے دونون کے دونون ان کا احترام کرتے ہین، تاہم یہ رواج ان جزائر مین بھی ہے، اس سلسلے مین ہاتھ سونگھنے کی رسم کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس شدت سے جاری ہے کہ ایک معمر دولتمند بڈھا بھی ایک کمسن، محتاج سید کا ہاتھ سونگھتا ہے، لیکن جو لوگ مساوات کے خواستگار ہین اُنکی کوشش سے یہ رسم مٹنے لگی ہے، جس شخص نے ان لوگون کو اس طرف توجہ دلائی، وہ ایک عالم تھا جو افریقہ مین پیدا ہوا تھا، مکہ مین تعلیم پائی تھی، اور یہان سادات کی درخواست پر ۱۹۱۱ء مین مذہبی تعلیم کا استاد ہو کر آیا تھا اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ ایک شریف عورت غیر سیّد سے بھی شادی کر سکتی ہے جسکی وجہ سے اہل عرب مین نزاعین قائم ہوگئین، اور ان نزاعون کا خاتمہ اس وقت تک نہ ہو سکا جب تک تجارتی سرد بازاری نہ ہو گئی، ان نزاعون کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۴ء مین عربی جمعیت اصلاح الارشاد قائم ہوئی اور ۱۹۱۵ء مین اوسکی طرف سے پہلا مدرسہ تبادی مین کھولا گیا،

آج سے ۲۵ سال پہلے عرب کے لڑکون کی تعلیم نہایت ابتر حالت مین تھی، لیکن موجودہ حالت مین انھون نے تعلیم کا معیار بلند کر دیا ہے، اور اس کا ایک نظام قائم کر لیا ہے، اور اسی وقت سے انجمنین قائم ہونے لگی ہین، جن مین ہمارے خیال مین سب سے پہلی انجمن جمعیتہ الخیر ہے جو ۱۹۰۳ء مین باہمی امداد کے لیے قائم کی گئی اسکے بعد ۱۹۰۵ء مین اس انجمن کی طرف سے پہلا مدرسہ کھولا گیا، اور اب سردست جاوہ مین ۱۴ عربی مدرسے موجود ہین،

۱۹۱۹ء مین ایک عرب نے یہ کوشش کی کہ جسطرح چینیون کے لڑکون کے لیے چینی ہالینڈی مدارس قائم ہین اسی طرح عربون کے لڑکون کے لیے عربی ہالینڈی مدارس قائم کیے جائین، حکومت نے بھی ان مدارس کے قیام کی طرف اس شرط پر اپنا میلان ظاہر کیا کہ اہل عرب ان کی طرف اپنا میلان ظاہر کرین اور اپنے لڑکون کو ان مین تعلیم کے لیے بھیجین لیکن عرب کی نااتفاقی سے یہ مدارس قائم نہ ہو سکے اور اسی اختلاف سے وہ کوشش بھی ناکام رہی جس کے ذریعہ سے ایک ایسا عربی اتحاد قائم کیا جا رہا تھا، جو مدارس عربیہ کی تعلیم کا ایک متحدہ پروگرام بنانا چاہتا تھا،

چونکہ یہ تمام پارٹیان اپنے اظہار مافی الضمیر کے لیے مختلف ارگنون کی ضرورت محسوس کر رہی تھین اسلیے انھون نے سب سے پہلے ان ملائی اخبارون سے یہ کام لیا جو چینیون کے زیر اثر تھے، اس کے بعد خود انھون نے عربی زبان مین اخبارات نکالے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ چونکہ اہل عرب نے انکی طرف توجہ نہین کی، اور انکو مالی امداد نہین دی، اس لیے یہ اخبارات بہت دنون تک زندہ نہ رہ سکے اور یکے بعد دیگرے بند ہوتے گئے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہر زمانے مین نئے نئے اخبارات جاری ہونے لگے اور اس وقت جو اخبارات موجود ہین ان مین دیلنفریدن سے اخبار بورولود ورادرسرابایا سے اخبار القسطاس نکل رہا ہے، (اور اس مضمون کے لکھنے کے بعد یہ رسالہ ذخیرۂ اسلامیہ جس مین ہم یہ مضمون لکھ رہے ہین نکلا لیکن یہ خالص مذہبی رسالہ ہے، پارٹیون سے اس کو کوئی تعلق نہین)

حضر موت اور ان جزائر مین آمد و رفت کے ذرائع جس قدر آسان ہوتے جاتے ہین، اور عربون کی نسل مین جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے، اسی قدر جاوہ مین حضرمی عربون کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ۱۸۵۹ء سے پہلے مشرقی جزائر ہند مین عربون کی کوئی مردم شماری نہین تھی، اور اب سرکاری مردم شماری کے مطابق اہل عرب کی تعداد یہ ہے،

سنہ	جاوہ اور مادورہ	دوسرے جزائر	مجموعی تعداد
۱۸۵۹	۴۹۹۲	نامعلوم	نامعلوم

۱۸۷۰	۷۴۹۵	نامعلوم	نامعلوم
۱۸۸۵	۱۰۸۸۸	〃	〃
۱۹۰۵	۱۹۱۴۸	۱۰۴۴۰	۲۹۵۰۰
۱۹۲۰	۲۷۸۰۶	۱۷۱۱۵	۴۴۹۲۱

باوجودیکہ قوانین مہاجرت کے نفاذ مین اہل عرب پر سختی کیجا رہی ہی، تاہم گذشتہ مردم شماریون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہی، اور اُسکی وجہ صرف یہ ہی کہ اس زمانے مین انکی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے، مثلاً ۱۹۱۶ء سے پہلے اونکو بعض مقامات مین بغیر اجازت خاص کے سکونت کا حق حاصل نہ تھا لیکن حکومت نے ۱۹۱۶ء مین جزئی، اور ۱۹۱۹ء مین کُلّی طور پر اس قانون کو منسوخ کردیا جس کے رو سے اہل عرب صرف خاص خاص مقامات مین آباد ہو سکتے تھے، اسی طرح اُنکو اندرون ملک مین سفر کرنے کے لیے پروانۂ راہداری کے حاصل کرنے کی جو ضرورت ہوتی تھی، اس سے بھی انکو مستثنیٰ کردیا،

حضرموت مین آزادی اور امن صرف سادات کے لیے مخصوص ہی، لیکن ان ملکون مین تمام حضرمی یعنی سادات، مشائخ، قبائل اور ضعفا سب کے سب اس نعمت سے بہرہ اندوز ہین، اس بنا پر اونکو ملکہ ولہلمینا اور اسکی عادل حکومت کا شکر گذار ہونا چاہیئے، اور ہم حال سے زیادہ مستقبل مین بھلائی کے متوقع ہین،

بوس انسٹیٹیوٹ

کلکتہ کا بوس ریسرچ انسٹیٹیوٹ، جسے سر جگدیش بوس نے قائم کیا ہی، پودون کے متعلق اپنی تحقیقات کے لیے بہت کچھ شہرت حاصل کرچکا ہے، اس وقت سر بوس، یورپ کے مختلف ممالک مین اپنی علمی تحقیقات پر تقریرین کر رہے ہین، وہان سے آئی ہوئی خبرون سے معلوم ہوتا ہے کہ امپیریل کالج آف سائنس مین انھون نے جو تقریر کی تھی وہ بہت کامیاب ثابت ہوئی ہے ٹائمس نے اپنے تعلیمی ضمیمہ مین اس انسٹیٹیوٹ کا ان الفاظ مین ذکر کیا ہے:-

سر جگدیش **بوس**، اپنی گذشتہ سیاحت یورپ کے زمانہ (۱۹۲۰ء) مین رائل سوسائٹی کے فیلو (رفیق) منتخب ہوئے تھے، پیرس کے ممتاز عالمون نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور دانا و برلن نے بھی انکی خدمات کو نظر استحسان دیکھا، مشہور ماہر حیاتیات ہبرلینڈ نے کہا کہ "یہ صرف ایک اتفاقی حقیقت نہین ہو کہ ہندوستان کے ایک باشندہ نے حیاتیات کے متعلق اس قدر وسیع اضافہ کیا ہے، بلکہ یہ وہی قدیم روح ہے جس نے الٰہیات کو سرحد ادراک سے بعید تر کر دیا تھا، اور اب وہی موجودہ دور مطالعہ و مکاشفہ مین اشیاء کی حقیقت کے تجربہ و دریافت کی شکل مین رونما ہوئی ہے"

آج سے چھ سال قبل، بوس انسٹیٹوٹ کا علمی تجربات کے لیے قیام ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم واقعہ ہے، کیونکہ اسکی بنیاد ایسے اصولون پر رکھی گئی ہے، جنکا نتیجہ علم کی یقینی ترقی ہے، اس کے بانی نے کہا تھا کہ ایک سائنس دان آرام و سکون کی زندگی بسر نہین کرسکتا اور نہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اسکی مساعی ضرور کامیاب ہونگی، اس کیلیے جس قوت عمل کی ضرورت ہے وہ ذاتی مفاد کا نتیجہ نہین ہوسکتی بلکہ یہ ایک بڑی اندرونی دعوت ہے، جسکو لبیک کہتے ہوئے عالم اپنی زندگی نثار کرنے کو تیار ہوجاتا ہے، یہ دعوت، طلب علم کے ذوق خالص کا لازمہ ہے،

سر جگدیش نے اعلان کیا ہے کہ اس تجربہ گاہ کا دامن تنگ اپنی وسعت بھر تمام عالم کے سچے طالبان حقیقت کو اپنی آغوش مین لینے کے لیے تیار ہے، ہندوستان کی علمی روح کی فطرت ہے کہ بنی نوع انسان کی بہبودی کے لیے حصول علوم کے راستہ مین ذاتی مفاد کا روڑا اٹکانا نہین چاہئے، اس کی وسعت علم سے عورت و مرد ہر وقت و ہر ملک مین مستفید ہونگے، یہان کی تحقیقات عوام کی ملکیت ہوگی، یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے، اور یہی سبب ہے کہ بعض مخیر حضرات کے عطیات کے جو چند شرائط کے ساتھ عطا کیے جانے والے تھے، حصول کا اس کو شرف حاصل نہین ہوسکا ہو،

بوس انسٹیٹوٹ کی تعلیمات، دوسرے کالجون سے مختلف ہین، موخر الذکر مین اساتذہ کی ایک محدود

جماعت طلبار کی کثیر تعداد کو معلوم و دریافت شدہ حقائق سے آگاہ کردیتی ہے، ایک محقق صادق کے بنانے مین سخت دشواریون کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تب کہین جاکر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اپنی تحقیقات سے دنیا کے علمی خزانہ کو مالامال کرے، اس کے لیے بیدار مغز، اعلی اخلاق اور بلند تر ذہانت کی ضرورت ہے، اس وقت خود بانی کے ماتحت ایک درجن ایسے اشخاص تربیت پا رہے ہین، ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کو دنیا کے تمام علائق سے آزاد کرکے صرف اسی کے ہورہین، کیونکہ قدیم ہندوستانی تعلیم کے مطابق **سر بوس** کا خیال ہے کہ صداقت وحقیقت کا انسان کو اسی وقت علم ہوتا ہے، جبکہ وہ اور اس کا دماغ سکون طمانیت کی منزل تک پہنچ جاتا ہے، کلکتہ کی گذشتہ چار پانچ سالہ پرہیجان فضانے انکی آزمایش کا بہترین موقع پیش کردیا تھا اور وہ اس مین کامیاب ہوئے ہین، طلبار کو وظائف دئے جاتے ہین، اور اس کا اصول یہ ہے کہ اعلی علمیت، سادہ زندگی پیدا کرتی ہے، وہ سب کے سب نہایت ہی خوشی و اطمینان سے، یکسو ہوکر اپنے فرائض کی انجام دہی مین مشغول ہین،

سر جگدیش، نے اپنی تمام ملکیت اس کے لیے وقف کردی ہے، مگر ایک وسیع بین الاقوامی علمی مرکز صرف اسی وقف پر قائم نہین رہ سکتا، ہندوستان کے تعلیم یافتہ اشخاص کا خیال ہے کہ ہندوستان کی علمی روایات کے قیام کی بہترین صورت یہ ہے کہ دنیا کی علمی ترقی مین عملی حصّہ لیا جائے، چنانچہ سر مکائل سیڈلر نے کہا ہے کہ یہ علمی مرکز ہزارون نوجوان ہندیون کے لیے شمع ہدایت ہے کہ یہان علم صرف علم کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، اور اسکی فضا آزادی و جوش تحقیقات کے ذرون سے پر ہے، حکومت نے بھی اس کی خدمات کا اعتراف کیا اور اسے "شعبہ جات منتقلہ" کے دائرہ سے باہر رکھا ہے، چنانچہ اس کے قیام کیلئے بشرطیکہ یہ انسٹیٹیوٹ انھی اصول کو اپنے پیش نظر رکھے جن کے ساتھ اس کے بانی نے اسے قائم کیا ہے حکومت نے ایک رقم منظور کی ہے، اس حیثیت سے حکومت ہندنے باشندون کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے اس کی تمام کارروائیان اور اس کے تمام تجربے آزادی کے ساتھ انجام دئے جائینگے تاکہ وہ علمی دنیا

کی بہتر طریقہ سے خدمت انجام دے سکے،

گذشتہ تین سالون کے عرصہ مین انسٹیٹیوٹ نے تین ضخیم جلدین شائع کی ہین، ان مین تقریباً ایک سو انکشافات کا ذکر ہے جو دوسرے انکشافات کے لیے ایک وسیع میدان پیش کرتے ہین، اسکی سب سے آخری ایجاد "فوٹو سینتھیسس" ہے جس کے ذریعہ پتہ چلایا جاسکتا ہو کہ پودہ کس قدر عرق حاصل کر رہا ہو، سربوس نے گذشتہ نومبر مین یونیورسٹی کالج مین اس کو پیش کیا تھا، انکی تحقیقات طبی نکتہ نظر سے اس قدر اہم ہین کہ رائل سوسائٹی آف میڈیسن، اپنے ایک مخصوص اجلاس مین صرف انھین پر غور کریگی، کیا ہم مسلمانون کے تعلیمی مرکزون کی طرف اس کے نقش ثانی کے لیے دیکھ سکتے ہین؟

نسل انسانی کا آغاز

موجودہ اقوام اور قبائل کے متعلق جدید ترین خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے ایشیا کبری (چین، ترکستان) کے بلند مقامات مین ظاہر ہوے، جہان ہر قسم کے بندر اور بن مانس پیدا ہوئے، ان مقامات مین بلندی اور انکی سطح کی ہمواری کی وجہ سے بکثرت پانی، چراگاہین اور درخت ہوتے تھے کیونکہ یہان کے پہاڑ مخروطی شکل کے نہ تھے کہ ان پر سے پانی نیچے گر جاتا، بلکہ وہ مسطح اور ہموار تھے، اس لیے ان مین پانی جمع ہوجاتا تھا جسکی وجہ سے وہان نباتات کی بڑی کثرت تھی جو عام جاندارونکی غذا ہے،

جب اس علاقہ مین جاندارونکی بہت کثرت ہوئی تو مقابلہ وجدال کا سلسلہ ہوا جس مین وہی جاندار کامیاب رہتے تھے جو عقل یا جسم کی حیثیت سے دوسرون پر فوقیت رکھتے تھے، انکی یہی کامیابی انکی نسل کو بھی بڑھاتی گئی کیونکہ دوسرون پر کامیابی کے بعد مال غنیمت مین انکو جاندار مادہ ہاتھ آتی تھین اور اس طرح برابر ممتاز جاندارون کی نسل روز افزون کرتی گئی، پھر ایک کافی زمانہ گذر جانے کے بعد جب امتیاز اور دوسرون پر فوقیت کی یہ صفات افراد مین عام ہوگئین تو ایک نوع کا دوسرے نوع سے امتیاز ہونے لگا، گویا وہی خصوصیات جو ابتدا مین ایک مخلوط گروہ کے دوسرے مخلوط گروہ سے امتیاز و تفریق کا ذریعہ تھین اب

خود اس مخلوط گروہ کے ایک نوع سے دوسری نوع کے امتیاز و تفریق کا ذریعہ ہوگئین، اور اسی طرح برابر ایک نوع سے دوسری نوع جدا ہوتی اور بڑھتی رہی،

یہ اس علمی جماعت کی رائے ہے جسکو امریکہ نے انسان کے ابتدائی مولد و منشار کی تحقیق کی غرض سے چین کی بلندیون کی طرف روانہ کیا، یہ جماعت ابتک صحیح اور یقینی طور پر اس سرزمین کا پتہ نہین لگا سکی جہان سے انسان کی ابتدا ہوئی تاہم علمار کا خیال ہے کہ یہ چین کی بلندیون کو انسان کا ابتدائی وطن قرار دینے مین کسی غلط راہ پر نہین ہے کیونکہ ابتک مرجح خیال یہی ہے کہ حیوانات کی دوسری انواع کی طرح انسان بھی سب سے پہلے انہی بلندیون پر ظاہر ہوا،

موجودہ انسانی قبائل سے پہلے انسان کی بہت سی نوعین ظاہر ہو چکی ہین جن مین سے آخری انسان نیاندرتالی تھے، یہ لوگ پست قد، بھرے ہوئے بدن، دھنسی ہوئی آنکھین اور چپٹی پیشانی، اور ٹھوڑی والے لوگ تھے، یہ اس زمین پر تقریباً ایک لاکھ برس زندہ رہکر آخر مین بالکل فنا ہو گئے، بعض علمار کا خیال ہے کہ غول بیابانی اور ہوّا کے خوفناک قصے جو کم و بیش ہر قوم و جماعت مین پائے جاتے ہین یہ سب دراصل انہی واقعات کی روایتین ہین جو موجودہ نسل انسانی کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور مین اس قدیم نسل انسانی کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ کے مواقع پر پیش آتے رہتے تھے،

موجودہ انسان جسکی نسلین تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہین اس کے ظہور و ابتدا کی تاریخ آج سے بیس ہزار برس پہلے سے شروع ہوتی ہے، یہ ایشیائے کبریٰ کی بلندیون پر تھی وہین اسکی نسل بڑھی، لیکن جب وہان نسل کی کثرت، بارش کی کمی، اور نباتات کی کمیابی شروع ہوئی تو اس نے ہجرت اختیار کی اور دوسری دوسری زمینون مین پھیلنا اور آباد ہونا شروع کیا، ترک وطن کے وقت یہ نسل شکار کے طریقون اور آگ روشن کرنے سے واقف تھی، اس نسل انسانی کے کچھ لوگ شمال مغرب کی طرف چلے گئے اس وقت یورپ کے (جو اس عہد مین جب انسان صرف چمڑہ استعمال کیا کرتا تھا بالکل برف سے ڈھکا ہوا تھا) برفستان رفتہ رفتہ

گھل گھلکر ڈھکی ہوئی زمینین صاف ہونے لگین، وہان کی فضا بہت ٹھنڈی تھی، بارش بہت ہوتی اور آسمان ہر وقت ابر سے چھپا رہتا تھا، اس لیے یورپ مین آباد ہو جانے والے قبائل کے چہرے اُن پر دھوپ نہ پڑنے کی وجہ سے سپید ہوگئے اور انکی ناک تپلی دبلی ہوگئی، کیونکہ پھیلی ہوئی اور بڑی ناک والے لوگ ٹھنڈی ہوا کو برداشت نہ کرسکتے تھے اس لیے انکی ناکین تپلی پڑگئین،

اس قدیم نسل کے کچھ لوگ ایشیا سے افریقہ کو بتدریج چلے گئے جہان نہایت تیز دھوپ ہوتی تھی، اسکا اثر یہ ہوا کہ انکی جلدین سیاہ ہوگئین اور آج ہم انھی کو زنگی کہتے ہین، اسی جماعت کے کچھ لوگون نے بحر متوسط کے کنارے کنارے اپنی آبادیان قائم کرلین، یہ مقامات معتدل آب و ہوا رکھتے تھے اس لیے یہان کے باشندون کے چہرے گندمی رنگ کے ہوگیے یعنی اعتدال کی وجہ سے ان مین کچھ یورپ اور افریقہ کا رنگ مل جل گیا،

کچھ لوگ جنوبی ایشیا کے مشرقی جانب جہان گرمی اور سردی دونون پڑتی ہے چلے گیے. انکی ناک گرمی کی وجہ سے پھیلی اور بڑھی، یہی وجہ ہے کہ چینیون کے نتھنے بالکل زنگیون کے نتھنے کی طرح ہین، پھیلے ہوئے نتھنون کی حقیقت یہ ہے کہ جب ہوا آفتاب کی گرمی سے گرم ہوتی ہے تو یہ بھی پھیل جاتے ہین گرمی کی وجہ سے انسان زیادہ سانس لیتا اور ہوا کی زیادہ مقدار کھینچتا ہے اسکی وجہ سے بھی لامحالہ ناک بڑھ اور پھیلجاتی ہے، ان اطراف مین گرمی اور سردی کے اجتماع نے یہان کے بسنے والون کے چہرون کو زرد کردیا یہ رنگ اس اجتماع کا لازمی نتیجہ تھا،

لیکن بالکل جنوبی ایشیا، جہان شدید گرمی پڑتی ہے تو یہان کے لوگون کا رنگ بھی بالکل زنگیون کا رنگ ہی اور کم وبیش یہی حال آسٹریلیا کا بھی ہے،

زمانہ قدیم مین ایشیا امریکہ سے بالکل ملا ہوا تھا، ایشیا کے کچھ لوگ امریکہ مین ہجرت کر آئے تھے، اور یہی لوگ ہین جنکو آج امریکہ مین ہندو (یا سرخ ہندوستانی) کہا جاتا ہے، امریکہ کے ماحول

اور سرزمین کا انسان کی ساخت اور رنگ و روغن پر کیا اثر پڑتا ہے اسکا صحیح مطالعہ اب تک نہین کیا گیا ہے تاہم بظاہر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ یورپ سے ہجرت کرکے امریکہ چلے جاتے ہین، ایک کافی مدت گذر جانے کے بعد ان کا رنگ بھی امریکہ کے ہندوؤن (سرخ ہندوستانی) کا سا جو وہان کے اصلی باشندے ہین ہو جاتا ہے، (الہلال، مصر)

اسلام ایک فرنچ کی نگاہ مین

اسلام کے متعلق، یورپ کے مستشرقین کی کتابین عموماً اس بات کا بین ثبوت ہوتی ہین کہ انکو نہ تو مسلمانون سے مل جل کر ان کے صحیح خیالات، اور اعمال و اخلاق کے مطالعہ کا موقع ملا ہے، اور نہ انھون نے اسلام کے اصول و قواعد اور اُسکی تاریخ پر کبھی اپنی پیدایشی بیگانگی اور تقلیدی تنفر سے الگ رہ کر نظر ڈالی ہے، مگر پروفیسر اڈورڈ مونٹ (معلم السنۂ مشرقیہ جینوا یونیورسٹی) ایک مستثنیٰ بزرگ ہین جنھون نے ثابت کر دیا ہے کہ انکی تالیفات بیسوی صدی کے ایک عالم کی شان کے مطابق ہوتی ہین انھون نے اپنے دل مین طے کر لیا ہے کہ اسلام پر قلم اٹھانے سے پہلے تقلیدی خیالات، اور روایتی تعصب سے دماغ کو پاک کر لینا ضروری ہے، حال مین پایو کمپنی۔ پیرس نے انکی ایک کتاب "الاسلام" شایع کی ہے، جس مین ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ عرب قبل اسلام، محمد اور اسلام، قرآن اور دین محمدی، اسلام کا قانون وراثت، خلفائے راشدین، بنی امیہ اور بنی عباس، اور خلافت کے متعلق اختلافات، خلفا کے عہد مین دفاتر کی تنظیم اس کتاب مین اُنھون نے عقائد، شریعت، تصوف، اولیا، تصوف کے سلسلۂ الحاد اور تشیع وغیرہ دیگر مضامین پر بھی روشنی ڈالی ہے، اسلام مین علمی، ادبی، صناعی، فلسفی جس قسم کی کوششین وجود پذیر ہوئین سب کا بیان خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا ہے، اس کے بعد مؤلف نے بیسوین صدی مین مسلمانون کی مردم شماری، اور اشاعتِ اسلام پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہین، اور ٹرکی، عرب اور فارس وغیرہ آزاد ممالک کے ساتھ ان تمام ممالکِ اسلام پر نظر ڈالی ہے

جو یورپ کے استعمار یا حمایت مین گرفتار ہین اور عالم اسلام مین جس قدر اصلاحین جاری ہورہی ہین اور بابیت اور بہائیت وغیرہ کے نام سے جو آزاد خیالیان رونما ہورہی ہین، اور نیز اہل اسلام کے نشو وار تقار سب کی تشریح کیگئی ہی،

آنحضرت صلعم کے متعلق پروفیسر موصوف کا ایک فقرہ یہ ہو کہ آپ پر (دشمنونکی طرف سے) سخت الزامات عاید کیے گئے ہین، جسکی وجہ صرف یہ ہو کہ آپ ہی مصلحین عالم مین ایک نادر ہستی ہین جن کے حالات ہم کو بتفصیل معلوم ہین، و اصلاح اخلاق، اور سوسائٹی کے تزکیہ اور تطہیر کے متعلق آپ کے کارنامے، آپکو انسانیت کا محسن اعظم قرار دیتے ہین،

عربی ہندسہ (انجینیرنگ) کے متعلق لکھتے ہین، کہ عرب نے پہلے یہ فن مشرقی رومیون سے لیا جس وقت رسول عرب کا ظہور ہوا فن تعمیر مشرقی روم مین اپنے ارتقا کے اوج پر تھا، مسلمانون نے جامع مسجدون اور شاہی محلات کی تعمیر کے لیے اسی طرز تعمیر کے اختیار کرنے کا مشورہ اپنے مہندسین کو دیا، اسلامی فن تعمیر ساتوین صدی سے دسوین صدی تک کے عرصہ مین مکمل ہوا، اسی عرصہ مین قدس کی مسجد اقصیٰ، قاہرہ کی جامع عمرو، اور جامع ابن طولون اور اسپین کی جامع قرطبہ تعمیر ہوئی،

بعض مستشرقین کا خیال ہو، کہ اسلام کی رفتار ترقی بہت سست ہی، مگر پروفیسر موصوف کے نزدیک اسلام نہایت مناسب اور بہتر رفتار کے ساتھ اپنے منازل ارتقار کو طے کر رہا ہی، پروفیسر صاحب مسلمانون کو مشورہ دیتے ہین کہ وہ مسکرات وغیرہ تمام محظورات شرع سے بچنے کی مستقل کوشش جاری رکھین، کیونکہ مسلمانونکی طاقت اسی مین مضمر ہی، اسلام کی وہ قوتین جو اسلام کی گذشتہ عظمت کا راز ہین بالکل فنا نہین ہوگئی ہین بلکہ ان کے باقی آثار اب بھی اسلامی تمدن کی حفاظت کر رہے ہین، اسلام اور یورپ کے بہت سے نیک نیت اصحاب اس بات کی کوشش کر رہی ہین کہ مسلمانون اور یورپ کے مسیحیون مین ایک قسم کی یگانگت پیدا کیجائے تاکہ دونون ایک دوسرے سے مفید باتین سیکھین اور مادی منافع اور صنعتون کا باہم تبادلہ کرین"

(المجمع العلمی دمشق)

اخبار علمیہ

ماہرین اثریات نے وسط ایشیا مین ایک جانور کی ہڈیان پائی ہین، اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ ۳۰۰۰۰۰۰ سال پہلے کی ہین اور یہ جانور اتنا بڑا تھا کہ افریقہ کا سفید گینڈہ اس کے مقابلہ مین بالکل ہی بے حقیقت معلوم ہوتا ہے،

راک فورٹ مکھن کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا اور مشہور شہر ہے، یہان اس کے لاتعداد کارخانے ہین اور یورپ کا بڑا حصّہ اپنا مکھن یہین سے خریدتا ہے، یہان تقریباً ۸۰۰۰۰ پونڈ مکھن سالانہ تیار ہوتا ہے،

عطر سازی ایک قدیم صنعت ہے، پہلے یہ صرف مذہبی مراسم مین استعمال کیا جاتا تھا، جو قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر مصر لایا تھا، ایران سے عطر ہی لا رہا تھا، اس کے علاوہ یونانی زبان مین اسی موضوع پر ۳۰۰ ق ع کی لکھی ہوئی ایک کتاب بھی دستیاب ہوئی ہے،

اسپرنٹو (مشترک زبان) مشرق اقصٰی مین بہت کچھ مقبولیت حاصل کر رہی ہے، ماہرین السنہ کا یہ خیال ہے کہ اہل مشرق، یورپ کی دوسری موجودہ زبانون کے مقابلہ مین اس کے قبولیت کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہین،

اطالیہ کے قدیم شہر سونٹیا لوینیا کو محکمۂ اثریات دوبارہ کھود کر نکال رہا ہے، اس مین ایک مکمل

عمارت نکلی ہے، جو روم میں تعمیر معلوم ہوتا ہے، اس وقت تک جتنے تھیٹر نکلے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ مکمل ہے، اس کا مربع ۱۶۰ فیٹ ہے؛

امریکہ کا علمی رسالہ سائنٹفک امریکن راوی ہے کہ ستارون کے عناصر مین تغیر ہو رہا ہے اور مخلوط عناصر پیدا ہو رہے ہین، گذشتہ چند سالون مین تقریباً ۰ ۸ نئے عناصر کا پتہ چلا ہے، یہ خیال سب سے پہلے ۱۸۸۱ء مین پراوٹ کو پیدا ہوا تھا،



دنیا مین اس وقت دس آدمیون کو سب سے زیادہ مالدار بتایا جاتا ہے، اس مین اولیت کا مرتبہ امریکہ کے مشہور مالک کارخانہ موٹر ہنری فورڈ کا ہے، چوتھا درجہ وہین کے وزیر مالیات کا ہے، ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے اُن کے نام معہ سالانہ آمدنی لکھتے ہین، اس مین ہم کو ایک ہندی کا نام بھی نظر آتا ہے،

نام		قسم
ہنری فورڈ	(امریکہ)	۱۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ
جے ڈی، راک فیلر	(”)	۱۰۰۰۰۰۰۰ ”
ڈیوک آف وسٹ منسٹر	(برطانیہ)	۳۰۰۰۰۰۰ ”
اندریو، ایم میلان	(امریکہ)	۳۰۰۰۰۰۰ ”
سرسل زہراف	(یونان)	۲۰۰۰۰۰۰ ”
ہوگو سٹینس		۲۰۰۰۰۰۰ ”
پرسی راک فیلر		۲۰۰۰۰۰۰ ”
بیرن ایچ مٹسوئی		۲۰۰۰۰۰۰ ”

بیرن ایچ الیواسکی ۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ

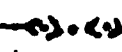
مہاراجہ گائکواڑ بڑودہ ۲۰۰۰۰۰۰ ر



ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمۂ بحر نے ایک جرمن کمپنی کی مدد سے ایک اتنا بڑا ہوائی جہاز بنوایا ہے جس کے اندر دنیا کا سب سے بڑا جہاز نہایت ہی آسانی سے سما سکتا ہی، ہوائی دنیا کا یہ معجزہ سمجھا جاتا ہی، اسکی بڑائی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ۲۰۸ گز لمبا اور ۲۵ فٹ چوڑا ہے،



ڈاکٹر ایف، ای، ووڈ نے ریاستہائے ملایا کی ایک طبی رپورٹ مین عوام کی توجہ اس طرف منعطف کردی ہے کہ ادبالا ہوا چاول صحت کے لیے بہت ہی نقصان دہ ہے، چین اور اس کی قریبی ریاستون کے باشندون کی عام حالت پر اس کا جو برا اثر ہوا ہے وہ تمام دنیا پر ظاہر ہے، اب ہندوستان اور یورپ کے اکثر ممالک نے بھی اس کا استعمال شروع کر دیا ہے، اس لیے ہر شخص کو ڈاکٹر صاحب کی اس تنبیہ سے سبق لینا چاہیے،



اب تک ٹریم کی گاڑیان لوہے کی پٹریون پر بجلی کے زور سے چلتی تھین، اب پریڈ فورڈ مین جو گاڑیان چلائی جارہی ہے ان کے لیے لوہے کی پٹریون کی مطلق ضرورت نہین ہے اور وہ صرف بجلی کی مدد سے اپنا پورا کام انجام دیتی ہین، یورپ کے اکثر تجارتی شہر اس نئی ایجاد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہین،



گذشتہ ستمبر مین کسوف کامل کے وقت آفتاب کی ۲۶ تصاویر لی گیئن تھین، یہ تصاویر ۲۰ سے

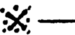
۱۲۴۴ انچ تک کی ہین، ان کے حصول کے لیے ماہرین نجوم کو مہینون مشق کرنی پڑی تھی، سال مین تین سورج گرہن ہوتے ہین، مگر ماہرین کے لیے دو سال مین کہین ایسا موقع آتا ہے، جس مین وہ آفتاب کا مطالعہ کرسکین، اکثر بڑے بڑے اساتذۂ فن کو اس کے مطالعہ کا موقع بھی نہین ہوتا، کیونکہ وہ اس قلیل عرصہ مین بند تاریک کرہ مین آفتاب کی ہر حرکت کی تصویر لینے مین مشغول رہتے ہین، اسی قسم کے موقع پر ماہرین نے ایک خاص مادہ کا انکشاف کیا جو اب ہلیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بکثرت استعمال مین ہے، اس مرتبہ ایک اور مادہ کا بھی پتہ لگا ہے، جس کو رونیم کا نام دیا گیا ہے،



مشہور عالم ماہر سائنس ڈاکٹر سٹینمز نے اپنے دار التجربہ سے اعلان کیا ہے کہ قوت برق کی کہربائی رفتار جس سرعت سے ترقی کر رہی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی دن مین صرف ۴ گھنٹہ کام کریگا اس کی اکثر خدمات برق انجام دیا کریگی، اور ایک صدی بعد اگر یہی رفتار قائم رہی تو صرف دو گھنٹے کام کے لیے صرف کرنے پڑین گے،



مہذب ممالک نے دار ورسن کی جگہ بجلی کے تارون کو انسانی ہلاکت کا ذریعہ بنایا ہے، اس سے موت فوری و یقینی ہے، لیکن اس کا سبب لامعلوم تھا، اب برسون کی کوششون کے بعد برلن یونیورسٹی کے پروفیسر بورو تو نے معلوم کیا ہو کہ اس موت کا فوری سبب یہ ہو کہ بجلی کی رو فوراً قلب کو بیکار کر دیتی ہے اگر اسی وقت اس اثر کو زائل کرنے کی کوشش کیجائے تو چھوٹے جانور پھر جانبر ہوسکتے ہین، لیکن بڑے جانورون اور انسانون کے لیے یہ ناممکن ہے، پروفیسر موصوف نے ۱۲۴ اشخاص اور جانورون کا تجربہ کرکے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے،



ادبیات

افکارِ گرامی

حضرت گرامی شاعرِ خاص اعلیٰ حضرت نظام سابق

ظہوری کی ایک غزل ہے، جسکا مطلع ہے :-

ستم و سخت جانیٔ ہم ہست
کوہم و ناتوانیٔ ہم ہست

جناب گرامی نے اس پر ایک غزل لکھی ہے، جس کے چند اشعار ممدوح کے ایک تلمیذ راحل نعمانی نے ہمارے پاس بھیجے ہیں، جو ہدیۂ ناظرین ہیں، جناب گرامی فارسی کے کہنہ مشق استاد ہیں، یہانتک کہ ڈاکٹر اقبال اُنکا احترام کرتے ہیں، جناب گرامی کی رباعیات خصوصاً بلند ہوتی ہیں،

بسملم پر فشانیٔ ہم ہست
میرم و نقد جانیٔ ہم ہست

خیز در عرصۂ جہاد بمیر
مرگ را زندگانیٔ ہم ہست

جلوہ اش چشم موسیٰ خواہد
تشنۂ لن ترانیٔ ہم ہست

لب منصور شد انالحق سنج
بے نشان را نشانیٔ ہم ہست

از میانش برون نمی آیم
عجز را پہلوانیٔ ہم ہست

نتواند کہ رم کند ز دلم
زور را ناتوانیٔ ہم ہست

دید نبضم مسیح می گوید
دردہائے نہانیٔ ہم ہست

رفتم از کار عشق می بازم
پیریم را جوانیٔ ہم ہست

از علیٔ پرس نکتہائے کتاب
وحی را ترجمانیٔ ہم ہست

ؔ معارف : ۔ ۔ ۔



اور

ترک وعرب

از

ڈاکٹر سر اقبال

حضرت گرامی کی غزل بالا ہمارے پاس پوری نہین بھیجی گئی ہے، اس غزل مین ایک شعر تھا "نقر را ترکمانی ہم ہست" جو حضرت اقبال کو بہت پسند آیا تھا، اور اس پر تضمین کی تھی، حضرت اقبال اپنے ایک گرامی نامہ مین ہمین لکھتے ہین کہ "پیام مشرق مین اس واسطے اس کو داخل نہ کیا کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بہت پسند نہ آئی اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت مین کوئی عذر نہین" یہ سچ ہے کہ پیام مشرق کے ساز مین یہ لحن شیرازی کچھ زیادہ سامعہ نواز نہ ہو تو بھی اس سے الگ اقبال کی صدا کا ہر حرف گوشوارۂ حقیقت ہی،

سخنے راندۂ کہ جز قرشی ‌ ‌ ‌ ‌ بر سر مسند نبی نہ نشست
درس گیر "از گرامی" ہمہ درد ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بریدا زخود و بادپیوست
رمز ترک و خلافت عربی ‌ ‌ ‌ ‌ گفت آن میگسار بزم الست
"ماہ را بر فلک دو نیم کند ‌ ‌ ‌ ‌ نقر را ترکمانی ہم ہست"

محسوسات حسرت

عاشق کو ہوئی فنائے فانی ‌ ‌ ‌ ‌ پیغام حیات جاودانی
ہے کثرت شوق کا نتیجہ ‌ ‌ ‌ ‌ آنکھون کی یہ آرزو فشانی

تھی اُن کی نگاہِ بے نگاہی — اِک طرفہ ادائے دلستانی
پھر آج وہ بر سرِ کرم ہین — از راہِ کمالِ مہربانی
پھر گلشنِ آرزو مین گویا — آئی ہے بہارِ کامرانی
بیٹھے ہین وہ رُوٹھ کر جو مجھسے — چمکا ہے جمالِ سرگرانی
کچھ ایسے جدا ہوئے کہ ہم سے — پھر مل نہ سکا وہ یارِ جانی
کچھ داغِ فراق کے علاوہ — تم اور نہ دے چلے نشانی
دونی ہوئی آرزو کی شورش — اللہ رے زورِ ناتوانی
ہنگامہ نوازیان ہوس کی — تھین لازمِ عہدِ نوجوانی

اُردو مین کہان ہو اور حسرت
یہ طرزِ نظیری و فغانی

فکرِ سلیم

مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی پروفیسر جامعۂ عثمانیہ

بہ تتبع مرزا عزیز لکھنوی

جو آشنا ہین حقیقت کی دلنوازی سے — وہ بھاگتے ہین صنم خانۂ مجازی سے
بجائے خون مری رگ رگ مین برق دوڑے اگر — ڈرون نہ سوزِ محبت کی جان گدازی سے
پھنسایا دام مین اُس نے کہان کہان مجھکو — خدا بچائے تمنا کی عشوہ سازی سے
پھری خمارزدون کی طرف نہ چشمِ کرم — سُبو لنڈھا دئے ساقی نے بے نیازی سے
کرون طواف نہ کیون تیرے گرد مین اے دل — ہوا ہون مست حسینون کی دلنوازی سے
قدم سنبھل کے رکھ اس دشتِ عاشقی مین کلیم! — جلے گا طور تجلی کی بے نیازی سے

دبے گا جذبۂ عہدِ شباب کیا ناصح ! — فسون گری سے تری یا فسانہ سازی سے
ہزار مرتبہ گل گیر نے زبان پکڑی — رکا نہ شمع کا شعلہ زبان درازی سے
فضائے دہر مین جنکی ہے گونج ابھی باقی — وہ سربلند ہوئے پردۂ حجازی سے
فضائے نور مین گم ہو گیا دلِ حیران — سبق لیا ہے یہ شبنم کی دل گدازی سے
نئے جہان ابھی پیدا ہون تو اگر چاہے — تری نگاہِ تخیل کی سحر سازی سے
اگرچہ برقِ تجلی سے دل ہو خاکستر — نہ باز آئینگی آنکھین نظارہ بازی سے
درِ نیاز پہ پیشانیان ہین جنکی جھکی — بلند گردنین اُنکی ہین سرفرازی سے
نہ آرزوؤن کے جمگھٹ سے دل رہا خالی — ہے اس کو ذوق سدا انجمن طرازی سے

سلیمؔ اس کی تجلی کو دیکھ سکتا ہون
رہی وہ پردہ مین اپنی نظر گدازی سے

تابشِ سہیل

مولوی اقبال احمد صاحب سہیلؔ ایم اے، ال ال بی،

پختگیِ جنونِ شوق ایک خیالِ خام تھا — حسن جو بیکرانہ تھا، عشق بھی ناتمام ہی
زہد کی اصطلاح مین جس کا سلوک نام ہی — رہروِ راہِ عشق کی لغزشِ ناتمام ہی
عاقلِ مصلحت شناس کو یہ مرا پیام ہی — عشق جنون ہی سہی قابلِ احترام ہی
داورِ حشر سے بھی مین، کر نہ سکا ترا گلہ — حسن سے داد کی طلب، جذبۂ انتقام ہی
وحدتِ مدعا ہی صرف روحِ نمازِ عاشقی — زاہدِ حق پرست ابھی بندۂ ننگ و نام ہی
بے خبرون کو کیا خبر! پوچھے کوئی کلیمؔ سے — خیرگیِ نگہ کا راز جلوۂ ناتمام ہی

اوراقِ پارینہ

صمدنیات

از مولوی سید مقبول احمد صاحب، ایم آر اے ایس، ایف آر ایس اے

(۵)

اورینٹل سیلینی یا نخبۃ المشرق

بازہوائے چمنم آرزوہست،

ناظرینِ کرام میری بے راہ روی یا مستانہ خرامی پر متعجب ہون گے، حقیقت یہ ہے کہ سیلانی کا قدم نظر
ے ساتھ ہی چمن مین سب سے بڑے اور خوب کھلے ہوئے پھول کی طرف بڑھتا ہی خواہ وہ کسی گوشہ مین ہو خواہ کسی
روش پر، اگر پھول خوشرنگ، خوشبو اور خوشنما ہوا تو نگاہ سے پہلے دستِ گلچین کو بھی کھینچ لیتا ہی، کتب خانہ
مین پہنچکر بھی کیفیت میری ہو جاتی ہی، کبھی کوئی کتاب اردو کی اٹھا لیتا ہون (مثلاً جامع الاخلاق[1] یا منتخبات ہندی

[1] جامع الاخلاق کی نسبت قاضی عبدالودود صاحب کا خیال تھا کہ انکا نسخہ طبع اوّل کا ہی جس کے ساتھ اس ترجمہ کی اشاعت
بھی ختم ہو گئی، اسیطرح میرا پندار تھا کہ کتبخانۂ سمدن والا نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء بھی ایک درِ یتیم ہی جس کے لیے کچھ زمانہ بعد اہل نظر کی
نگاہین ترسینگی، لیکن میرے استعجاب و مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی جب مین نے دسمبر گذشتہ مین علی گڈھ کانفرنس کے موقع پر
ذخائرِ کتب مین جامع الاخلاق کا تازہ ترین اڈیشن دیکھا، یہ بڑی تقطیع اور گلابی کاغذ پر مارچ ۱۹۱۲ء مین مطبع نولکشور
کانپور سے نکلا ہے، اس کی تحشیہ و تصحیح مولوی محمد ناظم حسین شاہ آبادی نے کی ہے۔ خوش خط اور
مقابلۃً جلی قلم ہے۔

کبھی اردو انگریزی کی (دستور الاحکام) کبھی خالص فارسی کی (ید بیضا) اس وقت جو کتاب مل گئی ہی وہ فارسی مع انگریزی ہی اور جملہ مطبوعات متذکرہ سے قدیم تر،

اورینٹل مسیلینی اُن نایاب پرانی کتابوں مین ہی جو نو وارد انگریزوں کی تربیت و آگاہی کے لیے سوا سو برس پہلے تالیف کیگئی تھین، کتاب کا نام بھی اسی ضرورت سے انگریزی رکھا گیا تھا جسکو مین نخبۃ الشرق کہتا ہوں آپ النخب الشرقیہ کہہ سکتے ہین، زیر نظر نسخہ نہایت محفوظ اور اچھی حالت مین ہے تقطیع ساڑھے آٹھ انچ لمبی پانچ انچ چوڑی، جلد تمام وکمال ابری دار چمڑے کی بغایت خوشنما اور نظر فریب ہی پشت پر طلائی قلمکار، دفتی پر یادداشت ہی کہ کتاب کا خرچ گورنمنٹ کے ذمہ آٹھ روپیہ پڑا اور ۲۰ اگست ۱۸۰۵ء کو جلد بندی کے باتبہ بہار روپائی دیئے گیے، کتاب کالج فورٹ ولیم کی مملوکہ تھی طلبہ کے صرف کے لیے ۱۸۰۱ء مین دیگئی، کالج کی مہر ملکیت مین بھی یہی الفاظ اردو ہندی و بنگلہ مین منقوش ہین، لوح پر انگریزی مین تحریر ہی،

متفرقاتِ مشرقیہ، حامل متون مع تراجم، جلد اول مطبوعہ کلکتہ ۱۷۹۸ء،

مقصد ترتیب اس مختصر سادہ وسلیس عبارت مین ظاہر کیا گیا ہے۔

"تجویز تالیف"

"متفرقہ ہذا ادب مشرقی کے ہر ایک موضوع پر اصل تحریرات کا مع ترجموں کے متضمن ہوگا تا کہ السنۂ ایشیائی کی تعلیم و تدریس و تعلّم کا قابل قدر "مواد" فراہم رہے، معہذا انگلش نژاد قارئین کے لیے تفریح و آگاہی و خبرت کا حامل و موجب ہو"

The Oriental Miscellany — Consisting of — Original Productions — and — Translations.

Volume the First. — Calcutta

MDCCXCVIII.

"اس کتاب کی جلا، ورونق کے لیے ہم بے تکلّف و بلاتکان مقامی اشیاء کی عموماً اور تاریخِ فطرت کی خصوصاً تصاویر بھی مہیا کرین گے، "ہندوستان" کے بہترین صناعون سے انکو منقوش کرانے اور رنگ آمیزی مین صرف زر سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا"

"مجموعہ حاضرہ کو بہت سے معزز نامون سے عزت حاصل ہورہی ہے، اور علم دوست دوستون نے بھی اسکی تکمیل مین تائید و اعانت کا وعدہ فرمایا ہے،، حتّٰی کہ ہماری توقع کی وجہ معقول موجود ہے کہ یہ مجموعہ عوام کی حوصلہ افزائی کے شایان پایا جاویگا،،

اس کے بعد فہرست مضامین جلد اول ہے، افسوس ہے کہ باوجود تلاش بلیغ جلد دوم مجکو اب تک کسی کتب خانہ مین دستیاب نہین ہوئی جس سے مین نے مجبوراً یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ غالبًا قائم نرہ سکا اور پہلی ہی جلد پر اس منصوبہ کا خاتمہ ہوگیا، الہ آباد کی پبلک لائبریری مین بے شبہ اورینٹل مسلیلی نام ایک کتاب کی چھ جلدین مع دو جلد تتمہ جات کے موجود ہین مگر انکی تقطیع و ضخامت اور ترکیب صوری کے ساتھ انکی ترتیب معنوی بھی جدا اور متبدل ہے، یہ آٹھون مجلدات سر ولیم جونس[1] کی تالیف اور یادگار ہین جو ۱۷۹۹ء سے لیکر ۱۸۱۲ء تک مطابع سے نکلین، لیکن ان مین فارسی کے اقتباسات کہان، یہ دوسرے اقسام کی معلومات کو اپنے پہنائے آغوش مین لیے ہین، سر ولیم جونس ایک بڑا مدبر اور عالی دماغ مستشرق گذرا ہے جس کا مبسوط تذکرہ لارڈ ٹین موتھ[2] ہندوستان کے گورنر جنرل نے ۱۸۰۴ء مین شایع کیا تھا، جس مین جونس کے سوانح زندگی کے سوا اسکی تصانیف و مراسلات وغیرہ کو بھی تفصیلاً بیان کیا ہے، بہرحال مجھے تحقیق نہین ہوا کہ زیر مطالعہ کتاب کا جامع کون ہے، تمہید بالا مین "جمع متکلم کی ضمیر" بتاتی ہے کہ اسکی تالیف مین ایک سے زیادہ دست و قلم شریک رہے ہونگے، یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ جب بڑے بڑے انگریز اور یورپین امرا،، مشرقیات،، مین دلچسپی لیتے

[1] Sir William Jones — [2] Lord Teignmouth.

اور ایشیائی علوم وفنون مین تبحر حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے، ترویج علوم وتراجم مین اہل قلم سے زیادہ اہل سیف کوشغف تھا۔ ان زندگان جاوید مین سے (۱) جیمس ٹکنس (۲) چارلیس الیٹ (۳) اے ڈبلیو آرسکن (۴) کرنیل جان برگس (۵) ڈاکٹر ایف سی بالفور (۶) جیمس برڈ (۷) میجر ڈیوڈ پرائس (۸) انیتھونی ٹرائر (۹) ڈلکن (۱۰) الیگزنڈر ڈاؤ (۱۱) ایم ریماند المعروف بہ حاجی مصطفٰے فرانسیسی (۱۲) پادری رینالڈس (۱۳) لفٹننٹ رونالڈسن (۱۴) میجر چارلس اسٹوارٹ (۱۵) الائیس اپشٹر نگار (۱۶) ڈیوڈشی (۱۷) ایس ڈبلیو فیلین (۱۸) کرنل فرنکلن (۱۹) ولیم کرک پٹریک (۲۰) فرانسیس گلیڈون (۲۱) پادری سیموئیل بی (۲۲) اڈورڈ ولیم لین (۲۳) جان لائیڈن (۲۴) کپتان جارج گرنیول مالت (۲۵) کرنیل مائیلس (۲۶) میجر جنرل سر جان میلکم (۲۷) ایلنر ابہتہ ہیملٹن (۲۸) ڈبلیو وڈ (۲۹) چارلس ویڈنگٹن اور (۳۰) خود وارن ہسٹنگز گورنر جنرل بنگالہ کا نام چندین از صد سمجھنا چاہیئے۔ ان منفرد کام کرنے والون کے سوا ایک منتظم اور باقاعدہ جماعت بھی (۳۱) اورنٹیل ٹرانسلیشن کمیٹی کے نام سے محض ترجمہ کی خدمت ونگرانی کے لیے قائم تھی، بہت ممکن ہو کہ یہ مجموعہ اسی انجمن کا کارنامہ و دستنبو ہو۔

(1) James Atkinson. (2) Charles Elliot. (3) A. William Erskine. (4) Colonel John Briggs. (5) Dr. F. C. Balfour. (6) James Bird. (7) Major David Price. (8) Anthony Troyer. (9) H.W. Dulcken. (10) Alexander Dow. (11). M. Raymond a French creole. (12) Rev. J. Reynolds

(13). Lt. M.J. Renaldson. (14) Major Charles Stewart (15) Aloys Sprenger. (16) David Shea.

(17) S.W. Fallon. (18). Colonel Francklin. (19) William Kirkpatric. (20) Francis Gladwin. (21). Rev. Samuel Lee. (22). Edward William Lane. (23 John Loyden.

(24) Captain George Grenville Malet. (25) Colonel W.N. Miles. (26). Major General Sir John Malcolm.

(27) Elizabeth Hamilton. (28) W. Ward. (29) Charles Waddington. (30) Warren Hastings. (31) Oriental Translation Committee.

بازآمد - فہرست مضامین انگریزی مین ہو اور حسب ذیل ہی،

تفصیل سے پہلے مضامین کا شمار نہین دیا گیا ہے، اپنی طرف سے اضافہ کرنا مین نے بھی نامناسب سمجھا، قارئین معظم خود درست کر سکتے ہین، تحریرات نمبر ۴ و ۵ کے سوا باقی سب فارسی مین ہین جنکا ترجمہ انگریزی صفحہ مقابل پر موجود ہے، یہ دونون فقط انگریزی مین ہین، البتہ جو قطعات تاریخ یا کتبہائے عمارات سلسلۂ بیان مین آگئے ہین اونکو لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے، ترجمہ کی ضرورت نہین سمجھی، اسی طرح تقریر نمبر ۳ کے ذیل مین اصطلاحات فقہیہ و اسمار و لغات و کتب فقہ و حدیث کے نام بھی فارسی مین نیچے لکھ دئے ہین؛ انگریزی عبارت پرانی وضع کے رومانی یا لاطینی ٹائپ مین ہے، آٹھ کا (8) یونانی ہندسہ اس صورت کے لیے استعمال ہوا ہے جو ڈبل او (oo) سے پیدا ہوتی ہے، قدیم اسکا رسم خط پر حرف ایس (s) الیف (f) سے مشابہ لکھا گیا ہے، بعض جگہ طریق تہجی بھی جدا ہے، پڑھنے والے کی نظر قدرتاً اس مین اُلجھتی

---

[1] William Hunter. Esq.
[2] Leucoryx یونانی زبان مین غزال کو کہتے ہین یہ آہو بڑا اور زردی مائل بھورے رنگ کا شمالی افریقہ مین ہوتا ہے،

اور بعض اوقات غلط روی کرجاتی ہی، ذیلی نوٹ حسب معمول صفحہ کے آخر پر دیے گیے ہین اور کتاب کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے،

ذکر بادشاہی بہمن بن اسفندیار بن گشتاپ بن لہرسپ و خرابی بیت المقدس بار دوم،

سے پہلے دو صفحے انگریزی مین تمہید اور تاریخ طبری کے تبصرہ و توصیف مین صرف کیے گیے ہین، خود بدولت علم و کمال نے تاریخ مذکور کو تمام دیگر تواریخ محمدیہ (۹) کی بنیاد و اساس قرار دیکر لکھا ہے کہ اس کے مصنف ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری نے جو بغداد مین پچاسی (۸۵) سال کی عمر مین سنہ ۳۱۰ھ (۹۲۳ء) مین فوت ہوئے اصل کتاب عربی مین تیس ہزار اوراق پر لکھی تھی، احباب کے اصرار و فرمائش سے کہ ایسی لبیط کتاب کے پڑھنے کے لیے کسکی عمر مکتفی ہوسکیگی خود ہی اس کا خلاصہ کر دیا تھا، بروایت طبقات ابن السبکی یہی ملخص اب دنیا مین باقی ہے اصل کتاب[1] صفحہ ہستی سے محو ہو چکی، ابو علی[2] وزیر منصور بن نوح سامانی امیر خراسان نے سنہ ۳۵۲ھ مین اسی خلاصہ کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، آٹھ صدیان گذر جانے پر ابو علی کی فارسی متروک الاستعمال اور عسیر الفہم ہوگئی تو ابو عبداللہ صالح بن محمد نے نوراللہ خان ملک توران کے ارشاد سے زبان رائجہ مین اس کو نقل کیا، اسی تمہید مین لکھا ہو کہ مسٹر گبن[3] طبری کو Livy of the Arabians یعنی عربوں کے لیوی[4]

[1] یہ ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہو جبکہ علوم و فنون کی توزیع و اشاعت اور مطابع کی کثرت اس درجہ نہ تھی، الحمدللہ کہ تاج الدین السبکی اور مسٹر گبن اور ان کے معتقدین کا خیال صحیح نہین نکلا، اہل مصر قابل صد ستائش و نیایش ہین جنھون نے امام جعفر محمد ابن جریر الطبری کی تاریخ الامم والملوک کو ڈھونڈھ نکالا اور طبع کیا، اسکی تیرہ جلدین تقریباً [illegible] مین ملتی ہین، [2] شیخ الرئیس ابو علی حسین بن سینا سے مراد ہی، شیخ نے اپنی معرکہ آرا کتاب ہدیۃ الرئیس (جو علم النفس یا قوائے نفسانیہ کی بحث مین اپنی مخصوص روش اختصار پسندی پر اہل منطق کے طریقہ پر لکھی تھی) اسی امیر کو پیش اور منسوب کی تھی، شیخ کا زمانہ تقریباً مابین سنہ ۹۸۰ء و سنہ ۱۰۳۷ء کے تھا، [3] ایڈورڈ گبن Edward Gibbon مشہور انگریزی مورخ ہے، سنہ ۱۷۳۷ء مین پیدا ہوا ۱۷۹۴ء مین وفات ہوئی، [4] لیوی یعنی Titus Livius رومانی مورخ تھا، ۵۹ سال قبل مسیح پیدا ہوا، ۱۷ سنہ بعد مسیح مین وفات پائی، یورپ مین مورخین کا ابوالآبا سمجھا جاتا ہے

کے نام سے پکارتے ہین، اور ماتم کرتے ہین کہ اصل عربی گم ہوگئی، صرف فارسی و ترکی تراجم کے ذریعہ سے کتاب کا نام ونشان باقی ہے، شارحین متفرقات نے اسی سلسلہ مین بحوالہ ایشیاٹک[۱] ریسرچنیر ظاہر کیا ہے کہ تمامی مشرق مین عموماً یہ رائے قائم ہے کہ افاغنہ اون یہود[۲] کے اعقاب ہین جنکو بخت نصر گرفتار کرلایا تھا، ان کے قبائل کے نام مثلاً یوسف زئی و سلیمان زئی وغیرہ اس قیاس کے لیے دلیل[۳] شافی ہین کہ یہ لوگ یہودی النسل ہین، ہزارہ کا ضلع جوان لوگون کا مرزبوم ہے بہت ممکن ہے کہ اسدرس Esdras کا ارفارث Arfaseth رہا ہو

---

[۱] Asiatick Researches. Vol. 11 P 69 یہ کتاب اسیچدان کی نظر سے گذری ہے، الہ آباد پبلک لائبریری مین اسکی تیرہ جلدین موجود ہین اور مسلم یونیورسٹی علی گڈہ کے لٹن کتبخانہ مین اول کی سات، بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی ۱۷۸۴ء مین ممالک ایشیائی کی تواریخ و آثار قدیمہ و صنایع و طبیعیات و علوم ادب و انشاء کی تحقیقات کے لیے قائم ہوئی تھی، یہ اس کے کارنامے ہین اور انکا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا ہے، جلد دوم طبع پنجم مطبوعہ لندن ۱۸۰۱ء مین ایک بسوط آرٹکل چھ صفحات (۶۹ لغایۃ ۷۴) پر پٹھانون کے بنی اسرائیل ہونے کے متعلق ہے، لکھتے ہین کہ حضرت برخیا کے ایک لڑکے کا نام افغان تھا، افاغنہ انھین کے اولاد ہین،

[۲] قران حکیم مین اس قوم (یہود) کے لیے ھود کا لفظ آیا ہے، علمائے لغت نے اسکے اشتقاق و استعمال کی مختلف صورتین دکھائی ہین، "یہودی" مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو حضرت یعقوب کی اکیلی اولاد یہوذا کی طرف منسوب کرتے تھے، عرب نے اپنے معمول کے موافق ذال کو دال سے بدل لیا، ان کا دستور ہے کہ جب وہ کسی عجمی اسم کو اپنی زبان مین منتقل کرتے ہین تو اس کے حرفون مین کچھ نہ کچھ تغیر ضرور کردیتے ہین،

[۳] مولوی محمد عبدالحافظ خانصاحب رئیس قائم گنج جو ایک علم دوست وسیع النظر بزرگ ہین، اس حقیقت شناسی کے معترف نہین کہ بعض قبائل کے نام بھی اون کے یہودی النسل ہونے کی دلیل ہین، خانصاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے مورث کے نام سے موسوم ہوا ہے نہ کہ اس نسبت سے جس پر مضمون نویس کا استدلال ہے،

"فرمان اکبر بادشاہ بہ شہباز خان صوبہ دار مالوہ" معمولی طرز کا فرمان ہے جس مین اعلیٰ انشا پردازی اور شاہانہ سطوت وشان سبھی معدلت گستری کے اظہار کے ساتھ خان مذکور کے مراتب و مدارج اور ان کے معتمد خاص ہونے کا ذکر کیا گیا ہے منعم حقیقی کے ادائے شکر کے بعد بادشاہ نے قدم قدم پر ملک داری کے نصائح اور رعایا کی دلدہی اور ضعفاء کی دستگیری و اعانت اور تعدی وستم سے نگہبانی و بچانے کی ہدایتین کی ہین، بادشاہ اس زمانہ مین تسخیر دکن اور استیصال ہمروان مین مصروف تھا، اس لیے ارشاد کرتا ہے کہ تم فوراً مالوہ جا کر اپنا کام شروع کرو، اور جب ہم شکار کے لیے گوالیار کی طرف واپس ہونگے تو تم کو مع جملہ جاگیرداران وعمایدصوبہ مالوہ کے بلائین گے اور اہل دکن کی غمخواری اور آسودگی و رفاہت جمہور سکنۂ دیار دکن کے لیے بھیجین گے،

"فرمان شہنشاہی در منع زکوٰۃ" تخت نشینی کے ساتوین سال صادر ہوا تھا، اس کے روسے ہر قسم کے اناج وغلہ وترکاری (غذا دو دوا دونون کی) و روغن ونمک وشکر وعطریات وکپاس وروئی واسباب پشمینہ وسامان چرمی وآلات مسی وظروف چوبی، جلانے کی لکڑی اور گھانس غرض جملہ اشیائے خوردنی وپوشیدنی و دیگر لوازمہ و احتیاج مدار معاش پر سے چنگی اٹھا دی گئی تھی، صرف گھوڑا ہاتھی، اونٹ بھیڑ بکری، ہتھیار اور قیمتی پارچے اس معافی عام سے خارج تھے،

"فرمان محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ از قرار بتاریخ بیست و دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۷۵ھ یک ہزار دہفتاد و پنج ہجری سنہ ہشت جلوس" ایک لمبی دستاویز اصلاحات مقامی و دیوانی کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کی اپنے عمال و متصدیان کے افعال و اعمال پر کیسی نگاہ رہتی تھی، دور دراز دست شہر احمد آباد اور اس کے قرب وجوار کے دیہات و قصبات مین بعض رسوم و الواب یا بچنگی کی زیادہ ستانی کی شکایت سنی ہے تو تینتیس ۳۳ چیزون کی ممانعت فرمائی اور بہت سی بے قاعدگیون اور سخت گیریون کا انسداد کیا ہے، اس دستمایۂ ملکداری کا تبصرہ ایک جداگانہ مقالہ کا محتاج ہے،

"فرمان حضرت محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی فی ۱۰۹۰ھ ہزار و ہفتاد و نہ ہجری در باب گرفتن خراج" مین اٹھارہ دفعات ہین اور تشخیص تحصیل و وصول مالگذاری کا بہترین ہدایت نامہ و دستور العمل ہے، یہ حکم محمد ہاشم دیوان احمدآباد کے نام ۱۰۷۹ھ مین صادر کیا گیا تھا مگر عملاً اس کا دائرۂ اثر سائر ممالک محروسہ ہندوستان تک پھیلا دیا گیا تھا، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا وجود محض رعیت پروری کے لیے ہوتا تھا، اور رعیت صرف رعایت گستری اور مراعات کے واسطے بہت سے کام ادنیٰ سے رفاہ عام اور فلاحِ خلق کے ایسے بتا دئے گیے ہین جنکی وجہ سے جمع سرکاری ایسی زمینون سے خود بخود ساقط و معاف ہوجاتی تھی "جنسی" یا "بٹائی" کا لگان جسکو "نقدی" مین مشتمل و تحویل کرنے کی صوبہ اودھ مین آجکل سخت کوشش ہو رہی ہے، اس وقت بھی یہ طریقہ رائج تھا "ہفتم تبدیل خراج موظف بہ مقاسمہ و مقاسمہ بہ موظف، اگر رعایا بآن رضامند باشند بکنند والا نہ کنند" اسی طرح تقسیم تقاویات وغیرہ کے لیے بھی ہدایات ہین، مترجم انگریزی لکھتا ہے کہ ان فرامین مین، جو اصطلاحات یا الفاظ قانونی پائے جاتے ہین انکی تعریف و تشریح تقریر آیندہ (صفحات ۰۰، لغایتہ ۹۹) مین ملے گی،

"بیان مالیہ ہائے سرکار و تقابض اراضی حسب شرع محمدی" کو مولوی سید امیر حیدر بلگرامی مفتی صدر نظامت عدالت نے فارسی مین قلمبند کیا تھا، یہ ۱۶۱ دفعات اور نو ۹ ابواب پر منقسم ہے اور کمال احتیاط کے ساتھ بحوالہ ائمہ و محدثین و فقہا و کتب اسانید جامع و مانع لکھا گیا ہے، اس مجموعہ مین محض ترجمہ انگریزی چھاپا گیا ہے، صفحاتِ مقابل پر اصل رسالۂ فارسی نے جگہ نہین پائی، اس لیے یہ عنوان بھی انگریزی طبعزاد تیسرِ مضمون کا ترجمہ ہے، فہم عام کی غرض سے فٹ نوٹس مین تمام الفاظ عربیہ و لغات رسمیہ و الفاظ قانونی و اسمائے کتب وغیرہ کو نستعلیق کے جلی ٹائپ مین نقل کر دیا ہے اور ان سے پہلے اس دفعہ کا شمارہ ڈالا گیا ہے جس مین وہ واقع ہین، یہ تحریر ایک بلند نظر روشن خیال عالم کی ہے جسکی جلالتِ شان اور تحقیق و اجتہاد مدح ستائش سے مستغنی ہے،

مفتی صاحب کا ذکر مین نے مناسب موقع پہ تذکرہ میر غلام علی آزاد بلگرامی مین کیا ہے، آزاد کے پوتے اور سید نور الحسن کے بیٹے تھے، نور الحسن کا عین عالم شباب تھا کہ بلگرام مین تالاب مین غسل کرنے گیے اور غرق ہوے، یہ ہوش ربا واقعہ ۱۱۹۶ھ کا ہے آزاد ترک توطن وقطع تعلق کر چکے تھے، دکن مین اقامت گزین تھے، بوڑھے باپ نے اکلوتے جوان بیٹے کا ناگہانی حادثہ سنا، جو کچھ ان پر گذری وہی جانتے ہونگے، لیکن ع قیامت بر سرین بوستان رفت کہ یک گل داشت آن ہم نوجوان رفت، ایک ایسا مرثیہ لکھا جس کے ہر شعر سے جگر کبابی کی بو آتی ہے، ممکن نہین کہ ایک درد مند دل اسکو پڑھے اور بے چین نہ ہوجائے، امیر حیدر اس وقت تین سال کے تھے (۱۱۶۵ھ کی پیدائش تھی) تحصیل علوم اولاً بلگرام مین اپنے دادا کے ماموں میر سید محمد متخلص بہ شاعر سے کی، پھر اپنے جد امجد کے پاس اورنگ آباد چلے آئے اور وہین تکمیل و تربیت پائی، لغوسنا سید قمر الدین اورنگ آبادی کے فرزند رشید مولنا نور الہدیٰ سے تمام کتابین پڑھین، علم طب اور اس پر عمل حکیم عبد السلام برہان پوری سے سیکھا، شاعر فرزانہ اور یگانۂ زمانہ ہوے۔ حضرت آزاد کی رحلت پر اورنگ آباد سے بلگرام آئے، اور بود و باش اختیار کی، پھر کلکتہ پریسیڈنسی مین عدالت کل کے عہدۂ افتاء پر مامور ہوگیے اور خوش گزران ہونے لگی، اعیانِ عدالت انکی تعظیم و تکریم بنہایت کرتے تھے، چند سال قیام کے بعد جاذبہ حبِ وطن دامنگیر ہوا، سفر مین تھے کہ مرشد آباد پہنچکر ہاتھ مین ایک بثرہ (دانہ) نکلا جو اس جہان فانی سے انتقال کا سبب ظاہری ہوا، "واے ویلا امیر حیدر رفت" ۱۲۱۳ھ تاریخ وفات ہے؂

لقد عاش دهراً يخدم العلم جهده | وكان قليل المثل في العلم والود
ولما توفي الحكم ما عاش طائلا | فما هفي ابن المجد والله بالمجد

سید امیر حسن ایک ہونہار اور افتخار خاندان بیٹا چھوڑا تھا جسکی مفتی ولی اللہ علیہ الرحمہ نے تاریخ فرخ آباد مین بڑی توصیف و تحسین کی تھی، بروایت شجرۂ طیبہ (جلد دوم) امیر حسن کا یہی صرف ایک لڑکا محمد حسن عظیم آباد کی ایک بلوچ افغانیہ کے بطن سے تھا جسکا لڑکا سید نور الحسن نامی ناکتخدا فوت ہوا، آزاد کے اعقاب و اولاد کا اس پر خاتمہ ہوگیا،

مطبوعات جدیدہ

تاریخ الامت، اس نام سے جامعہ ملیہ کے استاذ تاریخ اسلام جناب مولٰنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری جس تاریخ کو اردو کا جامہ پہنا رہے ہیں اس کا چوتھا حصہ ابھی شایع ہوا ہے، اس حصہ سے عہدِ خلافت عباسیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے، اس مین نوین عباسی خلیفہ واثق باللہ کی وفات تک کے حالات مندرج ہین، اور سنہ ہجری کے لحاظ سے ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک یعنی پوری ایک صدی کے حوادث عالم اسلامی کا ذکر ہے، کتاب کی خصوصیت یہ رکھی گئی ہے کہ زیادہ تر سیاسی واقعات اچھی طرح اُجاگر ہوکر نظر آئین، اس لیے فتوحات اور داخلی فتن و حوادث کی کافی تفصیل ملتی ہے، مفتوحہ ممالک کی تحدید اوراس کے اندرونی حالات کہین کہین توضیح کے ساتھ بیان کئے گیے ہین، سیاسی عہدون اور نظم مملکت کے عام اصول کی ضروری تشریح کیگئی ہی، ہر خلیفہ کے آغاز عہدِ خلافت مین احوال داخلیہ اور خاتمۂ عہد مین احوال خارجیہ کے عنوان سے خاص منصبِ خلافت یا مملکتِ خلافت سے متعلق اہم حادثات و حالات کی تشریح کیگئی ہے، جس سے ہر خلیفہ کے ابتدا و انتہائے خلافت کے وقت کے خاص خاص اہم حالات پر اچھی روشنی پڑتی ہی، غرض اس کا مطالعہ اوس زمانہ کے امراء، وزراء، عمال حکومت سرداران فوج اور دوسرے مشاہیر رجال سے کافی حد تک واقف کرسکتا ہی، اس زمانہ کے متعدد مذہبی فرقون اور بانیون کے حالات بھی سلسلۂ بیان مین آگئے ہین، رہ گیے اس زمانہ کے علوم وفنون اور انکی ترقیان تو انکی نسبت دیباچہ کتاب مین لکھدیا گیا ہے، کہ اس مین ان پر توجہ صرف نہین کیگئی ہی کیونکہ اس کیلئے مصنف کی رائے مین ایک علحدہ دفتر چاہئے، تاہم ناگزیر مواقع پر ضمناً اور اجمالاً علوم وفنون کے تذکرے اور خلفائے عباسیہ کے علمی کارنامون کے بیان سے یہ کتاب بالکل خالی نہین، آغاز کتاب مین عباسی خلیفہ

اوّل کا سلسلۂ نسب حضرت عباس بن عبدالمطلب تک مع ضروری حالات کے درج کیا گیا ہے،

اس کے بعد ان واقعات کا بیان ہی جو خلافت عباسیہ کی بنا، و تاسیس کا سبب و ذریعہ ہوئے، اور پھر اس وسیع خلافت کے پورے حدود و اطراف اور مقبوضہ اقالیم کی تشریح و توضیح خلافت عباسیہ کے زیر عنوان کی گئی ہے، صحتِ روایات کے لحاظ کے ساتھ تمام واقعات مسلسل مربوط اور دلچسپ طریقہ پر جمع و تحریر کیے گیے ہین زبان نہایت صاف، سادہ اور سلجھی ہوئی ہے، غرض یہ تصنیف ہر حیثیت سے کامیاب اور قابل مطالعہ تصنیف ہے لکھائی چھپائی عمدہ اور صاف، کاغذ اچھا، تقطیع گذشتہ حصّون کے برابر، صفحہ ۲۱۵ قیمت عہ، ملنے کا پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ علیگڈہ

سیرۃ الغازی مصطفےٰ کمال پاشا، تالیف جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری، ترکانِ احرار کے کارنامون اور اُنکی تحریک دفاع وطنی کے متعلق جتنی کتابین اب تک شائع ہوئی ہین، ان سب مین یہ کتاب زیادہ دلچسپ بلند، بہتر اور صحیح واقعات پر مشتمل ہی، اردو نہین بلکہ عربی مین بھی اس موضوع پر جو کتابین ہماری نظر سے گذری ہین ہم بے مبالغہ کہہ سکتے ہین کہ یہ کتاب ان سے بہتر اور مکمل ہے، مؤلف نے کتاب کو دو بابون مین تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس تحریک کے رہنما، و قائد اعظم غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے مختصر حالات ہین، عام واقعات زندگی تو مجمل اور سرسری ہین لیکن انکی فوجی زندگی کے واقعات کسی قدر تفصیل اور تشریح کے ساتھ لکھے گیے ہین، یہ باب ۲۴ صفحون پر ختم ہوگیا ہے، اس کے بعد دوسرا باب شروع ہوتا ہے جو اناطولیہ مین ترکون کی وطنی جد وجہد کی مفصل و مرتب تاریخ ہے، اس باب مین تمام واقعات نہایت تفصیل، ترتیب اور صحت کے ساتھ فراہم کیے گیے ہین، مؤلف کی محنت و کاوش اسی باب مین نمایان ہوئی ہے، تحریک وطنی کے آغاز ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۳ء یعنی تکمیلِ معاہدۂ لوزان تک کے تمام حالات و واقعات نہایت شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہین، قسطنطنیہ پر اتحادی قبضہ، سمرنا اور اندرونِ اناطولیہ مین یونانی پیش قدمی، ترکون کی انجمن دفاع وطنی، میثاق وطنی ترکی و یونانی جنگ، پیرس کانفرنس، لندن کانفرنس، ترکون اور ارمنون کی جنگ، مدانیہ کانفرنس، اور لوزان کانفرنس سب کی تفصیلات مندرج ہین، مؤلف نے یہ خوب کیا ہے کہ معاہدۂ سیورے، معاہدۂ مدانیہ، معاہدۂ لوزان اور دیگر وثائق سیاسی کا ترجمہ اُسکی اصلی حالت مین لفظ بلفظ کر دیا ہے، مجلس وطنی کبیر کی

روداد مین غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے اعلانات اور انکی نہایت اہم تقریرین بھی درج کردیگئی ہین، ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب نے تاریخی حیثیت حاصل کرلی ہی، وسط کتاب مین اناطولیہ کے میدان جنگ کا ایک نقشہ اور آغاز کتاب مین غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ایک تصویر بھی ہی، کاغذ چکنا عمدہ، لکھائی چھپائی صاف اور اچھی تقطیع متوسط صفحے ۱۵۲، قیمت عہ، ملنے کا پتہ: منیجر نجات بک ایجنسی بجنور۔ یو۔ پی،

سپاہیانہ زندگی، تالیف جناب اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی، کتاب کا موضوع محنت و جفاکشی کے فوائد اور کاہلی و عیش پرستی کے نقصانات دکھانا ہے، "سپاہیانہ زندگی" سے مصنف کی مراد کیا ہے، اُسکی تشریح مقدمۂ کتاب مین کردیگئی ہے، اس مسئلہ کی طرف مصنف نے خاص توجہ کی ہو کہ مسلمانونکی ترقی کا بڑا اور موثر سبب اُن کی سپاہیانہ زندگی تھی، وہ اس کو مسلمانون کی ایک کھوئی ہوئی دولت قرار دیتا ہے، اور لکھتا ہو کہ "سپاہیانہ طرز زندگی کو ضائع کرکے قوم نے اپنے اخلاق سے اثر پذیری کی قوت کو فنا کردیا ہے، اس لیے رہنماؤن کی کوششون کا بڑا حصہ بےنتیجہ رہا" اور اس بنا پر اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہین تو پھر انکو اپنی اس کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کرنا چاہیئے، کتاب کے ابتدائی حصہ مین مصنف نے یونان، ایران اور روم وغیرہ کے طرز زندگی سے اپنے خیال و مقصد کے مطابق استشہاد و استدلال کیا ہے، لیکن اس کے استدلال و استشہاد کا بڑا حصہ خود اسلامی تاریخ کے واقعات پر مشتمل ہے، کیونکہ مسلمانون کے لیے اس سے بڑھکر اور کوئی ولولہ انگیز چیز نہین ہے، مصنف کی محنت و کاوش قابل داد ہے، امید ہے کہ قوم اُسکو پڑھکر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریگی، کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ قوم بغیر سپاہیانہ جوہر اور جفاکشانہ زندگی کے ابھر نہین سکتی، کتاب کا طرز بیان اور زبان صاف اور سنجیدہ ہے، لکھائی چھپائی صاف اچھی، کاغذ سفید چکنا تقطیع متوسط صفحے ۱۳۶، قیمت عصہ، ملنے کا پتہ برصوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب،

مجلد سیزدہم	ماہ شعبان سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء	عدد سوم

مضامین

تصحیح اغلاط

ازراہ عنایت فروری نمبر کے حسب ذیل اغلاط درست کرلیجیے،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
				۹۴	۲	سنہ ۴۲۰	سنہ ۴۳۵	۹۹	۷	سنہ ۵۳۴	سنہ ۵۳۲ ابن ابی سنہ ۵۳۳	۱۰۳	۱۶	سنہ	سنہ ۴۶
۸۴	۱۲و۱۸	عمرو	عمر	۹۴	۲	سنہ ۵۳۶	سنہ ۵۳۹	۱۰	۱و۱۴	سنہ ۵۳۲	سنہ ۵۳۳	۱۳۹	۸	قلع	قرع (قبل عیسیٰ)
۸۶	۳	شتہ ۱۵	ششتہ ۱۵ بین	۹۴	۱۳	عرب دید ۵۱۶	عرب در ۵۱۹	۱۰۰	۸و۹	۸ برس	۱۲ برس	۱۴۹	۱۲	سنہ ۴۹۹	سنہ ۱۷۹۹
۸۷	۱۰	نظری	نظر	۹۰	۹	ہم	×	۱۰۰	۹	تیس تیس	چھبیس تیس	۱۵۱	۱۷	التقات	التقاط
۸۷	۱۲	صاحب کے	صاحب نے اپنے	۹۷	۹	کتاب	اہم کتاب	۱۰۰	۸	۹۴	۹۵	۱۵۱	۱۹	مسوق	مسبوق
۸۸	۱۱	یہ ہے	یہ	۹۷	۹	کے لیے	کے وقت	۱۰۲	۱	بہتیں	بہین	۱۵۱	۱۹	شعر	مشعر
												۱۵۱	۱۹	معانی	معانی

شذرات

گذشتہ قیاس اور سابق اطلاع کے مطابق یہ نمبر بھی تاخیر کے ساتھ شایع ہو رہا ہے، اب موانع خدا کے فضل و کرم سے تمام تر رفع ہوگئے ہین، کوشش بلیغ کیجا رہی ہے کہ آیندہ حسب دستور اپنے وقتِ خاص پر رسالہ شائع ہوا کرے، و الاتمام من اللہ

اردو پریس مین غلطیون کی کثرت کہ ایک مرض عاوی کی حیثیت سے ہے چنانچہ ہماری پوری کوشش اور جد وجہد کے بعد بھی معارف کے ہر نمبر مین کچھ نہ کچھ غلطیان رہجاتی ہین، خصوصاً اڈیٹر کی غیبت مین معارف کے چہرہ کا یہ داغ اور زیادہ نمایان ہوجاتا ہے، پچھلا نمبر بھی اسی نوعیت کا ہے جن مین بعض غلطیان اہم ہین، چھپنے کے بعد جب یہ رسالہ ہمارے پاس پہنچا، تو قلمی اصلاح کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ بعض خاص نسخون مین قلمی اصلاحین بنادی گئین، تاہم چونکہ تمام نسخون کا بنانا آسان نہ تھا، اس لیے چند ہفتون کے لیے اس تکلیف کا صبر سے ازالہ کیا گیا کہ آیندہ پرچہ مین اغلاط کی تصحیح کردیجائیگی، چنانچہ پہلے صفحہ پر آپکو تصحیح نامہ ملے گا،

ہم کو اپنے دوست ڈاکٹر پروفیسر اقبال کی سلامت روی سے جو توقع تھی وہ صحیح ثابت ہوئی، فروری نمبر مین ڈاکٹر صاحب کے جواب مین "شعر العجم اور عمر خیام" پر جو مضمون لکھا گیا تھا، اسکی رسید اور میرے نیاز نامہ کے جواب مین وہ ارقام فرماتے ہین،

"مین آپ کے خلوص نیت کی قدر کرتا ہون، اور چاہتا ہون کہ آپ بھی کسی قسم کی بدگمانی کو دل مین جگہ نہ دین، مین نے اپنا مضمون (عمر خیام شایع شدہ رسالہ اردو) دراصل اشاعت کے ارادے سے نہین لکھا تھا اور نہ اسکی عبارت اور ترتیب مختلف ہوتی، آپ نے اپنے مضمون سے اردو ادب مین قابل قدر اضافہ کیا ہے، اور بدین وجہ اہل زبان کو میری نکتہ چینی کا مشکور ہونا چاہئے، افسوس ہے کہ مین آجکل بہت مصروف ہون، لیکن آیندہ بشرطِ فرصت اسی سلسلہ مین کچھ لکھونگا، اس مین یہی کوشش ہوگی کہ تعمیری ہو تخریبی نہو"

ہم کو اپنے دوست کی اس کشادہ دلی کی پوری قدر، اور ان کے استحسانِ نظر اور حسن ظن کے شکریہ کا پورا احساس ہے،



جامعۂ علی گڈہ کے فروری نمبر مین مولانا ابوعبداللہ السورتی، معلّم ادبیاتِ عربی (جامعہ ملّیہ) کا ایک مختصر ومجمل مضمون **سیرۃ نبوی** جلد اوّل (شایع کردہ دار المصنفین) کی تنقید پر شایع ہوا ہے، ہماری دلی تمنا تھی کہ کوئی صاحبِ علمِ سیرت پر خالص علمی نظر سے تنقید لکھتے، مولنا سورتی اپنے ادبی اور رجالی معلومات کی بنا پر بیشک یہ استحقاق رکھتے ہین کہ جو کچھ وہ اس پر لکھین اس پر پوری توجہ کیجائے، سورتی صاحب نے اپنی اسی قسم کی ایک یادداشت بہت زمانہ ہوا کہ خود ہمارے پاس بھی بھیجی تھی، موصوف کا یہ مضمون سنہ ۱۳۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے، جواب سنہ ۱۳۴۲ھ مین چھ برس کے بعد نکلا ہے، اس مضمون مین دو ایک کے سوا باقی تمام تعقبات مطبعی غلطیون اور سہو کاریون پر مبنی ہین، جنکی بحمد اللہ کہ آج سے دو برس پہلے جلد اوّل کے طبع دوم مین پوری احتیاط کے ساتھ تصحیح کردی گئی ہے، حضرتِ نقاد اگر سنہ ۱۳۳۶ھ کا لکھا ہوا مضمون سنہ ۱۳۴۲ھ مین شایع کرتے وقت سنہ ۱۳۴۰ھ کی چھپی ہوئی سیرت پیش نظر رکھتے تو اس زحمت کے گوارا کرنے کی تکلیف انکو نہ اٹھانی پڑتی، والعصمۃ للہ وحدہ

ہمارا خیال ہے کہ سلطنت اور رعایا کے نقطۂ نظر میں ہر حیثیت سے اتحاد تقریبًا ناممکن ہے، اس لیے یہ قرین صواب نہیں کہ قومی تعلیم گاہوں پر جو دماغی قویٰ کے آزاد نشو و نما کا مقام ہے سلطنت کے انتظام و اہتمام کی قید و بند عاید کیجائے، غیر قومی تو غیر قومی، قومی سلطنت مین بھی سیاسی اہل حل و عقد، اور علمی و تعلیمی جماعت کے درمیان بھی غرض و غایت کا اتحاد ناممکن ہے، اس لیے تعلیم گاہون کا حکمرانون کے فیض قدم سے محروم ہی رہنا اچھا ہے،

قدیم اسلامی درسگاہون کے نظام اور تاریخ پر جنکی نظر ہے وہ جانتے ہین کہ اہل علم اور اہل تعلیم کس درجہ اپنے دامن کو سلطنتون اور دربارون کے الجھاؤ سے بچاتے تھے، آغاز اسلام سے تین سو برس تک کبھی کسی اسلامی درسگاہ نے کسی سلطنت کا مرہون منت ہونا پسند نہین کیا، عربون کے زوال کے بعد جب اہل عجم نے سب سے پہلے نیشا پور وغیرہ مین مساجد کی عمارتون سے الگ مدارس کی عمارتون کی بنیادین ڈالین، اور بالآخر پانچوین صدی ہجری کے بیچ مین نظامیہ قائم ہوا تو اہل علم اور اہل سلطنت کے درمیان گوناگون روابط اور تعلقات پیدا ہوگیے، لیکن آپ کو یہ معلوم ہے کہ آج ہم صدیون سے جس نظامیہ کے وجود پر فخر کرتے ہین، جب وہ قائم ہونے لگا تو اہل علم نے بزم ماتم بپا کی، کہ آج سے علم، علم کے لیے نہین، بلکہ سلطنت اور جاہ پرستی کے لیے پڑھایا جائیگا، یہ خوف بالکل بجا ثابت ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حق گو خطیبون کے منبر تخت شاہی کے سامنے سربسجود، اور نڈر عالمون کی دستارین تاج شاہی کے آگے خاک آلود ہوگئین اور بیباک مفتیون کے فتوے احکام شاہی کے روبرو تقویم پارینہ بن گئے،

مسلمانون کی کہنہ اور فرسودہ تاریخ کا ذکر جانے دو، زندہ یورپ کی درسگاہون کو دیکھو

کہ جہان سلطنت کے کرّو فر ہین وہان علم کی سادگی نہین، اور جہان علم ہے وہان سلطنت کو دخل نہین، لندن یونیورسٹی سرکاری ہے مگر وہان علم نہین، اور اوکسفورڈ اور کیمبرج مین علم ہے، تو سلطنت کی نگرانیون سے آزاد، یہی حال دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا ہے،

آج یہ دونون نظرئے مجسّم ہوکر علی گڈھ کی سرزمین مین نمایان ہین، ایک طرف مسلم یونیورسٹی کا ایوان اور دوسری طرف جامعۂ ملّیہ کا کاشانہ ہے، کرّ وفر، دولت وجاہ، زیبائش ونمایش مین اگر پہلے کو دوسرے سے نسبت نہین، تو روح، حیات معنی، اور مقصد مین دوسرے کو پہلے سے نسبت نہین، اگر یہ سچ ہو کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ان دونون درسگاہون کی معنوی زندگی کا اندازہ لگانا آسان ہے، دونون جگہ کے طلبہ کی دماغی محنتون اور کاوشون کے ماہانہ نتائج کو ایک سرسری نظر سے بھی دیکھ لو، ایک جگہ سے **علی گڈہ میگزین** نکلتا ہے اور دوسری جگہ سے **جامعہ**، پہلے کے چہرہ پر تفریح خاطر، خوشی اور بے فکری کے آثار ہین تو دوسرے کے چہرہ سے متانت، غور، محنت، اور فکرمندی ظاہر ہوتی ہے، پہلا صرف ہنستا ہے اور دوسرا فقط سوچتا ہے، یہ فرقِ حال، دونون درسگاہون کی بنیادی غرض وغایت کے اختلاف کے سوا اور کس کا نتیجہ ہے؟

اسی قسم کی غلطی آجکل مصر مین کیجارہی ہے، اہلِ مصر کو اب سیاسی آزادی ملی ہے اور اُن کا سیاسی رہنما اب ان کی حکومت کا عملی فرمانروا ہے، اسی اتحاد نے انکو یہ دھوکا دیا کہ اس سے پہلے جب حکومت اور ان کی قومی جد وجہد کے مرکز متحد نہ تھے تو اس وقت جو چیزین قوم نے اپنی ضرورت اور نقطۂ نظر سے قائم کی تھین وہ اب اس اتحاد قوم وحکومت کے بعد متحد کیجارہی ہین، انھین مین ...... کا قومی جامعہ، "جامعۂ مصریہ" ہے، جو پہلے خالص غیرسرکاری یونیورسٹی تھی،

اب مصر کی جو سرکاری یونیورسٹی بن رہی ہے، وہ اس مین منضم کیجا رہی ہے، اہل مصر کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آج قوم اور حکومت کے مطمح نظر کی سطح جو یکسان معلوم ہوتی ہے، وہ ہمیشہ یکسان نہین رہ سکتی، اور سعد پاشا زغلول سا آدمی ہمیشہ برسر اقتدار نہین رہے گا، اور نہ کبھی حکومت کے سیاسی اور تعلیم گاہون کے علمی اور تعلیمی مقاصد ایک ہوسکتے ہین، اس لیے جس طرح دار العلوم کے بعد بھی جامع ازہر قائم ہے، جامعۂ مصریۂ امیریہ، کے باوجود بھی جامعۂ مصریۂ قومیہ قائم رہ سکتا ہے،



ہمارے پاس ہمایون مرزا بیگم صاحبہ نے حیدرآباد سے ایک استفتا بھیجا ہے کہ مسلمان خواتین مردون کی کانفرنسون مین، مسجدون کی جماعتون مین، لڑائیون کی صفون مین شریک ہوسکتی ہین یا نہین؟ غالبًا اس سوال کا منشا گذشتہ علی گڈھ ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر عورتون کو شریک ہونے کی جو اجازت نہین دی گئی، اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے معارف کے صفحات مین یہ حقیقت کئی دفعہ ظاہر کی جاچکی ہے کہ تقلید فرنگ کے شوق مین نہین، بلکہ اصل آداب اسلامی کی اتباع مین مسلمان عورتین ان مین سے ہر چیز مین شرکت کرسکتی ہین، ان مین سے ہر جماعت اور ہر صف مین مردون کے پیچھے عورتون کی جماعت اور صف قائم کیجا سکتی ہے، اڈیٹر معارف کا رسالہ خواتین اسلام کی بہادری گو مختصر ہے، مگر مسلمان خواتین کے پچھلے کارنامون کا اچھا خاصہ مرقع ہے، اس مین خواتین سلف کے طرز عمل کو دیکھئے،

مقالات

ابن رشیق اور المعز بن بادیس اور تاریخ قیروان کا ایک صفحہ

از

پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی۔ ایم اے استاذ اورنیٹل کالج لاہور

اسلامی ہندوستان کے ان چند مشتثنی جدید تعلیم یافتہ افراد مین سے جو نہ صرف عربی زبان و ادب پر کامل عبور رکھتے ہین، بلکہ علم کا خالص سنجیدہ اور ٹھوس مذاق رکھتے ہین، پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی ہین، جن کے قلم سے عربی ادبیات کی وسعت اطلاع کی متعدد مثالین ملک کے سامنے آچکی ہین، ذیل کا مضمون بھی موصوف کی تلاش کامل، مطالعۂ عمیق، اور سخت کاوش و محنت کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ ناظرین اسے زیادہ دلچسپی کی چیز نہ سمجھین، لیکن تحقیقات عالیہ دلچسپی کی پابند نہین، یہ مضمون ایک مشہور علمی بزم مین پڑھا گیا، اور قدردانی سے سنا گیا، امید ہے کہ معارف کی بزم علمی مین بھی یہ قدردانی سے پڑھا جائیگا،

(اڈیٹر)

براعظم افریقہ کا بیشتر حصہ استیلائے ریگ کے باعث ہمیشہ نامعلوم سرزمینون مین شمار ہوتا چلا

آیا ہے، دنیا زیادہ تر اس کے شمال مغربی ساحل سے روشناس ہی یعنی کہ برقہ سے لیکر فاس تک، عرب افریقہ بولکر عموماً اسی حصہ کو مراد لیتے ہین، اور خصوصاً علاقۂ تونس کو، یہ سرسبز خطہ ہر عہد کے حوصلہ مند فاتحون کا پے سپر رہا، مگر چونکہ مجھے ایک خاص عہد سے تعلق ہے اس لیے اسکی طویل تاریخ کے اہم تغیرات سے صرف جستہ جستہ بحث کرونگا اور باقی امور و حوادث کو نظر انداز کرتا چلا جاؤنگا،

یہ ساحلی اثر سرسبز خطہ جسکو عرب اندلس برالعدوہ بھی کہتے ہین افریقہ کے اندرونی ممالک کی طرح جب طرح اول وہلہ مین خیال ہو سکتا ہی وہانکے اصل باشندون یعنی قبائل بربری کے تصرف مین رہا، مگر پھر رومی لوگ اس کے پائے تخت قرطاجنہ (کارتھیج) پر حملہ کرکے قابض ہوگیے، جس طرح سنتہ اللہ چلی آرہی ہے کہ اقوام مفتوحہ متمرد فاتحون کے حلقۂ غلامی سے رہائی پانے کے لیے کوئی کوشش اٹھا نہین رکھتین یہان کے بربرہ بھی ہاتھ پاؤن مارنے لگے اور رومیون کا قافیہ تنگ کرتے رہے، تاآنکہ ایک طویل خونریزی کے بعد اس امر پر دونون قومون مین مصالحت ہوگئی کہ ساحلی ممالک رومیون کے زیر نگین رہین اور اندرونی رقبہ اصل باشندون کے زیر تصرف، پھر اسلام سے پیشتر رومیونکی جگہ اقوام فرنگ نے لیلی، مگر ادھر آفتاب اسلام نے اپنی ضیار پاشی سے کفر و شرک کی تاریکی کو چھانٹ کر ایک جہان کو بقعۂ نور بنا دیا تھا اور عرب کی اقوام متحاربہ یکان یکان حلقہ بگوش اسلام ہو ہو کر اپنے ممالک مسلمانون کو جو اس وقت سچ مچ نقدۂ دا بین تے سونپتی جارہی تھین اور مسلمان ہر طرف باران رحمت کی طرح چھارہے تھے، عہد عثمانؓ مین بقیادت عبد اللہ ابن ابی سرح ایک لشکر ادھر بھی بھیجا گیا جسنے جرجیس کے طوق غلامی سے اس ملک کو رہائی دلائی اور اقوام بربر جوق درجوق اسلام کے دائرہ مین آنے لگین، حالانکہ جرجیس کی حکومت طرابلس الغرب سے بحر محیط تک ممتد ہو چکی تھی،

جس طرح مذکور ہوا رومیون کے عہد مین قرطاجنہ پائے تخت رہا، پھر فرنگیون نے سبیطلہ کو اپنا دارالسلطنتہ بنا لیا جسکو مسلمانون نے کچھ اس طرح پامال کیا کہ پھر ہمیشہ کے لیے وہ آبادی سے محروم ہوگیا

پھر بعد امیر معاویہ پہلے معاویہ بن حدیج السکونی ۴۳ھ مین یہان کا حاکم ہوا اور ازان بعد عقبۃ بن نافع الفہری کا میمون و ہمایون قدم یہان آیا انھون نے اپنے پیشرو ون کے خلاف ان ممالک کے نظم ونسق رتق وفتق اور تعمیر و ترقیہ مین غیر معمولی دلچسپی لی اور ۵۵ھ مین ایک گنجان اور مہیب جنگل مین شہر قیروان کی بنیاد ڈالی۔ یہ جگہ ساحل سے خاصی دور تھی گویا اس طرح مسلمانون کو ...از بربر کے اختلاط سے اور ان کے شہر کو غارتگران روم و فرنج کا جولانگاہ بننے سے بچالیا۔ پھر جامع عقبہ کی بناد ڈالی جو آج چودھوین صدی مین بھی سیاحون کی نگاہون کو خیرہ کر رہی ہے اور زنگ اسلاف فرزندان اسلام کو بیانگ دہل سنا رہی ہے،

فان فخرت بآباء لهم شرف قلنا صدقت ولكن بئس ما ولدوا

پھر اس ملک پر امویین کی طرف سے اور ان کے بعد عباسیین کی جانب سے ولاۃ آتے رہے تا آنکہ منصور نے اغلب بن سالم کو بھیجا جس نے ہر چند کچھ داخلی شورشون کو فرو کر دیا، مگر ۱۵۰ھ مین قتل ہوا، اس کے بعد کچھ اور ولات آئے، پھر ۱۸۴ھ مین ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو بھیجا، اس کے بعد اس کا فرزند ابو العباس عبید اللہ آیا، اور پھر بعد مامون زیادۃ اللہ بن ابراہیم والی ہوا، اس کا عہد بہت مبارک نکلا۔ کہ ۲۱۲ھ مین قاضی قیروان اسد بن الفرات کے ہاتھون جزیرۂ صقلیہ فتح ہوا، پھر اسی خاندان کے چھ اور والی آئے، مگر پھر فاطمیین (عبیدیین) کے عروج نے ان کا چراغ گل کر دیا،

دعاۃ فاطمیین نے افریقہ کے ہر ہر گوشہ مین اپنی آواز پہنچا دی، اور فریباً پورے افریقہ کو طوعاً او کرہاً اپنا ہم خیال بنالیا، اس عہد سے پہلے اندلس مین مالکیت کا دور دورہ ہو چکا تھا، مگر افریقہ کے لوگ ہنوز اس مذہب سے چندان روشناس نہ تھے، پھر قاضی اسد بن الفرات اور سحنون کے اسدیہ اور مدونہ لکھنے کے بعد مالکیت کے چند پرستار پیدا ہو گیے مگر عام مذہب حنفی تھا پھر عبیدی نے بھی کچھ

کامیابی حاصل کی۔ تاآنکہ المعز نے حکماً مالکی مذہب پھیلا دیا اور عبیدیت کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینکا جس طرح آیندہ آئیگا، سو عہدِ المعز سے آج تک برقہ سے بحر محیط تک یہی مذہب ساری و جاری ہے، بلکہ لفظ مذہب سے یہی مذہب مراد ہوتا ہے، مثلاً الدیباج المذہّب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب مین۔

سنہ ۳۴۱ھ سے المعز لدین اللہ الفاطمی سریر آرا ہوا، خلفائے فاطمیین مین یہ بڑا نامور خلیفہ تھا، اس کے غلام جوہر نے مصر و شام فتح کیا، شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اور اسکو اپنے مولی کے نام سے موسوم کرکے القاهرة المعزية کا نام دیا، پھر سنہ ۳۶۲ھ مین جوہر کے بلانے پر المعز بڑے جاہ و جلال سے مصر کے تخت پر متمکن ہوا۔

ادھر اُسے مصر جاتے ہوئے فکر ہوئی کہ یہان افریقیہ مین کسکو اپنا جانشین کرے، مگر اسکی نگاہ دقت پسند کو بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی سے بڑھکر کوئی اور نظر نہ آیا، بلکین اس وقت ملک کے دور دراز اطراف مین محوِ فتوح تھا، سو اوسکو بلوا بھیجا اور سیف الدولہ ابوالفتوح یوسف کے گرانقدر القاب دے کر مسند ولایت افریقیہ سونپ دی، اور خود روانۂ مصر ہوا، بلکین باحسن وجوہ افریقیہ کے بربرون اور اندلس کے امویون سے نبٹتا رہا۔ تاآنکہ سنہ ۳۷۲ھ مین اس نے داعیِ اجل کو لبیک کہی، اس کے بعد اس کے فرزند منصور بن بلکین نے عنانِ حکومت سنبھالی اور وہ بھی سنہ ۳۸۵ھ مین فوت ہوا، اور پھر بادیس بن منصور سریر آرا ہوا اور سنہ ۴۰۶ھ مین موت نے اسے بھی ناگہان سوتے ہوئے آن لیا،

المُعِزّ بن بادیس

بقول ابن خلکان اس کا کوئی اور نام معلوم نہین ہوا، یہ سنہ ۳۹۸ھ مین شہر منصوریہ (صبرہ) مین پیدا ہوا، اور سنہ ۴۰۶ھ مین اپنے باپ کے بعد محمدیہ (مسیلہ) مین آٹھ[۱] سال اور چھ ماہ کی عمر مین رسم

---

[۱] جس طرح اکثر مورخ کہتے ہین مثلاً ابن خلکان وغیرہ ۲: ۱۰۵۔ مگر ابن الاثیر ۹: ۱۰۷ مین ایک قول گیارہ سال کا بھی ہے،

تاج پوشی ادا کی اور نہایت حزم و تدبیر سے اپنے خاندان کے تمام مدعیانِ تاج وتخت سے جان چھڑالی، مگر جس طرح قبائلِ بربر اس کے پیشروؤن کو دق کرتے آئے تھے انھون نے اُسی بھی چین کی نیند نہ سونے دیا اور علم شورہ پشتی بلند کیا، چنانچہ سنہ ۴۱۱ھ، ۴۱۵ھ، ۴۲۰ھ، ۴۲۷ھ، ۴۲۸ھ، اور ۴۲۹ھ مین قبائلِ زناتہ نے اور ۴۳۲ھ مین آلِ حماد نے بغاوتین کین جو المعز نے بالکل فرو کردین[1] اور تمام قبائل مین اپنی دھاک بٹھا دی، اور طرابلس الغرب سے قریباً بحر محیط تک اس کا کوئی قابلِ ذکر سہیم و شریک نہ رہا، افریقہ کے بادشاہون مین اس قدر عظمت و شان کا کوئی بادشاہ نہین ہوا، یہ بڑا غیور، شجاع، علم دوست، دیانت دار، فیاض اور خداترس بادشاہ تھا، علمار کی ہمیشہ توقیر و تکریم کیا کرتا، ان کے مفید مشورون پر کاربند ہوتا، اور دینی احکام کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا کرتا تھا، جس طرح معالم الایمان[2] کے چند تراجم سے معلوم ہوتا ہے، فنون لطیفہ کا بھی اچھا خاصہ مذاق رکھتا تھا، ہرچند کہ بقول ابن خلکان ہم کو اسکا کوئی شعر نہین ملا مگر ابکار الافکار لابن شرف کے بیان کے مطابق اوسکا ابن رشیق کے اس بیت پر

یعیبون بلقیسیة أن رأوا بہا ۔۔۔ کما قد رأی من تلك من نصب الصلحا

یہ اعتراض کہ "تونے تو خود یعیبون کہکر اس بات کا پتہ دیا کہ اس پر کوئی عیب بھی دھرتا ہے" یقیناً اس کی دقیق سخن سنجی اور سخن فہمی کی دلیل ہے، ابن شرف کہتا ہے کہ "اس اعتراض تک تو ہمارے اذہان پہنچے بھی نہ تھے" المعز آل زیری بلکہ افریقہ کے تمام تاجدارون کا بیت القصید اور واسطۃ العقد تھا ابن خلدون[3] کہتا ہے۔

"وکان اضخم ملك عرف للبربر بافریقیة واترفہ وابذخہ"

[1] ابن خلدون ج ۶ ص ۱۵۹ مین لکھتا ہے "وکانت بینہ وبین زناتة حروب ووقائع کان لہ الغلب فی جمیعہا" کما هو مذکور [2] ج ۳ ص ۱۷۶، ۲۰۹ - [3] تاریخ ج ۶ ص ۱۵۸،

الحاکم الفاطمی[1] نے سنہ ۴۰۷ھ مین المعز کے یہان ایک سفارت بھیجی جس کے ساتھ ایک زرنگار خلعت گران بہا تحائف، اور لقب شرف الدولہ محض اسکی تطییب خاطر اور دلجوئی کے لیے بھیجے جسکی المعز نے بھی نہایت شاندار طریق سے پیشوائی کی، بقول صاحب لبساط[2] سنہ ۴۲۲ھ مین ملک روم کی طرف سے بھی ایک سفارت جلیل القدر تحائف لیکر پہنچی جسکی المعز نے اپنے محل واقع صبرہ مین پیشوائی کی، اسی طرح بقول ابن رشیق[3] صاحب مصر نے یا بقول صاحب[4] لبساط صاحب سودان نے ایک سفارت مع ہدایا بھیجی تھی جن مین زرافہ بھی تھا جس کے وصف مین ابن رشیق نے ایک ہمزیہ قصیدہ بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو ہماری عربی کتاب نتف من شعر ابن رشیق وابن شرف) نیز سنہ ۴۱۱ھ مین غرناطہ وغیرہا کا بادشاہ زاوی[5] بن زیری بن مناد بادیس کا چچا مع اپنے اہل وعیال وخدم وحشم وزر وجواہر لاتھے کے اندلس سے المعز کے یہان پہنچا، المعز نے اسکی میزبانی کا حق ادا کر دیا، اور اس راہ مین پانی کی طرح روپیہ بہا دیا، اور اسکو ہر طرح مالا مال کر دیا۔ سنہ ۴۳۹ھ مین المعز[6] نے ایک بیڑا جزائر قسطنطنیہ کی طرف بھیجا جو بہت سا مال غنیمت لیکر مظفر ومنصور پلٹا، قیروان کی تباہی کے بیان مین ایک واقعہ آئیگا جو المعز کی سیاست دانی پر کافی روشنی ڈالتا ہے،

فاطمیین یا عبیدیین کا مذہبی تشدد

یہ فرقہ پہلے پہل تو محض حب اہل بیت کو اپنا اساسی اصول ظاہر کرتا رہا چنانچہ اس طرح عوام کے دلون مین کچھ جگہ حاصل کر لی، مگر جب[7] انھون نے اس مدعا مین اپنے کو کامیاب پایا تو اپنے اصل معتقدات کی تبلیغ شروع کر دی یعنی شرائع واحکام دین مین دست اندازی اور انکا استخفاف کرنا، صحابۂ کرام کو برملا گالیان دینا، اور علمائے دین کو طرح طرح کی ناگفتہ بہ اذیتین پہنچانا، مصر وشام

[1] ابن خلکان ۲ × ۱۰۵، الکامل ۹ × ۱۰۶، [2] عمدہ ۲ × ۲۲۸ - ۲۲۹، [3] ہ ہ [4] ابن خلدون ۶ × ۱۵۸، [5] الکامل ۹ × ۱۰۶، اگر یہ بادیس کا چچا کیسے ہو سکتا ہے کہ اسکا نسب تو یون ہے، بادیس بن منصور بن بلکین بن زیری بن مناد، [6] الکامل ۹ × ۲۲۵ - [7] معالم ۱ × ۲۲

مین بھی قابض ہو کر اپنی حرکات کا اعادہ کیا، یہان کے لوگون مین چونکہ جنگی روح کبھی نہ تھی، اس لیے ان کی طرف سے کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی، مگر افریقہ کی جنگی قومین ان سے بالکل مختلف تھین انھون نے گھونسے کے بدلے گھونسے ہی کا سبق پڑھا تھا جس طرح آئندہ آئیگا، دباغ معالم[1] مین لکھتا ہے:-

عروس المؤذن الشہید نے ایک مسجد مین اذان دی، اس پر کسی مشرقی[2] نے عبیدی حاکم کی عدالت مین جاکر یہ بیان دیا کہ انھون نے حی علے خیر العمل نہین کہا، سو حکماً ان کی زبان کاٹ دیگئی، آنکھون مین سلائی پھیری گئی، اور شہر مین تشہیر کے لیے اونکو کوچہ بکوچہ پھرایا گیا، پھر ایک تیغ سے ان کا سر کچل دیا گیا، یہ ۳۳۱ھ کا واقعہ ہے،

اسی طرح اس کے بہت دنون بعد عہد بادیس کا ایک واقعہ ہے جسکو دباغ ہی نقل کرتا ہے[3]،

ہر چند عبیدین نے دعاة افریقہ مین پھیلائے اور بہت کچھ جبر و عنف سے بھی کام لیا مگر علی الخصوص قیروان مین اونھین مطلقاً کامیابی نہ ہوئی، ایام بادیس مین ان کے ایک داعی نے جبر و اکراہ شروع کر دیا، عوام نے اس کے کسی چیلہ کو پکڑ کر مار دیا، یہ واقعہ دباغ سے عوانی نے نقل کیا ہو مگر ابن ناجی اس کے معالم مین پائے جانے سے منکر ہے نیز اسکی صحت کو بھی نہین مانتا، واللہ اعلم

القصہ افریقہ کے لوگ مصر و شام کے گلّے نہتے جنھین عبیدی داعی اپنے حسب منشا جدھر چاہتا لیجاتا اس لیے بادیس اور المعز کے عہد حکومت مین عوام نے مشارقہ سے نہ صرف اپنا واجبی انتقام ہی لیا، بلکہ حدود انسانیت سے کہین تجاوز کر گئے جس کے باعث بہت سے مشارقہ مشرق یا سسلی کی طرف کوچ کر گئے اور کچھ مار ڈالے گئے،

---

[1] معالم ۲۴۳ [2] اہل قیروان عبید اللہ الشیعی کے پیرودن کو مشارقہ کہتے تھے، کہ عبید اللہ ان کے یہان مشرق ہی سے آیا تھا،

[3] معالم ۱۷۴،

المعزاور مشارقہ وعبیدیین

اس نے جس طرح اس کے اسلاف کا معمول رہا تھا عبیدیین کے ساتھ مذہبی مداہنت و ملائمت اور ملاطفت و تالیف کو روانہ رکھا، بلکہ کہین اشارون سے اور کہین جہاؓرًا ان کی مخالفت کی جو عین عوام کی منھ مانگی مراد بھی وہ عبیدیین سے انتقام لینے کے خیال مین سرمست تھے، المعز کے حکمًا عبیدی اور حنفی مذہب کی جگہ مالکیت کی ترویج کی اور عبیدیین سے نفرت اور برئیت ظاہر کی چنانچہ ذیل کا حوالہ شاہد ہے[۱]،

ابن الاثیر کہتا ہو کہ جب المعز کی سواری (۳۰۷ھ مین، قیروان سے گذری تو کیا دیکھتا ہے، کہ ایک جم غفیر جمع ہے، پوچھا یہ کیون اکھٹے ہوئے ہین، جواب، ملاکہ شیخین کو لعنت کرنے کے لیے اس پر وہ بولا رضی اللہ عن أبي بکر و عمر، یہ قول گویا عوام کے لیے ایک اشارہ کا کام کرگیا، انھون نے شیعون کو جہان پایا مارنا شروع کردیا،

ابن[۲] خلدون کا بیان بھی ملاحظہ ہو،

ایک دن المعز کا گھوڑا چراغ پا ہوا اس پر اس نے حضرت شیخین کے نام سے فریاد اور دہائی کی، یہ آواز کہین عوام کے کانون مین جا پڑی، الخ

اس سلسلہ مین ابن ناجی[۳] کا بیان بھی سن لیجئے،

جبکہ ۱۵ محرم ۳۰۷ھ مین المعز قیروان پہنچا تو عوام نے قیروان کے روافض کو بری طرح تہ تیغ کیا ان کے اموال لوٹ لیے، ان کے گھر جلا دیے، ان کی عورتون اور بچون تک کو مار ڈالا، اور ان کو پاؤن سے روند دیا، یہ گویا خدا کی آواز تھی جو قیروان سے نکل کر جہان جہان

[۱] ابن الاثیر ۹ ×۱۲۲، [۲] ۶×۱۵۹، [۳] معالم ۳×۱۹۲

شیعیان تھے وہان خود بخود پہنچ گئی، سو وہ جہان جہان تھے مار دے گیے، اور ان کے لاشے جلا دے، حتی کہ روافض کو مساجد مین بھی پناہ نہ ملی، ایک مرتبہ عوام ایک سنی کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیے اور کہنے لگے کہ ہم اسے شیخ ابو علی ابن خلدون کے ہان لیجائینگے اور جیسا ان کا حکم ہوگا اس کے ساتھ سلوک کیا جائیگا، اس پر سردار بولا اسکو ابھی سے کیون نہین مار ڈالتے اگر رافضی ہوا تو یہ کار ثواب ہے اور اگر سُنّی ہوا تو تم اسکی روح کو فوراً جنت مین پہنچا دوگے،

کچھ آگے چلکر ابن ناجی "سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا" کچھ اضافہ کرتا ہے۔

ہم نے جو یہ کہا ہے "کہ آواز خود بخود پہنچ گئی" یہ ہمارے استاذ ابو الفضل البرزالی (الاندلسی) کے قول کے سراسر خلاف ہے، وہ کہتے تھے، کہ جس وقت اہل قیروان نے شیعون کو مارنا شروع کر دیا، ٹھیک اسی دم تمام شیوخ نے اپنے اپنے شہر کے شیعون کی خبر لینی شروع کی، مثلاً شیخ محرز نے تونس مین، حالانکہ یہ کوئی سابقہ قرار دادیا منصوبہ نہ تھا، بلکہ یہ تمام شیوخ کی کرامت تھی (یعنی کہ سینکڑون میلون سے یہ آواز سن لی اور قیروان کے شیعون کا اجرا علوم لے کر لیا)

لے مین اس کرامت کے سمجھنے سے قاصر ہون ہرچند کہ کرامتِ اولیا اور معجزاتِ انبیا پر ابن ناجی سے کچھ کم ایمان نہین رکھتا، اس لیے کہ کبھی کسی نبی نے کسی قوم کے استیصال کی دعا نہین کی پھر یہ کرامت کیسی ہے جسکا پورا زور مسلمانون کی تباہی پر خرچ کیا جارہا ہے، شاید ابن ناجی کو کرامات سے غیر معمولی شغف ہے مثلاً صرف ابو یوسف دھانی کے ترجمہ مین (۲۶۵×۳ - ۲۷۰) اتنی کرامتین ذکر کر ڈالی ہین، ہوا مین اڑنا، لنگڑون کو صحیح سالم کر دینا، گھر کا گھومنا، کشتی سے تمام خوردنی اشیاء نکال پھینکنا، مگر کسی چیز مین کچھ کمی نہ آنا، سمندر کا پانی کو میٹھا ہی بنا دینا، اور ریت کو سونا ہی سونا کر دینا وغیرہ، آیندہ قیروان کی تباہی کے سلسلہ مین ایک زبردست کرامت کا بیان آئے گا، یعنی کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسکی صحت سے کوئی عالم انکار نہین کر سکتا، کہ دنیا کے پرانے مسلمانون کے زمانون اور انکی کتابون مین کہین بھی کرامتون کی اتنی بھرمار نہین جتنی کہ پانچوین صدی سے شروع ہوتی ہے

باین ہمہ اسی سال الحاکم الفاطمی کی طرف سے ایک سفارت گران قدر تحائف لیکر آئی، گویا اگر اتنے پر بس کیا جاتا تو علبیدیین شاید آئندہ انتقام ہی نہ لیتے، اور حقیقت یہ ہے کہ المعز کی مسلسل کامیابیون نے اس کے داخلی اور خارجی دشمنون کے حوصلے پست کر دئے تھے، سب اسکی دلجوئی اور استمالت کے طالب ہوئے، اور گران بہا ہدایا بھیجکر اس کی دوستی کے خریدار بنے، مگر انہی کامیابیون نے المعز کے مزاج کو نقطۂ اعتدال سے منحرف کر دیا اور جس طرح عنقریب بیان ہوگا اس نے مطلق مآل اندیشی سے کام نہ لیا،

سنہ ۴۳۵ھ مین حرمین کے خطیبون نے المستنصر الفاطمی کا نام اپنے خطبون سے ہٹا کر اس کی جگہ المقتدی خلیفہ بغداد کا نام داخل کر دیا، یہ واقعہ اس آدمی کے لیے جو پیدا ہوتے ہی فاطمیین اور انکی ملت سے متنفر تھا، تازیانۂ عبرت کا کام کر گیا، یعنی کہ اس نے اپنے اس دیرینہ ارادے کو ہاتھ لگایا۔ اور سنہ ۴۳۵ھ مین جس طرح ابن الاثیر[۲] اور مؤرخین قیروان کا قول ہے یا سنہ ۴۴۰ھ مین جس طرح ابن خلدون[۳] لکھتا ہے (مگر ابن خلکان[۴] کا سنہ ۴۴۳ھ کا ایک قول ہر لحاظ سے غلط ہے) المستنصر کے نام کے تمام علم جلوا دئے) رسمی تحریرات اور سکّون پر سے اس کا نام ہٹا دیا، اور ہر شئی پر القائم بن القادر خلیفہ بغداد کا نام لگایا، ادھر القائم کی طرف سے ابوالفضل الدارمی الوزیر کے جسکا آئندہ کئی جگہ ذکر آئیگا، ہاتھون گران بہا خلعتین، ایک شمشیر اور چند علم مع پروانہ ولایت بلاد افریقہ بھی پہنچگئے، پروانہ[۵] کی ابتدائی عبارت حسب ذیل ہے:۔

من عبد اللہ و ولیہ ابی جعفر القائم بأمر اللہ امیر المؤمنین الی الملک

الأوحد ثقۃ الاسلام و شرف الامام و عمدۃ الأنام ناصر دین اللہ

---

[۱] ابن خلکان ۲ × ۱۰۳ - [۲] کامل ۹ × ۲۱۷ و ابن خلکان ۲ × ۱۰۳ - [۳] ۶ × ۱۵۹ - [۴] ۲ × ۱۰۳ - [۵] الکامل ۹ × ۲۱۷ -

قاهر اعداء الله مؤيد سنة رسول الله صلعم أبي تميم المعز بن
باديس بن المنصور ولي امير المومنين بولاية جميع المغرب وما
افتتحه لسيف أمير المؤمنين۔ الخ

ابن الاثیر کی تخلیط سے حیرت ہوتی ہے کہ ایک جگہ اس واقعہ کا سنہ ۴۳۵ھ لکھا آیا ہے اور دوسری جگہ ۴۴۳ھ کو ظاہر کرتا ہے، اب اس کے کس قول پر اعتبار کیا جائے،

دباغ اس سلسلہ مین ایک اہم واقعہ لکھتا ہے:-

المعز نے عید الفطر ۴۴۳ھ سے حکم نافذ کر دیا کہ عبید اللہ الشیعی بانی دولت وملت عبیدیہ پر سر منبر لعنت کی جائے، قاضی محمد بن جعفر الکوفی (جنکا ذکر آئندہ آئیگا) نے ایک خطبہ لعن طیار کیا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں، "اللهم والعن الكفرة المارقين الفجار اعداء الدين وانصار الشياطين المخالفين لامرك والناقضين لعهدك" یہ خطبہ المعز کو اس قدر بھایا کہ خطیب جامع قیروان کو المعز نے حکم دیا کہ وہ بھی یہی خطبہ پڑھا کرے

ناچیز کہتا ہے کہ اس خطبہ مین کہین کوئی لفظ عبید اللہ کی لعنت مین نہین فلیعلم

القصہ حاکم فاطمی تو مر چکا تھا اور اسکی جگہ المستنصر تھا یہ کیون اس قدر محتمل الضیم والهضم نبا، وہ ان حالات سے بہت برافروختہ ہوا اور المعز کے نام ایک تہدیدی خط بھیجا جس کے جواب مین المعز نے بھی گرم گرم فقرے کسے اور ظاہر کیا کہ تم نے تو میرے آباء کی امداد سے یہ سب کچھ پایا ورنہ تمھین افریقیہ مین کون پوچھتا تھا، ہر چند کہ یہ آخری فقرہ اس لحاظ سے کہ عبید اللہ مشرق سے افریقیہ مین آیا تھا، اور ہمیشہ اس کے انصار صنہاجہ کے لوگ رہے تھے جو المعز کا قبیلہ ہے بہیم تھا مگر بالکل ناسپاسانہ اور غیر عاقبت اندیشانہ اور بیجا اور خلاف مصلحت، یہ سب کچھ ہوا اور المعز کے ہاتھون اور اس کے

[1] الکامل ۹ ص ۲۵۶ - [2] معالم ۳ ص ۲۴۳ -

آنکھ دیکھے بلکہ آپ بیٹے مگر اس نے اس عرصہ مین نہ اپنی طاقت سنبھالی نہ عبیدیین کی استمالت کی اور نہ اپنے رویۂ ناقصہ مین کچھ تبدیلی بلکہ غفلت کی نیند سوتا رہا۔ اب ادھر کا حال سنیئے المستنصر نے الحسن بازوری کو قلمدانِ وزارت سونپا، یہ شخص پرلے درجہ کا بدوی ناتعلیم یافتہ اور اجڈ تھا، پھر المعز نے اپنے سرکاری مکاتیب مین وزیر کو مخاطب کرکے "معبدہٗ" کی جگہ "صنلیعتہٗ" (اس کا پروردہ) لکھنا شروع کیا، جس پر یہ مغرور بگڑ بیٹھا، اور المستنصر کو جو یون بھی المعز کی حرکات سے چندان خوش نہ تھا، سمجھا بجھا کر انتقام کے خیال پر پختہ کردیا کما سیأتی۔

المعز کا فوجی ضعف

نویری[1] نہایت الارب مین لکھتا ہے کہ ۴۲۷ھ مین، کل شاہ صقلیہ کے مخالفین المعز سے امداد مانگنے افریقہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم سب بطیب خاطر آپ کو اپنا بادشاہ گردانتے ہین، اس لیے چلکر سسلی پر قبضہ کرلیجئے ورنہ ہم اپنا ملک رومیون کو سونپ دینگے، اس پر المعز نے اپنے فرزند عبداللہ کی قیادت مین ایک لشکر روانہ کیا جس مین تین ہزار سوار اور اسی قدر پیادہ تھے، مگر سفہائے صقلیہ نے اپنی حماقت سے اس کا ساتھ نہ دیا، جس سے عبداللہ کو شکست ہوئی، اور ان کے تین سو آدمی قتل ہوئے، اور وہ بقیہ کو بچا کر واپس افریقہ چلا آیا،

کوئی دو صفحے آگے یہی مصنف لکھتا ہے کہ ۴۴۵ھ مین جب رجار فرنجی صقلیہ کے ممالک کو پیاپے فتح کرنے لگا تو وہان کے علما، صلحا، اور فضلا نے ہجرت شروع کی، اور ایک جماعت نے المعز کے دربار مین حاضر ہوکر اپنے ملک کی حالت زار بیان کی جس پر المعز نے ایک زبردست بیڑا (بقول ابن الاثیر چار سو جہازون کا) ہر طرح سے ذخائرِ جنگ سے آراستہ کرکے بھیجا، یہ بیڑا ہنوز مہدیہ کے قریب ہی جزیرۂ قوصرہ کے پاس پہنچا تھا کہ یکایک باد مخالف چل پڑی جس سے پورا بیڑا

---

[1] مجموعہ اماری از تواریخ صقلیہ ۴۴۴۔

مع ذخائر و آلات و سپاہ نذرِ دریا ہوا الا من شاء اللہ، ابن الاثیر نے ہر دو واقعون مین عجیب تخلیط کردی ہے، حوادث ۳۴۶ھ مین لکھتا ہے کہ المعز نے سسلی کو رومیون کی دست برد سے بچانے کے لیے چار سو جہازون کا ایک عظیم بیڑا طیار کیا، جو بعد کیت و ذیت جزیرۂ قوصرہ کے قریب بادِ مخالف کے چلنے سے بالکل تباہ ہوگیا، پھر بہت فاصلہ سے حوادث ۴۴۸ھ کے ذیل مین مسلمانانِ صقلیہ کی ابتدائی تاریخ شروع کر کے لکھتا ہے کہ جب ابن التمنہ نے ابن الحواس کے ہاتھون شکست کھائی تو راجر شاہِ مالطہ سے بدین عہد امداد لے کر کہ فتح کر کے پورا جزیرہ تمھارے حوالے کر دونگا، ۴۴۲ھ مین سسلی پہنچا، اس کے اکثر شہر فتح کرلیے، اور اپنے رقیب ابن الحواس کو شکست فاش دی، اس لیے وہان کے اکثر علما و صلحا نے ہجرت شروع کردی اور ایک جماعت نے المعز کے ہان پہنچکر سارا ماجرا من وعن سنایا، اس پر المعز نے ایک بڑا بھاری بیڑا طیار کر کے روانہ کیا جو جزیرۂ قوصرہ کے قریب موسم سرما کی بادِ مخالف کے چلنے سے قریبًا بالکل تباہ ہوگیا الخ، ناچیز کہتا ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن الاثیر نے نہ دونون واقعات کا فرق سمجھا ہے، اور نہ سنہ ہی کی تصحیح کی ہی، واللہ اعلم

الغرض نویری اور ابن الاثیر[۵] کے بیان کے مطابق اس بیڑے کی تباہی نے المعز کی عسکری اور بحری قوت کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچایا اور اسکی عظمت و شان کے رفیع قصر کو قریبًا منہدم کر دیا، یعنی کہ غارتگرانِ عربِ مصر کے حوصلے بڑھا دئے، اور یہ تباہی افریقیہ اور سسلی کی تباہی کا پیش خیمہ بنی، سو اب قیروان اور افریقیہ کی تباہی اور بربادی کی دلدوز اور جان سوز داستان غم کے سننے کے لیے اپنے اپنے کلیجون پر ہاتھ رکھ لیجئے،

قیروان کی تباہی،

ہرکس از دستِ غیر می نالد   سعدی از دستِ خویشتن فریاد

[۱] الکامل ۹ × ۵ × ۱۴۲، [۲] ایضاً ۱۰ × ۸۱ - [۳] ۱۰ × ۸۱

المستنصر الفاطمی کے وزیر البازوری نے المعزکی طرف لکھ بھیجا،

اما بعد فقد أرسلنا الیکم خیولاً فحولاً، وحملنا علیھا رجالاً کھولاً، لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً۔ ادھر اس نے مصر کے مشہور و شورہ پشت قبائل آل ہلال یعنی ریاح، زغبہ اور اثبج کو جو اس سے پہلے قرامطہ کے ہم آہنگ ہو کر بہت کچھ افساد اور تخریب عباد و بلاد کر چکے تھے اور جو سدا سے باہم مصروف جنگ آزمائی رہے تھے سمجھا بجھا کر اور بہت کچھ مال و متاع دیکر روانۂ افریقہ کیا اور وعدہ کیا کہ پیچھے کمکین بھی بھیجی جائینگی، جب یہ مفسدین سرزمین برقہ مین پہنچے تو اوسکو خالی پاکر اپنا مستقر بنا لیا اور پھر وہان سے ہر چہار طرف قتل و غارت شروع کر دی، المعز نے "علاج واقعہ قبل از وقوع باید کرد" کے اصول سے غفلت برتی اور ناصح مشفق کی اس صدا پر کان تک نہ دھرا کہ

سرِ چشمہ باید گرفتن بمیل　　　　چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

پھر آہستہ آہستہ یہ سیلاب آگے بڑھتا گیا، راستہ مین جو شی ملی اسکو غارت کیا، راہ ہر نیان کین، پھل کاٹ ڈالے، کھیت جلائے، اور عمارتین ڈھادین، الغرض افریقہ پر وہ آفت نازل کی جو اسکی طویل تاریخ مین کبھی نہ آئی ہو گی، ادھر کمک کا بھی تانتا بندھا ہوا تھا، یہ لوگ کئی کئی ہزار کی ٹولیون مین ایک ایک علاقہ مین سیلابِ بلا بنکر افساد و تخریب کرتے رہے، بقول ابن الاثیر قبائل زغبہ ۴۴۶ھ مین طرابلس الغرب پر قابض ہو گئے، القصہ قیروان کے آس پاس کے تمام شہر برباد کر ڈالے، پھر لمحہ بہ لمحہ اونکی تعداد مین اضافہ ہو رہا تھا، اور آس پاس کے مفسدین بھی آملے کہ عربون کی کامیابیون نے المعز کی ہیبت لوگون کے دلون سے ہٹا دی تھی اور اور ون کے حوصلے بڑھا دئے، ایک مرتبہ ان کے چند امرا المعز کے دربار مین آئے، اس نے اونکی بہت خاطر و مدارات کی کہ کہین شر سے باز آجائین مگر،

ولبعض الحلم عند الجہـ　　　　ـل للذلۃ إذعان

انھون نے ناسپاسی سے اور بھی سخت دھاوے شروع کردئے، آخر المعز نے دق ہوکر ناچار قیروان سے تین میل کی مسافت پر جبل حیدرانؔ یا جندرانؔ[1] کے پاس اپنے تیس ہزار غلام اور قریباً استنے ہی قبائل صنہاجہ کے آدمیون کو ساتھ لاکر صف جنگ آراستہ کردی، مگر صنہاجہ کی بے ثباتی بُرا رنگ لائی، کہ صرف تین ہزار عربونکی مٹھی بھر فوج نے بہت کچھ کشت و خون، اور قتل و ضرب کے بعد ۳۰[2] ہزار، کو شکست دیدی، اس معرکہ مین المعز اور اس کے غلامون نے خوب ہی دادِ مردانگی دی، مگر آخر المعز شمس کا سفر کی طرح بادل افسردۂ و چہرۂ پژمردہ قیروان واپس آیا، کسی نے اس واقعہ کا ان لفظون مین ذکر کیا ہے،

وان ابن بادیس لأفضل مالك ... ولکن لعمری ماله یه رجال

ثلاثون الفا منهم غلبتهم ... ثلاث آلاف ان ذا المحال

المعز نے پھر ایک مرتبہ اور ہمت کی اور، ۲ ہزار کا لشکر لیکران کے سر پر یکایک آن پڑا، اس مرتبہ بھی ہر چند اس کے غلامون اور قبائلِ زناتہ نے غضب کی پامردی ظاہر کی، مگر صنہاجہ کی غداری نے ابکی بھی شکست کا منھ دکھایا حالانکہ عرب صرف ۷ ہزار تھے، آخر المعز نے عربون کو قیروان مین بیع و شرا کے لیے آنیکی اجازت دے دی، اور قیروان نے اور زویلہ کے گرد فصیل بنوادی کہ وقتِ ضرورت روک تھام ہو سکے، مگر درحقیقت المعز کی ہوا اکھڑ چکی اور عربونکی بندھ گئی تھی اس لیے یہان بھی اونھین جو چیز دکھائی دی اوسکو تباہ کرنے لگے، بالآخر المعز نے لوگون کو مہدیہ کی طرف منتقل ہونیکا مشورہ دیا اور پھر خود بھی شعبان ۴۴۹ھ مین منتقل ہوگیا، یہان اس کا فرزند تمیم ۴۴۵ھ سے گورنر تھا، جونہی کہ وہ قیروان سے نکلا عربون نے میدان خالی پاکر قتل و غارت، احراق وہدم شروع کردیا، پھر بدقسمتی سے ردمیون نے بھی مہدیہ غارت شروع کردی، ادھر عربون نے کبھی برابر کے

[1] ابن خلدون ۶ × ۱۵۹ - [2] ابن الاثیر ۹ × ۲۳۶،

ہم نوا ہو کر اور کبھی تنہا پورے افریقیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اس کے بعد المعز نے اپنی حیات کے چار باقی سال کچھ ایسی دلشکستگی اور پریشانی سے طے کیے کہ دنیا کی ساری رنگینیون اور دلفریبیون کو طاقِ نسیان مین رکھدیا بلکہ اس کے مزاج مین بھی کچھ چڑچڑاہٹ پیدا ہو گئی جس کے باعث اس کے درباریون کا عقد الدرر یگان یگان بکھرنے لگا، اور بالآخر اس ہار کا واسطۃ العقد یعنی ہمارا دوست جو ہمیشہ سے جلیس البیت بنا رہا تھا اور مطلقاً سفر کا خوگر نہ تھا سسلی کی طرف رخصت ہوتا ہے، ابن[1] خلدون ایک جگر پاش اور جان خراش واقعہ لکھتا ہے کہ

المعز قیروان سے مہدیہ تک قبیلۂ ریاح کے امیر مونس کی خفارت اور پناہ مین گیا، مونس نے اس شرط پر یہ خفارت منظور کی کہ وہ اپنی لڑکی اسکی طرف منسوب کرے جو اسے کرنی پڑی،

ناچیز کہتا ہے متنبی نے سچ کہا ہے، والجوع یرضی الاسود بالجیف۔ مجھے ادبی مذاق نے یہان ایک واقعہ یاد دلایا کہ جب مہلل بکر و تغلب کی لڑائیون مین ناکام رہکر عرب کے دور دراز اطراف مین پہنچ گیا تو کسی جنبی نے اس سے اسکی لڑکی مانگی جو بحکم ضرورت اسے دینی پڑی اور کہا،

انکحہا فقدہا الاراقم فی جنب وکان الحباء من ادم

لو بابانین جاء یخطبہا زمل ما انف خاطب بدم

اسی حال مین المعز ۴۵۳ھ مین اس غدار دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اور اس کا لائق فرزند تمیم جو بڑا بےنظیر سیاسی شجاع اور غیور مسلم ہے اور جو برخلاف اپنے باپ کے شعر[2] و شاعری مین ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اسکی جگہ لے لیتا ہے، ابتداءً کچھ پریشانی سے گذرتی ہے مگر بالآخر ان قبائل کو باہم معروف جنگ و جدل کر کے خود چین کی نیند سوتا ہے، ابن الاثیر واقعات ۴۵۹ھ مین اسکی سیاست دانی کی ایک بےنظیر مثال پیش کرتا ہے کہ عربون کے قبائل عدی و ریاح مین

---

[1] ۶ x ۹ ۱۵۹ [2] ملاحظہ ہو شرنشی ۱/۲۲۳ x ۲۰۹، ۲۰۹ x ۲۱۰، ۲۲۸، ۲۹۱، ۲۸۲ x ۲۰۸ - ابن خلکان ۱/۹۰ وغیرہ وغیرہ

باہم جنگ چھڑ گئی اور ایک ریاحی مارا گیا مگر ریاح نے عدی کے ساتھ سمجھوتا کر کے قتیل کا خون ہدر کردیا، اس پر تمیم نے ریاح کو ان ابیات کے ذریعہ طلب قصاص کے لیے اکسایا،

متی کانت دماؤکم تطل اما فیکم بثأر مستقل الا ربعۃ الابیات

کبھی تمھارے خون رائگان بھی گئے تھے؟ کیا تم بدلہ نہ لو گے؟

اس کی وجہ سے دونون قبیلون مین بہت سخت لڑائیان ہوگیئن، اور اس طرح وہ خود ان کے شر سے محفوظ رہا، تمیم نے صفاقس اور قابس وغیرہ کو از سرنو فتح کرلیا، ابن حمدیس الصقلی اسکا درباری شاعر تھا، رومیون پر اس نے اپنی دھاک بٹھادی تھی، آخر ۵۰۱ھ مین مرگیا، پھر اس کے فرزند یحیی نے ۵۰۹ھ تک اور پھر علی بن یحیی نے ۵۱۵ھ تک، اور پھر حسن بن علی نے حکومت کی، تا آنکہ ۵۴۳ھ مین رجار نے مہدیہ پر قبضہ کرلیا اور پھر تمام ساحلی شہرون پر، مگر جب ۵۴۷ھ مین موحدین الجزائر کو فتح کر کے آگے بڑھے تو یہ انکی امداد کرتا رہا تا آنکہ ۵۵۵ھ مین مہدیہ بھی فتح ہوگیا، اور یہ حاکم مہدیہ کا مشیر بنا دیا گیا اور موحدین کی طرف سے اسکو بہت سی جاگیرین ملین، پھر ۵۶۳ھ مین یوسف بن تاشفین کے بلانے پر مراکش کی طرف روانہ ہوا مگر راستہ ہی مین مقام تامسنا مین مرگیا، گویا اس طرح یہ سلسلۃ المذہب یعنی حسن بن علی بن یحیی بن تمیم بن المعز بن بادیس بن منصور بن بلکین جس کے تمام فرمانروا اپنے پیشرو کے صلبی فرزند ہین دنیا مین ۲۰۱ سال حکومت کر کے اور ہمیشہ کے لیے افریقیہ کی تاریخ مین ممتاز مرتبہ پا کر رخصت ہوتا ہے،

ابن ناجی کی نرالی منطق،

ہم نے جہان تک ممکن تھا نہایت کاوش سے قیروان کی تباہی سے بحث کی اور اس کے اسباب ایک ایک کر کے لکھد یئے، پھر دیکھا کہ ابن[1] ناجی شارح مدونہ متوفی ۸۳۰ھ اس کا ایک نرالا

---

[1] معالم ۳/ ۲۲۶ - ۲۳۰ -

سبب بیان کرتے ہین جو حسب ذیل ہے:-

ولی کامل اور سالک واصل ابو الفضل عبد الصمد کے ایک صاحبزادے مسمی ابوالحسن محمد الواعظ صاحب حلقۂ ذکر تھے، المعز کو انکی ہردلعزیزی سے اندیشہ ہوا کہ چونکہ عوام مین انکی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے اس لیے کبھی بغاوت نہ کر بیٹھین. چنانچہ المعز نے ان سے ایکبار چند کتابین مستعار منگائین جو کچھ دنون رکھکر واپس کر دین. شیخ ابوالحسن نے انکو ایک ایک کرکے الٹا، ایک پرزہ کاغذ پایا جس مین یہ عبارت تھی "شاہانِ ایران اور علمائے تاریخ وسیاست کا خیال ہے کہ پراسرار واعظ جو عوام کی تالیفِ قلوب کے لیے وعظ و ذکر کی محفلین گرم کرتے ہین اربابِ دول اور دول کے لیے ایک آسمانی بلا ہین لہذا انکو مطلق العنان چھوڑا جائے" ابوالحسن فوراً تاڑ گیے کہ یہ فعل المعز نے قصداً کیا ہے، پھر ۴۳۴ھ مین وہ حج کو روانہ ہوئے، ادھر المعز نے ان کے ساتھ کچھ آدمی کر دئے کہ انکو کسی سے ملنے نہ دین، پھر المعز نے انکو پسِ پشت برائی سے یاد کرنا شروع کیا اور اسی طرح اس کے حاشیہ نشینون نے، مگر جونہی کہ وہ قابس سے باہر نکلے فوراً کسی عرب کے ہاتھون قتل ہوئے، سو بعض لوگ یہ قتل المعز کے اشارے سے بتاتے ہین اور بعض اس کے خلاف ہین، یہ ماجرا کسی نے جاکر ان کے والد ابوالفضل کو جبکہ وہ جامع عمرو بن العاص مصر مین وعظ فرما رہے تھے من وعن کہہ سنایا، وہ وہین سے جوتی پہنکر بنیت حج تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) پڑھنے لگے، اور ایک خدائی کو اپنا ہمسفر کرکے بیت اللہ پہنچے اور خانۂ کعبہ کے پردے پکڑ کر دہائی دی کہ

یارب المعز علیک بہ   یارب علیک باین بادیس

اے خدائے المعز اسکی خبر لے ،   اے خدا ابن بادیس کو نہ چھوڑ،

سو ان کی بد دعا کے دوسرے دن ہی المعز نے قیروان کی لڑائی مین عربون سے شکست کھائی،

قیروان کی تباہی کا اصل سبب یہ تھا اور کسی کو شک نہ رہا کہ یہ سب کچھ ان کی دہائی کا نتیجہ تھا فنعوذ باللہ تغیر قلوب أولیائہ واصفیائہ وہذا اصح من نقل عیاض عن محمد بن عبد الصمد انتہی مختصراً،

ناچیز مستفتی تنکر اس مالک عہد سے چند باتین پوچھتا ہے کہ کسی اور کو افتار کی اجازت نہین کہ کیف أفتی وفی المدینۃ مالک (۱) جب وہ عربون کے ہاتھ سے مارے گئے تو کیا المعز ذمہ دار تھا کیا عرب المعز کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ (۲) المعز نے وعّاظ مین سے صرف انہی کو شبہہ کیلئے کیون مخصوص کیا (۳) کیا امام مالک کا یہی قول ہے کہ الزامِ قتل کے لیے عوام کا کسی انسان پر گمان کرلینا کافی ہے (۴) کیا کسی ولی کامل کے شایان ہے کہ محض شبہہ کی بنا پر ایک مسلم بادشاہ کی تباہی کا خواستگار بنے (۵) کیا اولیا ان احکام سے مستثنیٰ ہین کہ لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت اور ولا تزر وازرۃ وزر أخری تو پھر جو شبہہ المعز پر ہو سکتا تھا اوسکا خمیازہ تمام مسلم اور غیر مسلم رعایا کیون اٹھائین، کیا خدائے عادل کا عدل اسکو روا رکھ سکتا ہے (۶) کیا اہلِ مصر کی میقات حج جامع عمرو بن العاص ہے اگر ہے تو کس مذہب مین؟ پھر بھی مین ابن ناجی کا بہت ممنون ہون کہ المعز کی سیاست دانی کا ایک اہم واقعہ ہمین بتایا، نیز تعوّذ مین بھی اوسکا ہم آہنگ ہون کہ اللھم انا نعوذ بک من تغیر قلوب اولیائک واصفیائک۔ اے کاش کہ اگر یہ واقعہ کچھ پہلے معلوم ہو جاتا تو مجھے ضخیم کتابون کی ورق گردانی اور اسباب وعلل کی جستجو سے ایک حد تک نجات مل جاتی،

شہر قیروان

مشہور تو یہی ہے کہ اسکا منسوب قیروانی ہے مگر یاقوت معجم البلدان مین قیرمی بھی لکھتا ہے اور نسخۂ مختصرۂ دیوان ابن رشیق موجودہ اسکوریال مین القروی علی التجرید عن الزوائد بھی ہے،

یہ شہر ہر چند اسلامی تھا جس طرح گزرا مگر رفتہ رفتہ تمام افریقہ کے تمدن و تہذیب اور علوم وفنون کا مادی و ملجا بنگیا، بڑے بڑے علماء صلحاء فقہاء اطباء کتاب شعراء مہندسین اور منجمین اطراف سے سمٹ سمٹا کر یہان جمع ہوگیے، چونکہ یہ بلاد مشرق و مغرب (اندلس مراکش وغیرہ) کی گذرگاہ پر واقع تھا اس لیے ہر دو جگہون کے گذرنے والے فضلاء کا موقف ومخیم بن گیا تھا، جس کے باعث علماء سے گذر کر امراء وعوام کے دلون مین بھی علمی جذبہ گدگدیان لینے لگا، یہان کے محققین نے مشرق و مغرب کی گردچھان ماری اور قیروان کو علوم وفنون سے مالا مال کردیا[۱]، ابن ناجی لکھتا ہے

کہ ابوعبداللہ ابن سعدون قیروانی نے مصر و مکہ وغیرہ مین علوم کی تکمیل کی اور پھر بغرض تجارت تمام بلاد مغرب و اندلس کی سیر کی مثلاً قرطبہ، بلنسیہ اور مرتیہ وغیرہا، ان ممالک کے علماء نے ان سے بہت کچھ تعلیمی اور ارشادی فیوض پائے اور علمی فتوحات کین، آخر وہ وہین شہر اغمات (مراکش) پہنچکر ۴۸۵ھ مین مرے،

یہان کے فقہائے مالکیہ یعنی قاضی اسد بن الفرات، سحنون، ابن یونس، اللخمی، ابن محرز، ابن بشیر اور مالکِ عہد ابن ابی زید مصنف الرسالۃ وغیرہ جن کے ذکر سے الدیباج المذہب، معالم الایمان اور مقدمہ ابن خلدون[۲] کے صفحات لبریز ہین، دنیا بھر کے موالک کے مقتدی تھے، مشرق و اندلس و باقی افریقہ کے طلبہ شد رحال کرکے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے، اس غیر معمولی حرکت ونہضت نے وہ وہ حفاظ اثبات پیدا کیے جن کی یاد سدا زمانے کے کانون مین گوشوارہ بنکر آویزان رہیگی، دباغ لکھتا ہے[۳]،

کہ ابوالقاسم عبدالحق السیوری دنیا کے چند مافوق العادۃ حفاظ مین سے تھے الفین مدونہ جیسی ضخیم کتاب ازبر تھی،

---

[۱] معالم ۳ ۲۴۵۔ [۲] ۲۷۶ ۱۳۱۱ھ مصر [۳] ۳ ۲۲۵ معالم۔

ابن ناجی اس پر اضافہ کرتا ہے،

بہین بلکہ انھین تو اکثر وفاتر فقہ نوک زبان تھے، حتیٰ کہ اگر کبھی ان کے سامنے کوئی غریب قول نقل کیا جاتا تو کہا کرتے تھین یہ قول کہان سے ملا مجھے تو یہ فلان فلان اور فلان کتابون مین (دو لم جرا) اس کا کہین پتہ نہ چلا حتیٰ کہ اسی طرح وہ اکثر موافقین ومخالفین کی کتابون کے نام دہرانے لگتے ایک ثقہ نے مجھ سے نقلاً عن شیخنا محمد الشبیبی بیان کیا، کہ جو باہر کے طلبہ قیروان مین تحصیل کے لیے آتے تھے، انھون نے المدونہ کے تمام نسخے خرید ڈالے اور قیروان کے بازار دن مین کوئی نسخہ نچھوڑا اس سے قیروان کے علمار کو بہت دقت ہوئی وہ سیوری مذکور کے یہان آئے اور یہ کیفیت بیان کی، اسپر انھون نے سینے سے المدونہ املار کرانا شروع کردیا، کچھ دنون بعد ہمین اوسکا ایک نسخہ ہاتھ لگا اور مقابلہ کیا تو لفظ بلفظ درست پایا

یہان کے علمار کی دیانت صلاح اور حسنِ سلوک و ایثار کی مثالون سے معالم الایمان کے صفحات معمور ہین، مثلاً ملاحظہ ہو ترجمہ[۱] ابو علی حسن بن خلدون، یہان کے اطبار بھی دور دور تک نامور تھے صاحب[۲] معالم لکھتا ہے:-

حب احمد بن عوانتہ اپنی آنکھون کا علاج کرانے قیروان آئے تو ابو علی ابن خلدون نے ان کو اپنے ہان مہمان رکھا اور طبیب ابن أعین کو بلا کر انکا علاج کرایا، حتیٰ کہ ان کی آنکھین درست ہوگئین یہ سب ابو علی کے خرچ پر ہوا، جب ابن عوانہ رخصت ہونے لگے تو انھین کتاب جامع ابن وہب نذر کی (کہ پہلے کہہ آئے ہین کہ ابن عوانہ نے ان کی نقد امداد قبول کرنے سے انکار کردیا تھا) جسکی قیمت تین سو درم تھی،

اسی طرح وہان کا ایک ابن الجزار نامی طبیب بہت مشہور ہے، نجوم کے متعلق ابن خلدون[۳]

---

[۱] معالم ۳ × ۱۹۰ - ۱۹۴، [۲] ۳ × ۱۹۱ - [۳] ۱۵۳ × ۲۹۱ -

کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہون:-

اس عہد کے متاخرینِ مغرب نے ایک تونسی منجم ابن اسحٰق کے زائچہ پر بہت اعتماد کیا ہے جو ساتوین صدی کا ہے،

صاحب بساط کہتا ہے کہ المعز کے دربار مین قریباً ایکسو شعراء آمد و رفت رکھتے تھے، جنکا سر پرست ابوالحسن علی ابن ابی الرجال الکاتب الشیبانی تھا، یہ ابن رشیق کا ولی نعمت تھا، اسی کے نام پر العمدہ کو معنون کیا ہے اور جابجا اس کے ابیات[1] سے اپنی کتاب کو زینت دی ہے، عمدہ کے آخر مین اسکو مخاطب کرکے چھ ابیات لکھتا ہے:

ان الذی صاغت یدی و فمی | وجری لسانی فیہ او قلمی
لما عنیت بیک خالصہ | واخترتہ من جوھر الکلم
لم اُھدہ الا لتکسوہ | ذکرا یجدّدہ علی القدم - آہ

ایک جگہ اپنے مولی کی سخن سنجی کو ان[2] الفاظ مین ظاہر کرتا ہے:-

انی لأعجب کیف یحسن عنده | شعر من الأشعار مع احسانہ
ماذاک الا انہ در النھی | لیس[3] (؟) التجاربہ علی دھقانہ

اور یہین اپنی پست آواز مین یہ بتاتا ہے کہ جس طرح متنبی سیف الدولہ کے لیے تھا اسی طرح وہ ابن ابی الرجال کے لیے ہے، یہ فاضل المعز کا سکرٹری تھا، المعز نے اسی کے ہاتھون تربیت پائی تھی، ابن رشیق کو بہت چاہتا تھا، ایک مرتبہ اس سے فرمائش کی کہ جس طرح ناشی نے اوصافِ شعر مین متعدد قصیدے لکھے ہین تم بھی طبع آزمائی کرو چنانچہ ابن رشیق نے کہا[4]،

---

[1] مثلاً ملاحظہ ہو العمدہ ۱ × ۷، ۸، ۱۲۳، ۱۲۳، ۲ × ۱۱، ۱۴، ۱۸، ۸۱، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۱۱۶، ۱۲۳ وغیرہ، [2] العمدہ ۱ × ۱۲۳، [3] کذا فی العمدۃ و لعل صوابہ یوفی او یقف و ما یشبہما، [4] العمدہ ۱ × ۲۳ -

الشعر شيء حسن   ليس به من حرج   الى آخر العشرة الابيات

شعروسخن کا مذاق جس طرح ذکر ہوا تمام طبقات آبادی مین مرض متعدی کی طرح سرایت کرچکا تھا جس طرح المنوذج[۱] کی اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے،

ایک دن مین مع کئی اور شعرار کے ابولقمان تنتفیرسے کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، ابولقمان کچھ کچھ شاعری کا بھی دم بھرتا تھا، وہ درکادد کے ہمراہ شطرنج مین مصروف ہوا، ادھر ہم ان دونون کے باہمی مذاق پر ہنسنے لگے، اتنے مین درکادد بولا اگر میرے اس مصرع پر مصرع لگادو تو جانون۔

حلیات حبث فی طنجیر بنو ای ابولقمان نے کہا، دفحم جهك فی کانون أحشائی

اس پر ابراہیم الکونی نے کہا احسنت احسنت یا ابالقمان تمھارا مصرع اسکے مصرع سے کہین اچھا ہے، ابولقمان نے کہا۔ اجی حضرت ابھی دیکھا کیا ہے یہ تو بدیہہ گوئی تھی

اسی طرح المنوذج[۲] کی ایک اور حکایت ہے،

قیروان اور اس کے علمار پر بہت کچھ کتابین لکھی گئی ہین ذیل مین ہم چند ایک کے نام دیتے ہین المنوذج[۳] الزمان لابن رشیق۔ (دیاتی) معالم الایمان للدباغ و ذیله لابن ناجی تاریخ[۴] القیروان لابن زیادة الله الطبنی، تاریخها[۵] لابی محمد ابن عفیف، تاریخها[۶] لابن رشیق۔ طبقات[۷] علماء افریقیة و کتاب[۸] عباد افریقیة کلاهما لابی العرب محمد بن احمد بن تمیم، کتاب[۹] فی اخبار ملوك افریقیة والقائمین علیهم للتاریخی۔ مگر اب تو جس طرح ذکر ہوا نہ وہ چہل پہل ہے نہ وہ علم و فضل، اب تو قیروان مین بیس ہزار گمنام نفوس بستے ہین وبس،

---

۱ بدایع البدایہ ۱۰۰، ۲ البدائع ۲۹۰، ۳ المعجب لیڈن ۲۵۹، ۴ المعجب ،، ،، ۵ کشف الظنون ۶ الدیباج المذهب ۲۵۰۔ ۷ تاریخ علمائے اندلس ضبی مطبوعہ اسپین نمبر ۱۳۱

ادباء و شعرائے قیروان کے متعلق چونکہ ہمین کوئی کتاب نہین ملی اس لیے یہان ان کی مختصر سی فہرست دیدینا شاید فائدہ سے خالی نہ ہو،

(۱) عبد الوهاب بن محمد الازدی المعروف
بالمثقال۔ الموذج فوات الوفیات ۲ × ۴۲

(۲) محمد ابن ابی سعید ابن شرف الجذامی
قران ابن رشیق۔ معالم۔ فوات۔ التکملہ
لابن بشکوال نمبر ۱۲۰۸

(۳) علی ابن ابی الرجال الشیبانی العمدہ

(۴) احمد ابن ابی الاسود الادباء ۱ × ۳۷۸

(۵) علی بن فضال القیروانی الادباء ۵ × ۲۸۹

(۶) المرتیق القیروانی یہ غیر معمولی لیاقت کا
آدمی تھا الادباء ۶ × ۲۸۷

(۷) محمد بن عبدون السوسی۔ ابن رشیق
رحلۃ التیجانی، صقلیہ ۳۷۹،

(۸) ابن المؤدب الموذج ابن خلکان۔
مسالک صقلیۃ ۲۵۴، ۲۲۷، ۲۲۶

(۹) عبد اللہ بن محمد الازدی المعروف
بالعطار فوات ۱ × ۲۳۵

(۱۰) ابو حبیب عبد الرحمان بن احمد

الموذج فوات ۱ × ۱۵ ۲ التکملہ لابن
الابار نمبر ۱۶۴۷ -

(۱۱) ابو لقمان الصفار | من الانموذج
(۱۲) الدرکادو | والبدائع
(۱۳) محمد (او احمد) بن ابراہیم | ۱ × ۷۰
الکمونی التیمی (البساط ۵۲ | ،،

(۱۴) ابو العباس ابن حدید الموذج۔
البدائع ۱ × ۱۱۳ و ۱۲۰ -

(۱۵) محمد بن حبیب التنوخی الموذج
البدائع ۱ × ۲۳۹،

(۱۶) یعلی بن ابراہیم الاربسی ادباء ۶ ×
۴۶۹، البدائع ۲ × ۳۹ -

(۱۷) محمد بن حفص القزاز الموذج ادباء،
ابن خلکان (روایاتی فی الشیوخ)

(۱۸) عبد الکریم بن ابراہیم النہشلی الموذج
(شیوخ مین ان کا ذکر آئیگا)

(۱۹) ابو اسحق ابراہیم الحصری (شیوخ) الموذج

(۲۰) ابو الفضل الدارمی الوزیر ابن رشیق بدائع ۲×۱۱۹، معالم ۲×۲۳۱ البساط ۵۳،

(۲۱) ابن سعد القیروانی معاہد ۲×۲۲۰

(۲۲) عمر الخراط القیروانی معاہد ۱×۱۲۱

(۲۳) محمد بن عطیة بن حیان الکاتب بساط ۵۰

(۲۴) ابراهیم الماردی القیروانی ابن رشیق بساط ۵۲

(۲۵) عبد العزیز بن محمد القرشی ابن رشیق بساط ۵۲،

(۲۶) الطوسی الاعمی الشاعر ابن رشیق الغیث المنسجم ۲×۲۲۵،

(۲۷) ابو الحسن محمد الصائری انموذج. بساط ۶۳

(۲۸) ابو العرب الصقلی، مجموعۃ اماری ۶۰۸ وغیرها۔

(۲۹) الحکیم الفیلسوف ابو الصلت صقلیہ ۶۰۰ ابن ابی اصیبعہ وغیرہ

(۳۰) الحکیم الفیلسوف الشاعر ابو الفضل جعفر بن محمد بن شرف - الصلة لابن بشکوال نمبر ۲۹۵ — بغیۃ الملتمس للضبی نمبر ۶۱-

(۳۱) تمیم بن المعز الملک ابن خلکان وغیرہ،

(۳۲) عبد اللہ بن رشیق اندلسی و قیروانی الانموذج التکملہ لابن الابار مطبوعہ اسپین نمبر ۱۲۸۱-

(۳۳) عبد العزیز بن ابی سہل الخشنی الضریر- انموذج من الشیوخ۔ بغیہ ۳۰۸

اس فہرست کے ذریعہ گویا الانموذج کا ایک جزو ملگیا، کہ اس کتاب کا روئے زمین کے عمومی کتبخانون مین کہین پتہ نہین چلتا،

ابو علی الحسن بن رشیق القیروانی الأزدی (بالولاء)

ولادت و ایام محمدیہ (مسیلہ)

ابن[1] لبسام الذخیرہ مین لکھتا ہے "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی ولادت مسیلہ (محمدیہ) مین ہوئی ہے"، خود[2] ابن رشیق انموذج مین اپنے ترجمہ مین لکھتا ہے "صاحب الکتاب ہو حسن بن رشیق مولی من موالی الازد ولد بالمحمدیہ سنہ ۳۹۰ و تادب بہا یسیراً الخ"، ابن خلکان لکھتا ہے کہ اور لوگ اسکا مولد مہدیہ کو بتاتے ہین، مگر یہ قول خود ابن رشیق کی اپنی تصریح کے خلاف ہے نیز صاحب مسالک الابصار نے اس کو سلی لکھا ہے، اور یہ نسبت صرف بلحاظ مولد ہو سکتی ہے کہ اس کی تربیت و تعلیم تو قیروان مین ہوئی ہے، اسکا باپ رشیق ایک رومی مملوک تھا جس طرح[3] خود ابن رشیق اپنے کسی تصنیف مین کہتا ہے،
"واما انا فصنع اللہ فی وجہتہ ہذا الشیخ التی واتم بہ النعمۃ علیّ ان رضیت ابہ رومیا لا دعیا ولا بدعیا"، مختصراً۔ اور وہ کسی ازدی کا مولی تھا اس لیے ابن رشیق کو بھی ازدی (بالولاء) کہتے ہین اسی طرح وفیات، انباہ[4] الرواۃ، اور مسالک[5] الابصار وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر صاحب بساط کی انوکھی تحقیق سنئے:-

کہ ہمین طول طویل تحقیق کے بعد مشکل معلوم ہوا ہے، کہ قطعاً یہ نہین کہا جاسکتا کہ اسکا باپ رومی مملوک تھا جس طرح بعض مؤرخین کا گمان ہے، اس لیے کہ رشیق عموماً افریقہ کے عربی الاصل

[1] ابن خلکان ۱: ۱۳۳۔ مجموعۂ اماری از مسالک الابصار ۵۰۶۔ [2] معجم الادباء ۳: ۲۰۰۔ [3] ایضاً، [4] در مجموعۂ اماری فی تواریخ صقلیۃ ص ۵۵ " "

خاندانون کا نام رہا ہے۔

ناچیز کہتا ہے کہ یہ قول سراسر ناقابلِ التفات ہے بدین وجوہ (۱) خود ابن رشیق اپنے باپ کو رومی کہتا ہے کما مرّ۔ (۲) جن علماء کے باپ غلام رہکر مسلمان ہوگئے تھے ان کے شجرہ کے باقی نام مشکل سے ملین گے مثلاً یاقوت بن عبداللہ الرومی وغیرہ، کوئی نہین بتا سکتا کہ عبداللہ کے باپ کا کیا نام تھا کہ الاسلام یجب ما قبلہ (۳) بعض مؤرخین کا قول نہین بلکہ سب کا (۴) رشیق عموماً غلامون کا نام رہا ہے احرار کا بہت کم، کہ رشیق کے معنی "نازک اندام" کے ہین یہ صفت غلمان کے لیے موزون ہے کہ عموماً اس عہد کے آقا غلامون کا نام اپنے فوائد کے لحاظ سے رکھتے تھے مثلاً افلح، رباح، میسرہ وغیرہ ہکذا اقال علماء اللغۃ والاشتقاق - ہرچند یہ بات بدیہی تھی پھر بھی ہم دو نام پیش کرتے ہین رشیق[۱] غلام بکجور اور رشیق[۲] خادم الوزیر عبیداللہ بن یحیی بن خاقان اسی طرح صاحب لسباط کا ایک اور اختراع ملاحظہ ہو،

> ہمین یقین ہے کہ ابن رشیق محمدیہ مین تقریباً ۳۹۰ھ مین پیدا ہوا ہے، اور ۳۹۰ھ کا قول بالکل صحت سے عاری ہے، اس لیے کہ خود ابن رشیق اپنی کسی تصنیف مین ایک اندلسی شاعر کے ترجمہ مین لکھتا ہے، "میری اس سے ۴۰۱ھ مین محمدیہ مین ملاقات ہوئی تھی" یہ بات کسی طرح معقول نہین کہ دس برس کی عمر مین وہ مشہور ادبار کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کے قابل ہوگیا ہو،

ناچیز کہتا ہے یہ قول لغویت مین پچھلے سے کسی طرح کم نہین۔ اولاً یہ استنباط ہے حالانکہ ابن رشیق انموذج مین تصریح کر رہا ہے کہ مین ۳۹۰ھ مین پیدا ہوا ہون، ثانیاً کسی نے نہین کہا کہ اس کی ولادت ۳۹۰ھ مین ہوئی ہو، پھر یہ سنہ کیون ولادت کے لیے مخصوص کیا جائے، ثالثاً ابن رشیق کی کتاب کا نام نہین لکھا اور مقام احتجاج مین کتاب کا نام نہ بتانا روا نہین، رابعاً ابن رشیق جمعت

[۱] ذیل تاریخ دمشق لابن القلانسی ۴۵۔ [۲] ابن تغری بردی لیدن ۱۸۵۵ء ج ۲ ص ۳۸

کا لفظ استعمال کرتا ہے نہ عارضتہ نہ بارتہ کا اور کسی سے ملنے کے لیے گیارہ سال کی عمر کافی ہے، خاصًا اس وقت اوسکی عمر گیارہ سال ہوگی نہ دس،

القصہ ابن رشیق کا والد سنار تھا جس طرح تمام تواریخ مین بلاخلاف لکھا ہے نہ کہ جوہری، جس طرح انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار محمد بن شنب افریقی نے غلطی سے لکھدیا ہے، اُسنے اپنے فرزند کو ابتدائً اپنی ہمت کے مطابق سناری کا پیشہ سکھایا، مگر ابتدائی تعلیم[1] نے ابن رشیق مین ذوقِ ادب پیدا کر دیا تھا اس لیے اس ہونہار کو مسیلہ مین فراخ جولانگاہ دکھائی نہ دی، اور اسے سنہ ۴۰۶ھ مین اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے قیروان آنا پڑا،

اوس کے شیوخ،

(۱) ابوعبد اللہ محمد بن جعفر القزاز القیروانی امامِ لغت و ادب بلامنازع مصنف الجامع فی اللغہ جو بقول یاقوت کسی طرح تہذیب ازہری سے کم نہین، ابن رشیق نے ان سے غیر معمولی فیض حاصل کیا ہے، انموذج[2] مین لکھتا ہے،

فضح المتقدمین وقطع ألسنۃ المتاخرین - وکان مہیبًا عند الملوک والامراء وخاصۃ الناس، محبوبًا عند العامۃ قلیل الخوض الا فی علم دین او دنیا - یملک لسانہ ملکاشدیدًا

العمدہ کو بھی جابجا ان کے اقوال[3] سے آراستہ کیا ہے، ان کا نام نہایت ادب سے لیتا ہے، اور شاید ہی ان پر کوئی نکتہ چینی کی ہو، معلوم ہوتا ہے کہ ابوزید، مبرد، ابوحاتم، اور ابن دُرید وغیرہم کی کتابین اسے انھی کے ذریعہ پہنچی ہین بدیں[4] سند. أنشدنا ابوعبداللہ محمد بن جعفر النحوی القزاز عن أبی علی الحسین بن ابراہیم الآمدی عن ابن درید عن أبی حاتم السجستانی

---

[1] معجم الادبا ۳/ ۲۰۰، [2] از انموذج، [3] ابن خلکان ۱/ ۱۵۵ و معجم الادبا ۶ × ۶۹م، ملاحظہ ہو ۱ × ۸/ ۵۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۲۱، ۲ × ۲۳، ۱۵۰، ۱۹۱ - وغیرہ وغیرہ، [4] العمدہ ۱ × ۱۲۱، ۲۶-۱۹۱، ۱۵۰

عن أبي زيد الانصاري، اور بدين سند أخبرنا ابوعبدالله محمد بن جعفر النحوي عن أبي علي الآمدي عن علي بن سليمان الأخفش عن محمد بن يزيد المبرد، العمدہ[1] مین القزاز کی دقیقہ فہمی کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے، جسکو یاقوت نے بھی ترجمۂ قزاز مین نقل کیا ہے، کہ ایک روز انھون نے اپنے کسی شاگرد سے یہ پہیلی پوچھی،

أحاجيك عباد كزنيب في الورى　　　　ولم تؤت الا من حميم وصاحب

قزاز کا مطلب عباد کزنیب کے مقلوب یعنی "سترك ذائع" سے تھا جسکو شاگرد نے فوراً تاڑ لیا اور جواب دیا،

سأكتم حتى ما تحس مدامعي　　　　بجرانهل منها من دموع سواكب

گویا شاگرد نے "سرک ذائع" کا جواب "ساکتم" سے اور ساکتم کے مقلوب کے ذریعہ ایک چوٹ بھی کرگیا، یعنی کہ "منك اتيت" (اپنے ہی راز کو طشت ازبام کیا ہے) سو یہ پہیلی اور اسکی بوجھ دونون نہ صرف بنہایت ملیح ہین بلکہ اس عہد کے طلبہ کے علمی ذوق اور دقیقہ سنجی کا پتہ دیتی ہین، نیز قزاز کی توجہ اور علمی فضل کا، قزاز کی وفات ۴۱۲ھ مین ہوئی،

(۲) ابواسحٰق ابراہیم الحُصری صاحب زہر الآداب۔ انکا ذکر انموذج مین کیا ہے اور لکھتا ہے کہ اُن کی وفات ۴۱۳ھ مین ہوئی ہے، ابن بسام کا یہ قول کہ انکی وفات ۴۵۳ھ مین ہوئی ہے، بالکل ناقابل التفات ہے، کہ ابن رشیق سے بڑھکر ان کے بارے مین کسی کا قول معتبر نہین ہوسکتا نیز یہ ممکن نہین کہ وہ اپنے استاد کو طبعی موت سے ۴۱ سال پہلے مردہ لکھ دے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے شاید ہی شعروشاعری مین کچھ مدد لیتا ہو، مگر یہ تو یقینی ہے کہ اس نے ان سے کوئی طویل استفادہ نہین کیا، العمدہ مین ان کا کہین کوئی ذکر نہین، یہ واقعہ اس امر کا شاہد ہے کہ اس نے ان سے باقاعدہ کچھ نہین سیکھا،

[1] العمدہ ۱؍۱۱-۲- الأدباء ۶؍۲۹۹،

ابن رشیق[1] کہتا ہے کہ انھون نے شعراء کی عمرونکی ترتیب پرایک طبقات الشعراء لکھنی چاہی،

مین تمام شعراء سے کم عمر تھا سو مین نے کہا،

فقا أبا اسحق بالعالم	حصلت فی اضیق من خاتم
اے ابو اسحق دنیا کے حال پر ترس کھاؤ	تم تو چھلے سے بھی تنگ تر مقام مین پھنس گئے ہو
لوکان فضل السبق مندوحة	فضل ابلیس علی آدم
اگر سبقت ولادت مین کوئی خوبی ہوتی	تو ابلیس کو آدم پر فوقیت ہوتی،

سو یہ شعر سنتے ہی انھون نے اپنا ارادہ فسخ کردیا، معذرت کی، اور مرتے دم تک اُن کا در فکر بند رہا اور کچھ نہ لکھا،

(۳) ابو محمد عبد الکریم بن ابراہیم النہشلی، ان کا ذکر عمدہ[2] مین بجد کثرت سے ہے کہ انکی شعروشاعری پرایک کتاب ہے جس سے عموماً ابن رشیق نقل کرتا ہے، باب[3] عمل الشعر مین لکھتا ہے کہ "جب ہم مہدیہ کی سیر کرتے کرتے ایک کدیہ نامی مقام تک پہنچے تو میرے مہدیہ کے رفیق نے کہا مین یہان ایکمرتبہ سیر کرتا ہوا نکل آیا تھا تو مین نے ابو محمد عبد الکریم کو یہان کے ایک برج کی سطح پر بیٹھا پایا، مین نے پاس آن کر پوچھا کیا آپ عبد الکریم ہین۔ کہا ہان مین نے کہا آپ یہان کیسے؟ کہا طبیعت سے شعرہانی کا کام لے رہا ہون، مین نے کہا اچھا کچھ کہا بھی؟۔ بولے ہان بہت کچھ اور خوب، پھر مجھے اپنا دہ سخن سنایا جو دل مین کھبا جاتا تھا، پھر کہا یہ اصمعی کی وصیت ہے" یعنے کہ شعر گوئی کے لیے منتزہات مین جانا۔ ایک اور[4] جگہ لکھتا ہے کہ اس نیک طینت نے کبھی کسی کی ہجو نہین کی، ابن رشیق ان کا نام نہایت ادب اور نیازمندی کے ساتھ لیتا ہے، بعض[5] جگہ ان پر نہایت صحیح اور اہم اعتمادات

---

[1] الادباء ۱: ۲۵۹، [2] ۱: ۴۵، ۵۲، ۵۸، ۱۱۵، ۷۲، ۹۸، ۱۳۸، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۸۸، ۲۰، ۹۴، ۱۶۴، ۸۰، ۲۲۴ وغیرہ

[3] ۱: ۱۳۸، [4] ۱: ۱۵۴، [5] عمدہ ۱: ۱۶۹، ۱۸۸ - ۲: ۱۹۲،

بھی کیے ہین جنکا یہان نقل کرنا باعث ملال ہوگا، ایک[1] جگہ ان کے آٹھ رائیہ ابیات نقل کیے ہین جو بغا بلیغ ہین۔ انموذج[2] مین اس سلسلہ مین اُن کا ذکر آیا ہے،

"ایک دن قیروان کے تمام محکمۂ مال کے کاتب اپنے دفتر مین مجتمع تھے کہ یکایک ایک ٹڈی آن پڑی جسکو ایک شخص پکڑ کر بولا کہ اس پر طبع آزمائی کرو، سو سہل بن ابراہیم الالبسی نے جو سب مین کم عمر تھا فوراً اگلے ابیات کہے:

عمدہ[3] مین ان کا ایک غریب قول نقل کیا ہے یعنی کہ متنبی کو فراست کی وجہ سے متنبی کہا گیا،

ناچیز کہتا ہے کہ آخر مضمون مین انکی ایک غلطی کا ذکر آئیگا، صاحب بساط نے انکو ابن رشیق کے مشائخ مین لکھا ہے گو مجھے ہنوز اسکا کوئی ثبوت نہین ملا۔

(۴) ابو عبداللہ عبدالعزیز ابن ابی سہل الخشنی الضریر متوفی ۴۶۰ العمدہ مین انکا ذکر دو جگہ ہے ایک جگہ[4] ان کی کنیت ابو عبداللہ لکھی ہے کما فی الانموذج ایضاً دوسری[5] جگہ ابو محمد ہے، الضین[6] انموذج مین بھی بدین الفاظ ذکر کیا ہے:-

یہ نحو و لغت مین مشہور اور بنہایت محتاج الیہ تھے، ان کے اور علوم بھی اچھے تھے، مین نے ان سے بڑھکر کسی نابینا کو خوش اخلاق باحیا، دیندار اور پاک باطن نہین پایا، جب مین ان سے ملا اس وقت وہ نوّے سال کے ہو چکے تھے، تلامذہ جب ان سے باتین کرتے تو شرم سے وہ گلگون ہو جاتے، کوئی ماہر سے ماہر شاعر بھی ان سے بے نیاز نہین ہو سکتا

(۵) الشیخ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن السمین، العمدہ[7] مین ان کا نام کئی جگہ احترام سے مذکور ہوا ہے ابن رشیق نے انسے بہت سے مشکل مسائل دریافت کیے تھے،

---

[1] ۲۲۰۲، [2] البدائع ۲۲۹، [3] ۱۲۰۱، [4] ۱۲۲۱۔ [5] ۲۰۱، [6] ۰۷، [7] بساط ۵، و بغیۃ الوعاۃ ۳۰۸، [7] ۱۴۴۱۔ ۲۲۲۲۔ چونکہ قزاز کی کنیت بھی ابو عبداللہ ہے اسلئے ممکن ہے کہ قزاز کے بعض مذکورہ حوالے ان کے ہون،

(۷) القاضی ابو الفضل جعفر بن احمد (یا محمد) النحوی مجھے ان کا ذکر دو جگہ عمدہ[5] مین ملا ہے ذلیں ممکن ہے ان کے علاوہ اس کے اور اساتذہ بھی ہون العمدہ مین کئی جگہ الشیوخ اور بعض الشیوخ[6] سے نقل کیا کرتا ہے،

اوس کے تلامذہ،

افسوس اس سلسلہ مین ہمین کچھ معلوم نہین ہوا، جو ہوا وہ حاضر ہے،

(۱) ابو محمد عبد اللہ بن یحیی بن حمود الحزمی (؟) یہ خود دیوانِ ابن رشیق (جزو)[7] موجودہ اسکوریال مین ابن رشیق سے سامعانہ حیثیت مین اوس کے اشعار نقل کرتے ہین،

(۲) ابو عبد اللہ[8] الصفار الصقلی (یا ابن الصفار) یہ تو ابن رشیق کا کلام سننے کی خاطر سسلی سے ہجرت کرکے آتے تھے جس طرح آیندہ آئیگا،

عہد شباب اور اسکی شاعری کا چرچا

اس سلسلہ کی پہلی کڑی وہ واقعہ ہے جو خود اس نے انموذج[9] مین لکھا ہے،

مین نے سنہ ۴۰۶ھ مین المعز کی مدح مین ایک نونیہ لکھا جس کا مطلع ہے،

ذمت (؟) لعینك اعین الغزلان — قمر اقر لحسنه (؟) القمران

ناچیز کہتا ہے کہ معجم الادبار اور حلل سندسیہ[10] مین اسی طرح ہے، مگر مین ذمت کی تانیث کا سبب نہ سمجھ سکا نیز لحسنہ کی جگہ بحسنہ بالبار چاہیے[11]، اس کے بعد پھر اعیاد و مواسم کے موقعوں پر

---

[1] ۱۷۷، ۵۶، ۳۰، ۱-[2] ۱۴۱، ۱۴۱، وغیرہا، [3] مجموعہ اماری ۶۸۰، [4] البدائع ۲ × ۶ ۳،

[8] صقلیہ از مسالک الابصار ۱۵۱، [9] ملاحظہ ترجمۂ ابن رشیق معجم الادبار، [10] مقدمۂ عمدہ

[11] معارف:- ذمت کی تانیث اس لیے ہے کہ اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ اعین الغزلان جمع بحکم تانیث ہے، لحسنہ اس لیے ہے کہ اقرار کا صلہ مقر لہ کے لیے لام، اور جس شی کا اقرار کیا جائے اسکے لئے با ہی یعنی اقر لحسنہ بالکمال

بھی قصائد و مدائح سناتا رہا، تا آنکہ ایک لامیہ لکھا جس کے صلہ مین جس طرح وہ[1] خود کہتا ہے المعزنے اس کو اپنی خدمت مین قبول کیا، کاتب دیوان کا عہدہ بخشا، اور گران بہا تحائف بھی دیے، اس کا ایک بیت ہے،

لو أثمرت من دم الأعداء سمرقنا   لأورقت عندہ سمر القنا الذبل[2]

(ملاحظہ ہو المقتطف)

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مصر سے جب ایک سفارت آئی جس کے ساتھ علاوہ اور تحائف کے زرافہ بھی تھا، تو ابن رشیق نے ایک ہمزیہ سنایا، سو جب المعز کے دربار مین جو نقود ادب کے لیے اس عہد مین معیار تھا ابن رشیق کا کلام کامل العیار نکلا تو رفتہ رفتہ اسکی شہرت افریقہ سے تجاوز کرکے سسلی اور اندلس تک جا پہنچی وہان کے ادبا ربن دیکھتے ہی اس کے سخن پر سوجان سے فدا ہونے لگے، بلکہ ادبا رسے گذر کر ملوک طوائف اندلس تک بھی اس کی آواز پہنچ گئی جس طرح آئیگا صاحب لبساط مقدمۂ ابن خلدون سے ناقل ہے کہ

ما کان بافریقیۃ من مشاهیر الشعراء الا ابن رشیق و ابن شرف

یہان ہم چند عبارتین اس مدعی کے اثبات مین نقل کرتے ہین،

الذخیرۃ[3] لابن بسام مین ہے، ابو عبداللہ الصفار الصقلی کہتا ہے، مین صقلیہ مین رہا کرتا تھا اور ہمارے ہان ابن رشیق کا کلام پہنچا کرتا جس سے مین اسکی ملاقات کا متمنی رہتا، تا آنکہ جب ہمارے ملک پر رومیون نے قبضہ کرنا شروع کیا تو مین اپنا سارا مال و متاع وہین چھوڑ کر تن تنہا اپنی جان کی خیر منا کر بھاگ نکلا، جی مین یہی سودا سمایا تھا کہ کسی طرح

---

[1] ادبار ۳، ۱۷۱، [2] ناخیر کہتا ہے کہ اسی وزن اور روی مین ابن شرف کا بھی ابن ابی الرجال کی مدح مین ایک قصیدہ ہے جس کے بیت کو قاضی عیاض نے بہت پسند کیا ہے، وھو، سل عنہ وانطق بہ وانظر الیہ تجد ملء المسامع والأفواہ والمقل معلوم نہین کہ دونون مین کون سابق ہے اور کون ناقل، [3] البدائع ۲، ۳۶ - مسالک الابصار صقلیۃ ۱۵۱-

ابن رشیق سے ملاقات ہوجائے کہ شاید اس کے رقت شمائل اور دیدار پر انوار سے میرا غم کچھ کم ہو جو اہل و وطن سے جدا ہو کر دل کو چین نہین لینے دیتا تھا، سو قیروان آیا اور پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اس کے گھر پہنچا، دستک دی، اور اندر آیا، ابن رشیق مجھے دیکھتے ہی لپکا، میری پیشوائی کی، اور ہاتھ مین ہاتھ دے کر مجھے اندر لیچلا، پھر مجھ سے سارا ماجرا پوچھا جو مین نے دہرا دیا، اس پر اس نے بہت کچھ تاسف اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ الخ

اہلِ اندلس ابن رشیق کے سخن اور تالیف کو خاصتۂ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ

انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووہ

مثلاً جس طرح آئندہ آئیگا جونہی کتاب العمدہ ان کے یہان پہنچی انھون نے اس کو بہت وقعت دی، ابو بکر ابن السراج النحوی نے اس کا ایک مختصر لکھا جس مین ابن رشیق کے کچھ اوہام بھی گنائے ابن الابار نے التکملہ مین قراضتہ الذہب کا حوالہ دیا ہے، کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ اب بھی ابن رشیق کے شعر کا ایک حصہ اسکوریال لائبریری کے اور کہین نہین ملتا۔ نیز قدردانی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے کلام کو مثال بناکر اس پر طبع آزمائی کیجائے، سو جس طرح ملقی السبیل للمعری کے طرز پر اہل اندلس نے کئی کتابین لکھکر (جن مین بعض اب بھی اسکوریال مین موجود ہین نیز ملقی السبیل کا اصل نسخہ بھی وہین سے ملا ہے) کتاب کے بلند مرتبہ کو ظاہر کیا ہے اسی طرح انھون نے ابن رشیق کے سخن کی بھی داد دی ہے،

ابن خفاجہ اپنے دیوان مین لکھتا ہے کہ شلبہ مین میرا ایک روز سیر کرتے ہوئے شاطبتہ کے باب السارین کی طرف سے گذر ہوا، جہان نہر کا پانی بہت بلندی سے گرتا ہے، پہنچکر دیکھا تو فقیہ ابو عمران ابن ابی تلید وہان ایک چبوترے پر جو خاص پبلک کے آرام کیلئے

لہ نفح الطیب مصر ۲ × ۴۹۰ لیڈن ۲ × ۲۱۶/۱۷۱ البدائع ۲ × ۴۶،

بنایا گیا تھا چڑھے ہوئے بیٹھے تھے مین بھی سلام کرکے ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھ گیا ہم علمی اور ادبی مذاکرہ کرتے ہوئے ابن رشیق کے ان شعرون پر پہنچے،

یا من یمر ولا تمـ ـر بہ القلوب من الفرق
بعمامۃ من خدہ او خدہ منہا استرق
فکأنہ وکأنہا قمر تعمم بالشفق
فاذا بدا او اذا انثنی واذا اشد او اذ انطق
شغل الخواطر والجوا نح والمسامع والحدق

قاضی صاحب تو یہ ابیات سنتے ہی سر دھننے لگے، وجد مین آگئے، اور انکی خوبی کی داد دینے لگے الخ

ناچیز کہتا ہے کہ اسی طرح لف ونشر کی صنعت مین ایک ابن شرف کا بھی بیت ہے جسکو قاضی عیاض نے بہت پسند کیا ہے وہو[1]

سل عنہ وانطق بہ وانظر الیہ تجد ملأ المسامع والأفواہ والمقل

صاحب معاہدہ[2] دریائی سفر کی مذمت مین ابن رشیق کے دو مشہور بیت نقل کرتا ہے (جو آئین گے) پھر ابن حمدیس سے روایت کرتا ہے:-

مین ابو الفضل الکاتب جعفر بن المقترح سے سبتہ مین ملا تو انھون نے ابن رشیق کے سابق الذکر بیتون کا تذکرہ کیا اور کہا کیا تم اس مضمون کو اور مختصر الفاظ مین ادا کر سکتے ہو؟ مین نے کہا ہان اور پھر مین نے فوراً دو بیت کہے، پھر بہت دنون بعد اُن سے ملاقات ہوئی تو انھون نے اسی معنی مین اپنے دو بیت سنائے جس کے جواب مین مین نے

[1] الف باء لابن الشیخ ۱ ، ۴۹۸ھ - [2] ۲ ، ۲۵ -

بھی اور تازہ دو بیتون سے انکی سامعہ نوازی کی (داکمل فی التنف)

قیروان کے فضلائے عہد عام پبلک اور رؤسا تک پر جو اس کے سخن کا اثر تھا اس کے لیے ایک تو الحصری کا گذشتہ واقعہ لیجئے پھر ذیل کی عبارتون پر نگاہ دوڑائیے، دباغ ترجمہ قاضی محمد بن جعفر الکوفی مین لکھتا ہے :-

ان پر ایک مصیبت آن پڑی جس کے باعث انھین منصب قضا چھوڑنا، امور سلطنت سے الگ، اور جلاوطن ہونا پڑا، یہ سب کچھ ابن رشیق کے ان ابیات کا نتیجہ تھا،

یاسائلا عن الاسنة والظبا [1] انی اشم علیک رائحة الدم

یالیت شعری من رقاق لعودہ حتی رقیت الی مکان الارقم

یہ بیت جن مین قاضی کی طرف تعریض تھی کہین سلطان تک پہنچ گیے، اس پر اس بیچارے کا تمام مال و متاع قرق کیا گیا، اور کچھ ایسے بھاگے کہ مصر جاکر دم لیا، حالانکہ منصب قضا ان کے خاندان بنو الکوفی مین کوئی ستر سال سے چلا آرہا تھا [2]

اسی طرح [3] بدائع کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معاصرین بھی اس کے سامنے دم بخود تھے اور اس کا لوہا مانتے تھے،

(باقی)

---

[1] یعنی واتطبا مغاربہ ظاء اور ضاد کو ایک دوسرے کی جگہ لکھ دیتے ہین جس طرح محمد رشید رضا نے الاعتصام للشاطبی کے حواشی مین کہین ظاہر کیا ہے، [2] معالم ۳ : ۲۴۴، [3] ۱۰۰ : ۲،

فارسیِ جدید کی شاعری

از

ایم۔ جی۔ زبید احمد صاحب ایم اے، پرشین لیکچرر الہ آباد یونیورسٹی

فارسی کی سرسری تاریخ یہ بتانے کے لیے کہ فارسیِ جدید سے کس دور کی فارسی مراد ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان کی مختصر سی تاریخ بیان کردین، فارسی درحقیقت فارس کی جو ایران کا ایک صوبہ ہے زبان ہے، چونکہ اس صوبہ مین دو ایسے زبردست خاندان بادشاہی، یعنی اکے مے نین اور ساسانی، پیدا ہوئے جنھون نے تمام ایران پر حکومت کی، اس لیے اس صوبہ کی زبان بھی تمام ملک پر غالب رہی، یہان یہ ظاہر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ اکے می نین اور کیانی دونون لفظ ایک نہین ہین محققینِ یورپ کے نزدیک کیانی دور کا وجود نہین جمشید و کیکاؤس وغیرہ انکی تحقیق کے موافق تاریخی بادشاہون کی فہرست سے خارج ہین،

زبان فارسی کی تاریخ تین دورون مین منقسم ہوتی ہے،

(۱) **اکے می نین** دور۔ (۵۵۰ ق م سے ۳۳۰ ق م تک) اس دور کی فارسی کو فارسیِ قدیم کہتے ہین، یہ وہ زبان ہے جسکو دارا اور اس کے باپ دادا بولتے تھے۔ یہ ایک خاص قسم کے خط مین لکھی جاتی تھی، جو پیکان یا مینخ کی شکل سے مشابہ ہونیکی وجہ سے خط مسمار (یا خط میخی) کے نام سے مشہور ہے، اس زبان کی عبارتین خط مذکورہ مین کوہِ بےستون و نقشِ رستم وغیرہ پر کندہ ہین، اوستا آتش پرستون کی مذہبی کتاب کی زبان اسی دور کی زبان کی بہن خیال کیجاتی ہے، معلومات قدیمہ کے بنا پر، زردشت کی پہلی کتاب کا نام ژند ہے، اور پاژند و اوستا بعد کی کتابین ہین، لیکن محققینِ یورپ نے ثابت کیا ہے کہ پہلی کتاب درحقیقت اوستا ہے۔ اور ژند اسکی شرح بزبان پہلوی ہے،

(۲) **ساسانی** دور (سنہ ۲۲۶ء سے سنہ ۶۵۲ء تک) اس عصر کی فارسی کو پہلوی کہتے ہین،

یہ وہ زبان ہے جسے نوشیروان کے آبا و اجداد اور اس کے اولاد و احفاد بولتے تھے، یہ بھی ایک خاص قسم کے خط مین لکھی جاتی تھی جو خط پہلوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس دور کے نثر کا کچھ حصّہ ہم تک پہنچا ہے، جس مین سے کچھ حصّہ تو اپنے اصلی خط مین محفوظ ہے اور زیادہ تر حصّہ صدر اسلام مین بخط مروجہ منتقل ہو گیا۔

(۳) **اسلامی عہد** جو ۶۵۰ء سے ابتک جاری ہے، اس دور کی فارسی کو محض فارسی کہتے ہین،

اسلامی عہد کی ابتدائی فارسی اور زبان پہلوی مین ایک تو یہ فرق ہے کہ اوّل الذکر مین عربی الفاظ کی آمیزش ہے اور پہلوی بہت حد تک خالص ایرانی زبان ہے، دوسرے زبان پہلوی جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، ایک خاص قسم کے خط مین لکھی جاتی تھی، جو خط مسماری اور خط مروجہ کے نامون سے مختلف تھا۔ یہ ایک طرح کا خط تصویری تھا، جسے خط پہلوی کہتے ہین اور جسکا مذہب زردشتی سے ایسا ہی تعلق تھا جیسا کہ خط نسخ کو اسلام سے، جب ایرانی مسلمان ہوئے تو جہان انھون نے اپنے مذہب قدیم کے جملہ رسوم و آئین چھوڑے، وہین اُنھون نے خط پہلوی کو بھی ترک کر کے اسکی جگہ خط عربی کو اختیار کر لیا، اس وقت سے ایران مین بھی یہی خط مروّج ہے، ساسانی دور کی فارسی (یعنی پہلوی) صدرِ اسلام مین تو خوب اچھی طرح سمجھی جاتی تھی، اب بھی اتنی صدیون کے بعد ایک تعلیم یافتہ ایرانی اسے بہت حد تک سمجھ سکتا ہے۔ مگر دور اول کی فارسی قدیمہ عصر ثانی کی زبان سے اس قدر مختلف تھی کہ ساسانی دور کا کوئی آدمی فارسی قدیم کو نہین سمجھ سکتا تھا، اس لفظ پہلوی کا مفہوم اس لفظ پہلوی کے معنے سے جداگانہ ہے جس کی شان مین یہ شعر نازل ہوا ہے، ؎

مثنویِ مولویِ معنوی　　ہست قرآن در زبانِ پہلوی

یہان زبان پہلوی سے مراد شستہ فارسی ہے، اسی شستہ فارسی کو دری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ نظامی فرماتے ہین، ؎

نظامی کہ نظم دری کار اوست　　دری نظم کردن سزاوارِ اوست

ان تینون دورون کے سنون پر نظر ڈالنے سے ایک ہی قسم کے تین سوال پیدا ہوتے ہین،

(۱) ۵۵۰ ق م سے پہلے ایران مین کونسی زبان بولی جاتی تھی،

(۲) سنہ ۳۳۰ سے سنہ ۲۲۶ء تک ایران کی زبان کی کیا حالت رہی

(۳) سنہ ۶۵۲ء سے سنہ ۹۰۰ء تک ایران مین کونسی زبان مروّج تھی،

پہلے سوال کے جواب مین بجز اس کے کہ سنہ ۵۵۰ء ق م سے پہلے ایران مین جو زبان بولی جاتی تھی اسکا نام ایرانی قدیم ترین رکھ لو، اور کیا کہا جا سکتا ہے، اور یا ایران کی سیاسی تاریخ کے دور کے مطابق زبان کے بھی دور مقرر کر لو، اکے می نین دور سے پہلے ایرانی سیاسی تاریخ کے دور یہ ہین، (۱) انڈو ایرین دور (۲) ابتدائی ایرانین دور (۳) تسلط سریانی کا دور سنہ ... ق م (۴) میدی دور سنہ ... ق م۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب سکندر کے حملہ سے ایران کی سلطنت پامال و برباد ہو گئی تھی، اور ملک مین اس کے بعد طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے قومی ادبار کی حالت مین زبانِ ملک کوئی خاص ہستی برقرار نہ رکھ سکی ہو گی اور غیر قومون کی حکومت کی وجہ سے غیر زبانون کا غلبہ بہت ہو گیا ہو گا،

رہا تیسرا سوال، اس کا جواب یہ ہے کہ سنہ ۶۵۶ء مین جب ساسانی دولت مسلمانون کے ہاتھون تباہ ہو گئی تو اسی کے ساتھ ان کے خط پہلوی کا چراغ بھی گل ہو گیا، جب تک ایران پر خاص عرب حاکم رہے، عربی زبان غالب رہی، لیکن جب ایرانی برسرِ حکومت آئے تو انھون نے اپنی مادری زبان کی ترقی و احیا کی طرف توجہ کی، چنانچہ تیسری چوتھی صدی ہجری مین جب ایران مین سامانی تسلط قائم ہوا تو فارسی زبان مین تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا، یہ تو ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ اسلام ہی کے ساتھ عربی خط بھی ایران مین آیا، جو ایرانی مسلمان ہوتا گیا وہ خط پہلوی کے زنار بھی اپنی کمر سے کھولتا گیا، سب سے پہلی کتاب جو فارسی مین لکھی گئی وہ تاریخ طبری کا ترجمہ ہے جو منصور سامانی کے حکم

اُس کے وزیر نے کیا تھا، نظم کے متعلق کہا جاتا ہو کہ عہد اسلام مین سب سے پہلے ابو حفص حکیم سغدی نے جو پہلی صدی ہجری مین تھا، شعر کہا اور وہ یہ ہے؂

آہوئے کوہی در دشت چگونہ رودا   او ندارد یار چگونہ رودا،

اسلامی فارسی، یہ نہایت تعجب کی بات ہو کہ زبان فارسی گیارہ سو برس سے ایک ہی نہج پر قائم ہے، حالانکہ زبان پہلوی، فارسی قدیم سے قلیل مدت مین بہت مختلف ہوگئی تھی، فارسی مین تغیر و تبدل بہت ہی کم ہوا ہے، البتہ طرز ادا اسلوب وقتاً فوقتاً بدلتا رہا ہے، مثال کے طور پر اس قسم کے تغیرات کے نمونے پیش کرتے ہین،

ابتدائی فارسی کا بہترین نمونہ ترجمۂ تاریخ طبری ہے، پھر تاریخ وصاف، و اخلاق ناصری کا طرز ہے، اسی دور مین ایک ایسی کتاب لکھی گئی، جسکا آج تک جواب نہین ہو سکا، اور وہ گلستان ہے؂ پھر اس کے بعد وہ طرز مروج ہوا جسکی بہترین مثال انوار سہیلی ہے، اس طرز نے بہت ہی مقبولیت و شہرت حاصل کی، اس کے بعد ظہوری شبنم شاداب، مینا بازار وغیرہ کا نمبر آتا ہے، اور دور حاضرہ مین وہ طرز مروج ہے جسکا ابتدائی نمونہ سفرنامۂ شاہ ایران ہو، اسی فارسی کو فارسی جدید کہتے ہین،

فارسی کے طبقات شاعری، مختلف اعتبار سے فارسی کے مختلف دور قائم ہو سکتے ہین، لیکن چونکہ ہمارا موضوع فارسی جدید کی شاعری ہے، اس لیے اس اعتبار کو پیش نظر رکھکر اسے پانچ دورون مین منقسم کرتے ہین،

دور اول، تخمیناً ۹۰۰ء سے ۱۱۰۰ء تک، رودکی، اسدی، عنصری و فردوسی،

دور دوم، " ۱۱۰۰ء سے ۱۳۵۰ء تک، خاقانی، انوری، نظامی، ظہیر فاریابی وغیرہ،

دور سوم، " ۱۳۵۰ء سے ۱۵۰۰ء تک، سلمان، سعدی، خواجو، حافظ،

دور چہارم، " ۱۵۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک، عرفی، ظہوری، جلال اسیر، نظیری، بیدل، ناصر علی،

دور پنجم، " ۱۸۵۰ء سے ابتک جاری ہو، یہی فارسی جدید کی شاعری کا دور ہے،

پہلے دور مین چونکہ تمدن کی ابتدا ہے اس لیے زبان سادہ ہے اور تکلف و مبالغہ سے خالی، فطرتی تشبیہین ہین اور قریب کے استعارہ،

دوسرے دور مین، ایک طرف تو تمدن و تنعم مین ترقی ہوئی اور دوسری طرف فارسی نے عربی کے مدرسہ مین علوم معانی و بیان اور رموز فصاحت و بلاغت کی تعلیم حاصل کی، ان دونون باتونکا مجموعی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ استعارات پیچیدہ، تشبیہات دور از کار کی بھرمار ہوگئی، اور مضمون آفرینی کا رواج ہوگیا،

پہلے دور کی مشہور مثنوی شاہنامہ ہے، دور ثانی کی مائہ ناز تاریخی نظم سکندر نامہ ہے، دونون کے طرز کا مقابلہ کرلو۔ اول الذکر کی عروس بان۔ فطری حسن کے ساتھ سادہ مگر دلکش طرز مین جلوہ افروز ہے، تو سکندر نامہ، استعارات کے لباس فاخرہ اور تشبیہات کے زیورات گران بہا سے آراستہ ہے، اسی طرح قصائد مین بھی فرق پاؤگے،

تیسرے دور مین جب طبیعتین مصنوعی طرز شاعری سے جو دور ثانی مین رائج تھا اکتا گئین تو ردعمل ہوا، اب پھر سلاست زبان۔ لطافت الفاظ اور محاکات جذبات کی طرف توجہ کیگئی۔ اور تکلفات و صناعات سے احتراز کیا گیا۔ سعدی و حافظ اس انقلاب کے پیدا کرنیوالے ہین،

چوتھے دور مین جب شاعرون نے دیکھا کہ میدان شاعری تنگ ہوگیا ہے اور استعارات و تشبیہات کا سرمایہ پہلے ہی ختم ہو چکا ہی، تو اُنھون نے اپنا کمال اسی مین دیکھا کہ استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز در مجاز بنا کر داد سخنوری دین، جلال اسیر، ظہوری و بیدل اسی میدان کے مرد ہین،

پانچوین دور مین پھر ردعمل ہوکر سلاست زبان اور سادگی ترکیب کا دور دورہ قائم ہوا، ہمارا اصل موضوع اسی دور کی شاعری ہے، اس لحاظ سے کہ **قاآنی** نے استعارہ در استعارہ اور مجاز در مجاز کی بدعت کو چھوڑ کر قدماء کا رنگ اختیار کیا اور سلاست و روانی کو کمال تک پہنچایا، اسے اس دور کا آدم الشعراء کہہ سکتے ہین، مگر درحقیقت جو اس عہد حاضرہ کی شاعری کے خاص خط و خال ہین وہ

اس کے کلام مین بھی نمایان نہین ہم مانتے ہین کہ اوسکی تشبیہات اکثر نیچرل ہوتی ہین، واقعہ نگاری مین بھی کامل دسترس رکھتا ہے، لیکن تاہم شعرائے قرن اولین کی طرح مرادف الفاظ کے اجتماع صنعت ترصیع اور ونشر کا استعمال اس کے بیان بہت ہی، اگرچہ اس طرز نے بہت مقبولیت حاصل کی، لیکن کوئی دوسرا شاعر کامیابی کے ساتھ اس کا تتبع نہ کرسکا، اس لیے یہ طرز اسی پر ختم ہوا،

وطنی وقومی شاعری موجودہ صدی مین فارسی شاعری کے کالبد مردہ نے از سرنو کچھ ایسی روح پائی ہے جس نے مشرقی شاعری کے مخالفین ومعترضین کی نگاہون مین بھی اسکی ہستی کی اہمیت قایم کردی ہے،

اس سے پہلے زبان فارسی مین ہر قسم کی شعر وشاعری تھی، اگر نہ تھی تو وطنی وقومی شاعری نہ تھی اس مین شک نہین کہ شاہنامہ ایک بڑی زبردست قومی مثنوی ہی، اس قسم کی نظم کو انگریزی مین ایپک پوئم کہتے ہین، مگر ایپک پوئم اور پیٹریاٹک پوئٹری (وطنی شاعری) مین بہت فرق ہے، اول الذکر گذشتہ بزرگان قوم کے کارنامے ہین جنکو شعر کا لباس پہنا دیا گیا ہے، یعنی بالفاظ دیگر فاتح وغالب قوم کی تاریخ منظوم سمجھو، لیکن وطنی شاعری سے مراد وہ شاعری ہی جو مصیبت زدہ اور پامال قوم کی پست وزبون حالت سیاسیہ واجتماعیہ کا بہترین فوٹو کھینچکر اور اس کی گذشتہ ترقی وعروج کو یاد دلاکر نوجوانان قوم کے جذبات شجاعت وشہامت کو برانگیختہ کرتی ہی،

ایسی قومی نظمون کا طبائع پر جو اثر ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہین، ۱۷۸۹ء مین جبکہ بادشاہ فرانس نے حریت کی مخالفت کی تو فرانسیسی زبان مین ایسی دو نظمین لکھی گئین جنھون نے قوم مین شجاعت وسرفروشی کے حیرت انگیز ولولے پیدا کردیئے، تا اینکہ ملک ہمیشہ کے لیے استبدادیت کے چنگل سے آزاد ہوگیا،

غرضکہ بیسوین صدی سے پہلے قومی شاعری کا وجود فارسی مین مطلقاً نہ تھا، اس کی شاعری اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ ملک غیر قوم کے قبضہ مین ہو یا خود اپنا بادشاہ ظالم وسفاک ہو، اور قوم کو اپنی غلامی یا اپنے بادشاہ کے ظلم وستم کا احساس ہو کر نجات کی فکر ہو، بالفاظ دیگر یون سمجھو کہ قومی شاعری کی پیدایش

کے بحیثیت مجموعی دو سبب ہین، ایک تو قوم کا پست و زبون حال مین ہونا، خواہ اجنبیون کی حکومت سے، یا خود قوم کے ظالم و سفاک بادشاہ کی حکومت ضحاکی سے، دوسرے قوم کا اپنی حالت کا احساس کرکے مخلصی کی فکر کرنا، اگر ان دونون سببون مین سے ایک سبب بھی موجود نہ ہوگا تو قومی شاعری پیدا نہین ہوسکتی،

بدقسمتی سے ایران کی تاریخ پہلے سبب کا جولانگاہ و مرکز تو اکثر بنی، مگر قرنہا قرن کی غلامی کی وجہ سے اس ملک کے باشندون کو حُریت کا احساس کبھی نہین ہوا، اور اگر احساس ہوا بھی تو غلامی سے نکلنے کی فکر کبھی نہین ہوئی ہمیشہ یہ لوگ یہی خیال کرتے رہے، کہ یہ مصیبت ہمارے اعمال سیئہ کی پاداش ہے، خدا اگر خود چاہیگا تو اس عذاب سے نجات بخشیگا، یہ جذبات تصوّف کے نقطۂ خیال سے نہایت لطیف و شریف ہین، مگر فلسفۂ قدرت و قانون الٰہی کے کس قدر مخالف ہین، ایسے مواقع جہان قومی نظمون کی توقع کیجا سکتی ہے، ایران کی تاریخ مین بہت کم ہین، اسلامی عہد مین تو ہمین اسکی مثال کہین ملتی نہین، البتہ ضحاک و درفش کاویانی کا قصہ مشہور ہے، محققینِ مغرب اسکی صحت کے بابت خواہ کچھ ہی لکھین، مگر ہمارا خیال ہے کہ اگر اس زمانہ کا کلام ہم تک پہنچتا تو ضرور ہم وہ قومی سرود بھی پاتے جو اس وقت نوجوانانِ قوم و سرفروشانِ ملت کی تحریص و ترغیب کے لیے وہ آہنگر کی جماعت کے طرف سے گایا گیا ہوگا،

یہان سیاقِ کلام ہمین ایک مختلف فیہ مبحث مین لا ڈالتا ہے، وہ یہ کہ آیا اسلام سے پہلے فارسی مین شاعری تھی یا نہین، شمس العلما، **آزاد** کا خیال ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایران جیسا شایستہ و متمدن ملک شاعری کی نعمت سے محروم ہو، پروفیسر براؤن کی بھی یہی رائے ہے، مولٰنا **شبلی** علیہ الرحمہ فرماتے ہین کہ "یورپ کے محققین نے پہلوی زبان کی بہت سی کتابین ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالین، لیکن چار شعر بھی ہاتھ نہ آئے"۔ ہم مستشرقِ یورپ کے کمالِ شرق شناسی سے مرعوب ہوئے بغیر اور مولٰنا مرحوم کی علامیت کا احترام کرتے ہوئے، نہایت مؤدبانہ انکی رائے سے مخالفت کرنے کی جرأت کرتے ہین، ہم نے مانا کہ چار شعر بھی اس وقت نہیں ملتے، لیکن کیا اس سے درحقیقت یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے فارسی مین شاعری

نہ تھی، کیا یہ ممکن ہے کہ گرد و نواح کے ملکون مین شاعری کمال کو پہنچی ہوئی ہو اور ایران اس لذتِ روحانی سے محروم رہا ہو،

ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہین، ہم قومی شاعری کا ذکر کر رہے تھے، ماحصل یہ ہے کہ قومی شاعری اپنے اصلی معنون مین، بیسوین صدی سے پہلے فارسی مین موجود نہ تھی، اسکا نشو و نما کب ہوا اور کیونکر؟ یہ بتانے کے لیے ایران کی جد و جہد حریت کے حالات تاریخی مختصر طور پر بیان کرنا ضروری ہین،

ایران کی جد و جہد حریت ایران ۱۹۰۶ء تک حکومت مستبدہ و شخصیہ کا ہدف تخت و تاراج بنا رہا، بےچینی کے ابتدائی جراثیم ۱۸۴۸ء مین محمد علی بادشاہ کے مرنے کے بعد بعہد ناصر الدین بابی تحریک کی شکل مین نمایان ہوئے، اتفاق سے اس زمانہ مین مرزا تقی خان امیر الکبیر نامی ایک بہت بڑا قابل مدبر زیرک و فرزانہ وزیر تھا، اس نے نہایت قابلیت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ کیا، اگرچہ خود حکومت مستبدہ کا رکن رکین تھا مگر دوراندیشی و قوم خواہی سے اس نے اس طرح حکمرانی کی کہ قوم کو خواب خرگوش سے بیدار ہونے مین بڑی مدد ملی،

اس ملک کے مہاتما تلک ہونیکا فخر سید جمال الدین افغانی کو حاصل ہے، یہ ۱۸۳۸ء مین پیدا ہوا تھا ۱۸۹۰ء تک ایران اس کی جد و جہد کا جولانگاہ بنا رہا، آخرکار اوسے بھی اس پر خطر راستہ کے چلنے والون کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، ۱۸۹۷ء مین اسکا انتقال ہوا، یہ قوم مین جو روح پھونک گیا تھا وہ اس کے مرنے کے بعد بھی نہین مری، اس کے بعد دوسرا نمبر قوم پرستون کی فہرست مین شہزادہ **ملکم خان** ناظم الدولہ کا ہے جو ۱۸۳۳ء مین پیدا ہوا تھا، ابتداءً سلطنت کے بڑے بڑے عہدون پر ممتاز رہا، آخرکار منصب سفارت سے معزول ہو کر ۱۸۹۰ء مین لندن پہنچا اور وہان ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جسکا نام قانون تھا، اس کو خداوند تعالےٰ نے تحریر و نگارش کا ایک ایسا مذاق سلیم بخشا تھا کہ اس کا اخبار، سلاستِ الفاظ، روانی بیان جدتِ طرز، متانتِ مطالب کے لحاظ سے ایران کے تمام اخبارون سے بازی لے گیا، اگر ایک طرف اس شہزادہ کے ایثار نے قوم پرستی کے جذبات قوم مین پیدا کر دیے تو دوسری طرف اس کے زورِ

قلم نے فارسی کے مردہ جسم مین روح تازہ ڈالدی، درحقیقت اخبار قانون نے فارسی زبان کی بہت بڑی خدمت کی، الفاظ و مصطلحات جدیدہ کے لیے، فارسی حال بہت حد تک اسی جریدۂ مبارکہ کی ممنونِ منت ہے،

غرض کہ ان دو قومی لیڈرون کے بدولت ملک مین جو بیداری پیدا ہوگئی تھی اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اگست ۱۹۰۶ء مین مظفر الدین بادشاہِ ایران کو حکومت مشروطہ منظور کرنی پڑی، چار پانچ ماہ کے بعد جب یہ بادشاہ مرگیا تو اسکا بیٹا محمد علی تخت نشین ہوا، اس نے جون ۱۹۰۸ء مین موقع پاکر حکومت مشروطہ منسوخ کردی، ایرانی اس درمیانی زمانہ کو عہد مشروطۂ اول کہتے ہین، اس کے بعد قومی جد و جہد اور سیاسی بے چینی و اضطراب نہایت شد و مد کے ساتھ جاری رہا تاآنکہ اگست ۱۹۰۹ء مین محمد علی کو شکست ہوئی، وہ معزول کیا گیا اور شہزادہ احمد شاہ تخت نشین ہوا، یہ دور سابندہ، استبدادِ صغیر کے نام سے مشہور ہے، عہد مشروطہ سے پہلے زمانہ کو استبدادِ کبیر کہتے ہین،

ایرانی حکومت مشروطہ کے قائم ہونے مین روسیون نے جس قدر خلل اندازیان کی ہین وہ اظہر من الشمس ہین، ۱۹۱۱ء مین انکے تجبر و تحکم نے شیرازۂ مشروطہ کو درہم برہم کردیا، اس وقت سے ابتک جو ایرانیون کی حالت ہے وہ قارئینِ کرام پر روشن ہے،

ایران کی موجودہ بیداری کے متعلق جو کچھ ہم اوپر لکھ آئے ہین اس سے ظاہر ہے کہ ایران کی بیداری کا عہد اور فارسی جدید کی شاعری کا زمانہ دونون قریب قریب ایک ہین، انقلاب سیاسی اور انقلاب ادبی بہت حد تک ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہوتے ہین، اس عام قومی بیداری و تیقظ ملی کی حالت مین یہ ناممکن ہے کہ ایران جیسے ملک مین جو قدرتی طور پر شاعری کے لیے نہایت موزون ہو، شعرائے حال کی تعداد کم ہو، مگر افسوس ہے، کہ اگرچہ ایران ہمارے ملک سے قریب ہے اگر ہمین اسکی ادبی جدو جہد سے براہ راست کما ینبغی آگاہی حاصل نہین ہو، ایران مین بے شمار جرائد و رسائل شائع ہوتے ہین، مگر ہندوستان مین صرف ایک آدھ آتا ہو تو آتا ہو، تعجب ہے کہ علیگڈہ جیسے دار العلوم مین جسے السنۂ شرقیہ

کی تعلیم واشاعت کے لحاظ سے اپنی ہمسایہ یونیورسٹیوں پر فوقیت حاصل ہے، صرف ایک ماہواری رسالہ آتا ہے، وہ بھی ایران سے نہین، بلکہ جرمنی سے، افغانی اخبار البتہ یہان کئی آتے ہین مگر اصحاب ذوق سلیم جانتے ہین کہ ایرانی وافغانی فارسی مین بہت بڑا فرق ہے، کلکتہ سے حبل المتین نہایت متانت اور آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اُسے جنگِ یورپ کا کشتۂ ناز ہونا پڑا،

شعرائے حال، اب ہم اس عہد حاضر کے چند مشہور شعرار کا، جنکے کلام سے ہم مستفیض ہوچکے ہین ذکر کرتے ہین:

(۱) **ملک الشعراء بہار**، یہ تقریباً ۱۳۰۵ھ مین پیدا ہوا، مشہد مقدس کا رہنے والا ہے، وہان اس نے ایک اخبار بہار نام جاری کیا، اسکی ایک معرکۃ الآرا، چالیس شعرون کی نظم بہت مشہور ہی جس مین ایڈورڈ گرے (سابقہ وزیر خارجہ برطانیہ) سے خطاب کرتا ہے، یہ نظم حبل المتین کلکتہ مین، دس گیارہ برس ہوئے شائع ہوئی تھی، شروع کے اشعار یہ ہین:

سوئے لندن گذرائے پاک نسیم سحری — سخنے از من برگو بہ سر ادورد گری

کاے خردمند وزیرے کہ نہ پروردہ جہان — چون تو دستور خردمند و وزیر ہنری

نقشۂ پطر بر فکر تو نقشے برآب — رائے بزمارک بر رائے تو رائے سپری

شاعر اس نظم مین گری کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ایسا مدبر پرمغز ہو کر تو نے یہ کیا کیا کہ روسیونکو ایران مین مداخلت کرنے دی، ان کا اصل مقصود ہندوستان ہے، جس سے ایران روک رہا تھا، اب ہندوستان کی خیر منا،

اس کی ایک نظم کے یہ اشعار ہین،

مے دہ کہ طے شد دوران جانکاہ — آسودہ شد ملک الملک للہ،

شد شاہ نورا اقبال ہمراہ — کوس شہے کوفت برغم بدخواہ،

معارف:۔ علی گڈہ مین نہ آتا ہو تو نہ آتا ہو، مگر اردو اخبارات و رسائل کے دفترون مین تو آتے ہین،

شد صبح طالع	طے شد شبانگاہ	الحمد للہ	الحمد للہ
یک چند مارا	غم رہنمون شد	جان یار غم گشت	دل غرق خون شد
نام وطن را	رُخ نیلگون شد	دامروزہ دشمن	خوار و زبون شد
زین جنبش سخت	زین فتح ناگاہ	الحمد للہ	الحمد للہ

(۲) **عارف قزوینی**، یہ ایک درویش صفت شاعر ہے، اس کے کلام کا اکثر حصّہ شایع ہوگیا ہے، اسکی غزلیات مشہور ہین، چند اشعار ایک نظم کے جو اس نے مسٹر شوسٹر کے روسیون کے مطالبہ پر علیحدہ کیے جانے کے موقع پر کہی تھی، ہم یہان لکھتے ہین،

ننگ آن خانہ کہ مہمان ز سر خوان برود ‏ ‏ جان نثارش کن و مگذار کہ مہمان برود

گر رود شسٹر از ایران رود ایران برباد ‏ ‏ اے جوانان مگذارید کہ ایران برود

مشت دزدے شدہ امروز درین ملک وزیر ‏ ‏ تو درین مملکت امروز جبیزی و بصیر

دست بر دامنت آویختہ یک مشت فقیر ‏ ‏ تو اگر رفتی ازین ملکت عنوان برود

تو مرو گر برود جان و سر و ہستیٔ ما ‏ ‏ کور شد دیدۂ بدخواہ ز ہمدستیٔ ما

در فراقت بخارے بکشد مستیٔ ما ‏ ‏ نالۂ عارف ازین در دبکیوان برود

(۳) **پور داؤد**، یہ ۱۸۸۲ء مین پیدا ہوا تھا، مغربی زبانین بھی جانتا ہے، طبیعت نہایت تیز ہے اور جوشیلی ہے، اس کے کلام مین قرن اولین کے فارسی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین، کلام کا انداز

از آہ بخشکانم آب ہمہ دریا را ‏ ‏ واز اشک کنم دریا روئے ہمہ صحرا را

در خیل ہمہ یاران ہمراز نمی جویم ‏ ‏ در بندنمی خواہم صد قصر معلّا را

از ناحیۂ ایران ہر لحظہ بگوش آید ‏ ‏ صوتے کہ بلرزاند این گنبد مینا را

گوید بتو اے فرزند اندیش بحالِ خویش ‏ ‏ دریاب ز جہد امروز آسایش فردا را

دیبا نتوانی بافت زین پشم کہ می تابی | زین خار نخواہی چید ہرگز گل حمرا را
زنجیر زمن برگیر آنگاہ بجنگ آور | زنجیر سر زلف محبوب دلآرا را
من در تپ و تاب و غم تو شاد و خوش خرم | ننگ است چنین غفلت مانند تو برنا را
از خون جوانانم شد دشت ہمہ گلگون | باز آ و دمے بنگر گلگشت و تماشا را
شد از ستم دونان ملک جم و کے ویران | پیغولہ چنداں بین ایران فلک سا را
شد شیر کیان پنہان جولان شغال آمد | خواری ز عقب آمد کر و فر دارا را
شاہنشہ انوشروان در گور سیہ خسپید | خرس است ابر جایش بین بازئ دنیا را
گر بور رو در وزے از مہر وطن بردار | صد شکر سپاس آور مر ایزد یکتا را

جعفر، اسے ابتدا ہی سے فرانسیسی زبان سیکھنے کا شوق تھا، باپ نے غیر زبان سیکھنے اور شعر کہنے سے ہر چند روکا مگر خداداد قابلیت کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتی، اسکی ایک نظم کے چند اشعار یہاں درج کرتے ہیں:

عجب خواب پریشان امشب منحوس می بینم | فضائے پر خطر پیش نظر محسوس می بینم
شہ دربار یان در خواب غفلت ننگ دیگر گو | وطن پامال قہر انگلیس و روس می بینم
دو گرگ آدمی خوار از پے اعدام یک گلہ | شدہ ہم عہد و ہم پیمان و ہم مانوس می بینم
مرضہائے کہ بر جسم وطن گردید مستولی | بعجز از چارہ اش بقراط و جالینوس می بینم
بدین بدبختی ما در لغت تعبیر وافی نیست | چنین لفظے نہ در برہان نہ در قاموس می بینم
ز کف بیرون ماشد ثروت و ماندیم در ذلت | ز فقر و فاقہ ملت را بر ملبوس می بینم

(۵) **سید اشرف الدین رشتی**، یہ ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوا، اسنے مشروطۂ ثانیہ کے عہد میں بمقام رشت "نسیم شمال" ایک پرچہ نکالا تھا، لیکن ۱۹۱۱ء کے واقعۂ فاجعہ کے بعد اسے بھی دیگر قوم پرستوں کی طرح جلا وطن ہونا پڑا، پریس وغیرہ سب روسیوں نے ضبط کرلیا، اس کے کلام کا کچھ حصہ ایک

کتاب کی شکل مین جسکا نام بھی نسیم شمال ہے گذشتہ سال بمبئی سے شایع ہوا ہے،

یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع ملک مین صرف دو تین کتب فروش ایسے ہین، جن سے ایران کے مطبوعات دستیاب ہو سکتے ہین، مگر یہ تمام مطبوعات قریب قریب کتب متداولہ قدیمہ ہین، نہ کہ عہد حاضر کی تصانیف، برخلاف اس کے عربی کی جدید مصنفات ہندوستان مین بکثرت بہم پہنچ سکتی ہین، کتابین وغیرہ نہ ملنے کے وجہ سے ہندوستانی۔ فارسی جدید کی طرف جیسا کہ چاہئے، توجہ نہین کر سکے، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستانیون کی بے اعتنائی کی وجہ سے مطبوعات جدیدہ کا یہان بازار سرد ہے، یہ دونون امر ایک حد تک ایک دوسرے کے علت و معلول ہین،

(باقی)

تذکرۂ "مخزن الغرائب"

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولتِ آصفیہ

ملا احمد علی ہاشمی سندیلہ کے باشندے گزشتہ ہجری صدی کی ابتدا کے فارسی اہلِ قلم مین سے ہین۔ میرزا قتیل کے شاگرد تھے، خادم تخلص تھا، انھون نے فارسی کے شعرا کا ایک ضخیم اور حجیم تذکرہ لکھا ہے تین ہزار سے زائد شعرا کا کلام اور حال ہے۔ ۱۲۱۸ھ ہجری مین ختم ہوا "ختم صحف" تاریخِ اختتام ہے، حال مین ایک عزیز کے ہاتھ آیا ہے، خریداری لطیفہ ہے، گفت و شنود کے بعد فی شاعر ایک پیسہ قیمت ٹھہری، اس شرح سے کتاب تو ایکسو پینتیس (۱۳۵) کی ہو گئی مگر شاعر بیچارے پیسہ اخبار کے اسٹاف مین بھرتی ہو گئے، آمدم بر سرِ مطلب تذکرہ مین ذکر اور انتخاب تو معمولی ہے، معاصرین کے حالات البتہ دقیع ہین، اس عہد کے علم و فن کا ذکر ہو اور دہلی مرحوم کی یاد تازہ نہ ہو ممکن نہین، ملا احمد علی نواب ذو الفقار الدولہ نجف خان کی سرکار مین ملازم تھے، وہان اہلِ کمال کا مجمع تھا، انکو بھی استفادہ کا موقع ملا، اسی فیضِ صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے، سرسری مطالعہ مین "انشاء اللہ خان" ۔ انشا ۔ کا حال نظر سے گذرا، حالات گرانقدر محسوس ہوئے "آبحیات" سے مقابلہ کیا، بعض واقعات کے لحاظ سے ظلمات اور نور کا فرق معلوم ہوا، ہدیۂ اہلِ نظر ہین:۔

انشا۔ مخیر الدولہ حکیم ماشاء اللہ جعفری کے بیٹے تھے، نجفی الاصل، ان کے والد نور اللہ نجفی ہندوستان مین پیدا ہوئے، درویش منش تھے، ماشاء اللہ خان نے دنیا کا جاہ و جلال پیدا کیا، طب مین کمال حاصل کر کے بنگالہ مین معرکے کے علاج کئے، لڑائی کے معرکون مین بھی نام پایا، سارا جسم جراحت گاہ تھا، مرشد آباد کی سرکار مین معزز تھے، اس دربار کو تنزل ہوا تو قاسم علی خان کے عہد مین نواب شجاع الدولہ کے دربار مین آئے، اونیس ہاتھی ساتھ تھے، اگرچہ بے سر و سامان تھے، "یہ ہماری بے سر و سامانی تھی!"

آج سر پا اور سر و سامان کا سودا۔ سودا اور ، ون کا ہے زیان ہمارا، آہ لسان العصر، تیری قبر رحمت سے
مالامال ہو، کیا کہہ گیا ہے ؎

محفل انکی، ساقی اونکا آنکھین میری، باقی اونکا

خیر۔ قدر دانی نہ ہوئی، ناقدری نے گوشہ نشین کردیا، پٹھانون کے حال پر کرم فرمایا،
فرخ آباد مین سکونت اختیار کی، مظفر جنگ خدمت کرتے رہے، وہین رحلت کی اور دفن ہوئے،
نہایت فیاض اور سیر چشم تھے، اسی کے ساتھ بہت سادہ روش، زمین پر سوتے تھے، شب بیدار تھے،
تذکرہ کی تالیف سے چند سال پیشتر انتقال کیا، سیاقِ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ چند روز دہلی مین بھی
محمد بیگ خان ہمدانی کی سرکار مین رہے تھے اور عزت سے رہے تھے، دربار شاہی سے تعلق ثابت نہین ہے
انشاء اللہ خان نے لڑکپن مین صرف و نحو، منطق اور حکمت کی کتابین صد اینک پڑھین، سولہ برس کے
سن مین نواب شجاع الدولہ کے دربار مین پہنچکر ندیمون مین شامل ہوئے، اسی سن مین بے مددِ
استاد ہندی کا دیوان ردیف وار مرتب کر چکے تھے، عربی فارسی اشعار بھی بقدر چند اوراق کے لکھ
لیے تھے، صورت جمیل تھی، تقریر دلپذیر، سارے دربار مین کوئی حسن کلام مین اونکا حریف نہ تھا،
شجاع الدولہ کی عنایتون نے محسود دربار بنا دیا تھا، چند روز کے بعد نواب نے وفات پائی، نواب آصف الدولہ
کے دربار مین اراذل کا دَور دَورہ ہوا تو یہ کنارہ کش ہوگیے، چندے نواب نجف خان کی سرکار مین
رہے، کچھ دن بندیل کھنڈ مین، باپ کے ساتھ کچھ زمانہ دلی محمد خان ہمدانی کی سرکار مین بسر کیا اور
عزت سے بسر کیا، لڑائی کے معرکون مین توپ بندوق اور تیر و تبر سے بیجگری سے سینہ سپر ہوتے
رہے، زندگی تھی بچ بچ گئے، بجے نگر مین کسی بات پر بگڑ کر محمد بیگ ہمدانی کے بھائی میرزا اسمٰعیل بیگ
پر کٹار نکال لی، اور جو زبان سے نکلا کہا، مرنے سے بال بال بچے، بالآخر لکھنؤ پھر آئے، عرصہ تک
مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی سرکار مین توسل رہا، نازک مزاجی نے وہان بھی نباہ نہ ہونے دیا، وہان

سے علٰحدہ ہوکر الماس علی خان کی رفاقت مین رہے، بعد چندے یمین الدولہ "مرزا سعادت علی خان بہادر مبارز جنگ" نے اپنے مصاحبون مین شامل کر لیا، تذکرہ کی تحریر کے وقت اسی دربار مین تھے، دونون وقت خاصے مین شریک ہوتے تھے، مؤلف تذکرہ کو انشا کی خدمت مین نیاز تھا، اور آغاز ملاقات سے شفقت فرمائی کا سلسلہ قائم، عالم آشنا پرستی مین انشا بے نظیر تھے، شعر ہندی مین طرز جدید کے موجد، انکی صحبت مین آدمی سارے غم بھول جاتا تھا، باوجود اس شجاعت اور جوانمردی کے جس کا امتحان میدانِ رزم مین بارہا ہو چکا تھا، بزم مین اپنے آپ کو ایک بچے سے بھی زیادہ کم ہمت خیال کرتے تھے " کبھی مذاق سوجھتا ہے تو ناچیز سے آدمی سے دلگی شروع کر دیتے ہین، وہ چپ رہا تو خیر ورنہ وہ گالیان دیتا ہے یہ ہنستے ہین "کم مرتبہ آدمیون سے یہ برتاؤ تھا، اسی کے ساتھ ہفت ہزاری کی مجال نہ تھی کہ خلافِ مزاج کوئی بات زبان سے نکالے، ایک بار سالار جنگ کے بیٹے میرزا قاسم علی خان کو سر دربار جناب عالی کے روبرو ایک شعر پر رسوا کر ڈالا، چار زبانون مین شعر کہتے تھے، ہندی، فارسی، عربی، ترکی، عربی عبارت بے نقط بتائے ہوئے مضامین پر چار چار ورق لکھتے چلے جاتے تھے، چند سورتون کی تفسیر بھی بے نقط لکھی تھی، شعرائے معاصرین مین کبھی کسی سے نگاہ نیچی نہین کی، صرف میرزا قتیل کو مانا، اون سے الفاظ کی تحقیق کرتے تھے اور اپنے اشعار کے حسن و قبح دریافت، احباب مین اون کو ممتاز مانتے اور جانتے تھے، تحریر تذکرہ سے چند سال پہلے مصحفی ریختہ گو کو رسوا کوچہ و بازار کیا، گدھے پر سوار کرنا رہ گیا تھا، اور کوئی ذلت باقی نہ رہی تھی خلاصہ عجیب آدمی ہین خدا سلامت رکھے،

فارسی کلام کا نمونہ رباعی،

گیرم کہ مدام دیدہ ات پرآب است — وز سوز درون جان و دلت بیتاب است

انشاء اللہ کام دل مے یابی — خوش باش خدا مسبب الاسباب است

انشاء اللہ کا لطف انشاء اللہ،

تذکرۂ آبحیات پر بیانِ بالا سے حسبِ ذیل اضافہ ہوسکتا ہے،۔

انشاء کے دادا کا ذکر، انشا کا سولہ برس کی عمر مین صاحبِ دیوان اور عربی فارسی شعر پر قادر ہونا، تعلیم کا اندازہ، ان کا مرد میدان اور نبرد آزما ہونا، زندگی کی بعض اور جزئیات، امور ذیل مین اختلاف ہے،

ان کے کشمیری الاصل ہونے کا ذکر نہین، دربار شاہی سے ان کے یا ان کے والد کا تعلق ہونا نہین پایا جاتا، لکھنؤ شجاع الدولہ کے عہد مین گئے نہ کہ آصف الدولہ کے عہد مین، بلکہ آصف الدولہ کے دربار سے ناقدری کے ہاتھون کنارہ کشی کی،

چونکہ مخزن الغرائب کے مؤلف انشاء کے دوستِ قدیم اور ہمدم تھے اس لیے اونکی تحقیقات بہ وثوق بیجا نہ ہوگا،

معارف:- تذکرۂ مخزن الغرائب کا ایک خاصہ نسخہ دار المصنفین کے کتبخانہ مین بھی موجود ہے یہ نسخہ قلمی تختی کے ۱۰۱۸ صفحات پر مشتمل ہے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے کسی خاندان سے یہان منتقل ہوکر آیا ہے، مولانا شبلی مرحوم کی خریدکردہ ہے، تذکرہ کی تصنیف کی تاریخ سنہ ۱۲۱۸ھ ہے، اور یہ نسخہ سنہ ۱۲۳۰ھ کا لکھا ہوا ہے، گویا یہ خود مصنف کی زندگی کا ہے، اس مین حروف تہجی کی ترتیب سے عجم و ہند کے ہر پایہ کے شعراء کے سوانح اور انتخاباتِ اشعار ہین، گویا یہ فارسی گو شعراء کے نامون کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اور ہندوستان کی تالیف کردہ "مجمع الفصحا" ہے، تذکرہ کی زبان عام دستور کے مطابق فارسی ہے، قدیم شعرائے سوانح مین ہر قسم کی رطب و یابس باتین مذکور ہین،

"ضلع عادل آباد کے چند دلچسپ مقامات"

نوشتہ

مولوی حفیظ احمد صاحب، بی۔ اے، ایل ایل، بی منصف و مجسٹریٹ تعلقہ کلواکرتی ضلع محبوب نگر (نظام)

تعلقہ **کنوٹ** ضلع عادل آباد (ملک سرکار نظام) مین چند مقامات تاریخی و مذہبی حیثیت سے قابل ذکر ہین انہین مقامات کے دیکھنے کی غرض سے ہم پانچ چھ اشخاص ایک روز روانہ ہوئے، ستمبر کا مہینہ تھا اور گھٹا چھائی ہوئی تھی، ہلکی ہلکی پھوارین پڑ رہی تھین کہ ہم لوگ گھوڑون پر سوار ہوئے، ہم کو پندرہ کوس کی منزل طے کرنی تھی، ابھی ہم پانچ چھ میل گئے ہونگے کہ ایک چھوٹی سی پہاڑی طے کرنی پڑی، چڑھائی کا راستہ اور پھر تنگ، اس پر طرہ یہ کہ دونون طرف پندرہ بیس ہاتھ کا نشیب، اتفاق ایسا ہوا کہ اس مقام پر ایک گھوڑا دوسرے گھوڑے سے مل گیا، اور دونون ایک دوسرے پر ٹپک، چلانے لگے، سوارون کے حواس گم تھے، مگر خیریت ہوئی کہ ایک صاحب نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھالیا اور اپنی اور اپنے ساتھی کی جان خطرہ سے بچائی، اس واقعہ کو مین نے ایک خاص مصلحت سے بیان کیا کہ ہمارے ساتھیون مین ایک صاحب ہندو مذہب کے بھی تھے اور انھون نے کہا کہ مین اس مقام کو جہان گھوڑے لڑے ہین، پرستش کی جگہ بنادیتا ہون اور آپ دیکھین گے کہ دو مہینہ کے بعد ہر گذرنے والا یہان پر سیندور ملکر اور ناریل توڑ کر تب آگے بڑھیگا، چنانچہ اس کے بعد انھون نے اس مقام پر ایک پتھر کھڑا کر کے اس پر تھوڑا سا سیندور لگا دیا، اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد ہر گذرنے والا اس کو ایک متبرک مقام خیال کر کے ناریل توڑتا اور سیندور لگاتا ہے، اس حصۂ ملک کی ضعیف الاعتقادی کی یہ ایک معمولی مثال ہے،

اس چڑھائی کو طے کرنے پر ایک مسطح میدان ہمین نظر آیا، بارش کا موسم، ہرا ہرا سبزہ اور ابر آلود فضا مین ٹھنڈی ہوا اور پھر گھوڑون کی سواری کچھ عجیب پر لطف منظر تھا، ہم نے دو ثلث راستہ طے

کیاتھا کہ دوپہر ہوگئی اور مینہ کے بڑے بڑے قطرے گرنے لگے ہم نے گھوڑونکی باگ اٹھائی اور بھیگتے بھاگتے مارتے پیٹتے دو بجے منزل پر پہنچے،

بابا فرید شکر گنج کا چلہ یہ مقام عجیب پرفضا ہی چارون طرف گھنی جھاڑیان اور دو تین فرلانگ پر ایک ویران سا موضع بھی ہے، ان جھاڑیون کے بیچ سے ایک زبردست نالہ بہتا ہے، نالہ کے سرے پر ایک پہاڑی مثل دیوار کے سیدھی کھڑی ہے، اس کے اوپر سے پانی آکر نالہ مین گرتا ہی اور اسی دیوار مین ایک تہ خانہ ترشا ہوا ہے، جو بابا فرید شکر گنج کا چلہ کہا جاتا ہی اب بھی اس مقام پر سناٹا ہی اور اس کے اطراف مین درندونکا مسکن ہی شیخ علیہ الرحمہ نے جس وقت اس مقام پر چلہ کیا ہوگا اس وقت اس مقام سے انسان کا گذرنا بھی دشوار رہا ہوگا، اس چلہ پر پہنچ دیکھا کہ مختلف مذاہب کے لوگ عقیدۃً شکر لاکر چڑھاتے ہین حتی کہ اس جوار کے بعض ہندو انھی بزرگ کی پرستش کرتے ہین، اور انھی کے نام کی قسم بھی کھاتے ہین، غرض اس متبرک مقام کو ایک دو گھنٹہ تک دیکھنے اور فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے بعد ہم دوسرے مقام کو روانہ ہوئے،

سیکر یہ مقام ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع اور ایک ہندو مہنت کا مسکن ہی چلہ سے یہ مقام دو میل کے فاصلہ پر اور تقریباً دو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہی یہان ہم غروب آفتاب کے وقت پہنچے، اس مقام پر صرف مہنت مہاراج اور ان کے شاگرد لوگ سکونت پذیر ہین، اب یہان پر اچھی خاصی آبادی انھین لوگون سے ہوگئی ہی اور پختہ مکانات اور مندر بھی بن گیے ہین، لیکن ابتدائً یہ مقام بھی ایک تارک الدنیا سادھو کی کوٹی سے زیادہ آباد نہ رہا ہوگا، اطراف کی پہاڑیون سے یہ پہاڑی جسکو سیکر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہی زیادہ بلند ہے، اوپر گو آبادی ہوگئی ہی مگر پینے کے لیے پانی نیچے سے پکھالون مین بھینسون کے ذریعہ سے لایا جاتا ہے، اس مقام کی فرحت و فضا کا کیا کہنا ہے، اطراف کا نشیبی حصہ ہرے ہرے درختون سے بھرا پڑا ہے، اور ایک میل کے فاصلہ اس سبزہ کے بیچ سے دریائے وردھا (جسکو مین گنگا کہتے ہین) کی سفید لہرین سبز قبا پر روپہلے حاشیہ کا کام دیتی ہین یہ مقام مہنت مہاراج کی جاگیر ہے، اور اس کے علاوہ بھی پانچ سات مواضع سرکار عالی کے اور آٹھ

دس مواضع علاقۂ انگریزی کے ان مہنت مہاراج کی جاگیر میں شامل ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ جاگیر ین مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے عطا کی تھیں، اور روایت یہ ہے کہ اورنگ زیب فتوحات دکن کے وقت اس مقام پر پہنچا اور اس مندر کے اندر جانا چاہا تو پتھر کی ایک گائے نے جو دروازہ پر بنی ہوئی تھی اس سے کہا کہ یہاں سے آگے قدم بڑھانے کے تم مجاز نہیں ہو" اس واقعہ سے متاثر ہو کر اورنگ زیب نے متعدد مواضع کی جاگیر دوامًا اس مندر کے انتظام کے لیے عطا کر دی، ہم نے اصل سند دیکھنا چاہا مگر معلوم ہوا کہ مہنت مہاراج کسی کو سند دیکھنے کے لیے نہیں دیتے، ممکن تھا کہ اس کے دیکھنے سے صحیح حالات کا کچھ پتہ چلتا، یہ گائے پتھر کی اب بھی موجود ہے مہنت مہاراج تارک الدنیا ہیں، سال میں صرف ایک مرتبہ اس پہاڑی سے اتر سکتے ہیں، یہ موقع دسہرہ کا ہوتا ہے جب یہاں پر ایک بہت بڑا جاترا ہوتا ہے، جس میں ہزارہا آدمی علاقۂ انگریزی و سرکار عالی کے آکر مہنت مہاراج کا درشن کرتے ہیں، اور اپنی اپنی اوقات کے موافق نذریں پیش کرتے ہیں، اس زمانہ میں یہ مقام نہایت غلیظ ہو جاتا ہے، جتنے لوگ آتے ہیں، وہ اوپر ہی رہتے ہیں، اور تمام پہاڑی پر جو تین چار سو مربع گز سے رقبہ میں زاید نہیں ہے، نجاست و غلاظت کرتے ہیں،

سیگر، پرتاپ راجی مہاراج کا پادکا (پیر کا نشان) ہے اور انہی کی یہاں پرستش ہوتی ہے، چونکہ مہنت تارک الدنیا ہوتے ہیں، اس لیے ان کا وارث ان کے چیلوں میں سے کوئی ہوا کرتا ہے، جب کسی مہنت کی وفات ہوتی ہے تو سب چیلے جمع ہو کر چٹھی ڈالکر اپنا اپنا مہنت نامزد کرتے ہیں اور جس کے نام زیادہ چٹھیاں نکلتی ہیں وہ گدی پر بٹھا دیا جاتا ہے، یہاں کی مہمان نوازی اور غربا پروری قابل تحسین ہے جو کوئی یہاں پر مقام کرتا ہے اس کو سید ہا وغیرہ مہنت مہاراج کے پاس سے دیا جاتا ہے، اور کسی چیز کی خرید و فروخت یہاں ممنوع ہے، چنانچہ ہزار ہا زائرین کو جب وہ سیگر پر مقام کرتے ہیں تو مہاراج کے پاس سے سب دیا جاتا ہے، اور سب چیلوں کے ضروریات بھی مہاراج ہی کے بھنڈار سے پورے کیے جاتے ہیں،

۱؎ معارف: یہ کیا سوامی شردھانند اسکو یقین کرینگے، ۲؎ گر اب بھی موجود ہے کیا بت شکن عالمگیر نے اسکی ناک بھی نہ توڑی؟

اس کے علاوہ ہر سال کو سو پچاس روپیہ کی خیرات بھی تقسیم ہوتی ہی، اس سے اندازہ ہوسکتا ہو کہ یہان کے اخراجات کتنے زیادہ ہونگے یہان کی آمدنی بھی کثیر ہے، علاوہ جاگیرات کے اور سالانہ نذر کے چیلون کو دور پر بھیجکر معتقدین سے بطور وان کے ایک معقول رقم وصول کیجاتی ہی، مگر نصف سے زائد حصہ وصول کرنیوالے چیلے خود ہضم کرجاتے ہین، علاوہ اس کے انتظام بھی انھی چیلون کے ذمہ رہتا ہے وہ جو چاہتے ہین کرتے ہین موجودہ مہنت تیس بتیس سال کی عمر کے ہین، خود نہایت خلیق اور سلیم الطبع معلوم ہوتے ہین، مگر اپنے منصب کے لحاظ سے روحانیت مین کچھ زیادہ دخیل نہین معلوم ہوتے، غرض اس مقام سے ایک شبانہ روز قیام کے بعد ہم لوگ نیچے اترے،

پانڈولینا ماہور سیکر سے اُتر کر ہم لوگون نے دو میل کے فاصلہ پر **ماہور** مین آکر قیام کیا، یہان پر ایک پرانا قلعہ ہے، مگر افسوس ہو کہ وقت نہ ہونے سے ہم اس کو دیکھ نہ سکے، البتہ آبادی سے دو تین فرلانگ پر پہاڑ مین پانڈولینا کے نام سے ایک غار ہی، اس کو ہم نے دیکھا، یہ ایک زمین دوز پہاڑی کو تراش کر بنایا گیا ہی اور اس مین ستون قائم کیے گئے ہین، اور اندر اندر متعدد حجرے بھی بنے ہین، یہ غار اب تک مٹی سے بھر گئے تھے مگر حال مین سررشتۂ تعمیرات سرکار عالی نے اُنکو کچھ دور تک صاف کرایا ہے، باہر سے دیکھنے مین ان غارونکی کوئی علامت نہین معلوم ہوتی، اور آبادی ماہور کی سطح زمین سے نیچے یہ غار بنے ہوئے ہین، روایت ہو کہ پانچ پانڈو جب تیرہ برس کے لیے جلاوطن کیے گیے تھے تو یہ شرط جلاوطنی کی تھی کہ ایک برس کا زمانہ اسطرح گذارا جائے کہ کوئی شخص ان کو دیکھکر شناخت نہ کرسکے، کہا جاتا ہے کہ یہ غار انھی پانچ بھائیون نے اپنے وجود کو چھپانے کے لیے بنایا تھا، اور اس مین ایک سال انھون نے گذر کیا، مگر یہ روایت قیاس کی متزلزل بنیاد پر قائم کیگئی ہے، تاریخ اور ہندو مذہبی کتابون سے اس کی تائید نہین ہوتی ہے، یہ بات بھی سمجھ مین نہین آتی کہ اتنی وسیع عمارت پہاڑ کو تراش کر صرف پانچ بھائیون نے ایک سال مین کیونکر تیار کرلی، علاوہ اس کے ہندو مذہب کی کتابون مین درج ہو کہ تیرھوان سال ان لوگون نے ویراٹ راجہ کے دربار مین اپنا بھیس بدل کر گذارا تھا، چنانچہ روایت ہے کہ ویراٹ راجہ کے یہان بھیم بحیثیت باورچی مقرر تھا، اور ارجن

مشاط کے بھیس مین راجہ کے محلسرا مین رہتا تھا اور ایک بھائی گایون کے چرانے پر اور دوسرا ایک بھائی گھوڑون کی نگرانی پر متعین تھا، بہرحال اسکے بانی کوئی بھی رہے ہون خواہ بدھوی جوگی یا پنج پانڈو، یہ عمارت قدیم زمانہ کی ایک قابل یادگار ہے،

انک دیو | لاہور سے کوچ کرکے ہم **اُنک** دیو کے مقام پہنچے جو لاہور سے تقریبًا بارہ کوس پر واقع ہے، اس مقام پر ایک مندر ہے جس کے احاطہ مین تین چشمے گرم پانی کے ہین، اور خود مندر کے اندر ایک چھوٹا سا چشمہ سرد پانی کا بھی ہے، ان چشمون کا پانی اتنا گرم ہے کہ اس کے اندر ایک دم غوطہ لگانا مشکل معلوم ہوتا تھا، ہم لوگون نے دو روز یہان قیام کیا اور خوب غسل کیا، مگر ان چشمون مین دیر تک غسل کرنیکے بعد طبیعت مالش کرنے لگتی تھی، اور چکر معلوم ہوتا تھا، غالبًا ان چشمون کے نیچے گندھک کی کان ہے جس کی وجہ سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے پانی بھی گرم رہتا ہے لیکن ہندو قوم مین اسکے متعلق ایک روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے، کہ اس مقام پر ایک بہت بڑے رشی رہا کرتے تھے، رام چندر جی جب لنکا جا رہے تھے، تو انھون نے اس جگہ پر قیام کیا تھا، اس وقت رشی نے انکی بہت خدمت کی، تو رام چندر جی نے رشی سے کہا کہ "اگر تمکو کچھ مانگنا ہو تو مانگو" رشی نے جواب دیا کہ مجھے روزانہ صبح و شام ٹھنڈے پانی سے اشنان کرنا پڑتا ہے، کیونکہ مین جذام کے عارضہ مین مبتلا ہون بوجہ مرض و تقاضائے سن مجھے اس مین تکلیف ہوتی ہے، اگر اشنان کے لیے گرم پانی ملے تو بہتر ہے،" اُسپر رام چندر جی نے وعدہ کیا کہ ایسا ہو جائیگا، مگر وہ اپنے مشاغل کی وجہ سے اس وقت ایفائے عہد نہ کر سکے، اور لنکا کو روانہ ہو گئے، واپسی مین جب وہ نانڈیر پر پہنچے، تو انھین اپنا عہد یاد آیا، اور انھون نے فورًا ایک تیر پھینکا جو اس مقام پر (تقریبًا سو سوا سو میل پار) آکر زمین مین دھنس گیا، اور اس جگہ پر یہ چشمہ گرم پانی کا نکل آیا، اسی وجہ سے وہ بہت متبرک سمجھا جاتا ہے اور یہان پر سالانہ جاترا بھی لگتا ہے، کہا جاتا ہے چند سال پیشتر یہ چشمے ٹھنڈے ہو گئے تھے، اس وقت اپنے عقیدہ کے مطابق دہان کے پوجاریون نے دان پُن کیا اور مٹی صاف کرائی، تو پھر پانی گرم ہو گیا ہے، اعتقاد بھی عجب چیز ہے،

اسی طرح ایک ہفتہ کی سیر و تفریح کے بعد ہم پھر اپنے مستقر کو واپس آئے اور ہم پر ثابت ہو گیا کہ دنیا گول ہے

تلخیص و تبصرہ

المجمع العلمی العربی

شام کا واحد ملک آج تین فرمانرواؤن کی ماتحتی مین ہی، فلسطین پر برطانوی علم لہرا رہا ہی، لبنان اور ساحلی مقامات جن کا مرکزی شہر بیروت ہی، خاص فرانسیسیون کے زیر فرمان ہی، تیسرا اندرونی علاقہ جس کا پایہ تخت دمشق ہی، زیر سایہ فرانس ایک نیم قومی حکومت کے ماتحت ہی جسکا نام "حکومت اتحاد سوری" رکھا گیا ہی، یہی نیم قومی حکومت آج دمشق مین شامی عربون کی علمی کوششون کا جولانگاہ ہی، محمد کرد علی وزیر تعلیمات، اور یہان کی علمی و تعلیمی مساعی کی روح روان ہین، ان بزرگ کو طرز مذاق اور حمیت تاریخ اسلام کے لحاظ سے شام کا "شبلی" کہہ سکتے ہین، بہرحال شام کے ارباب علم کی کوششون سے دمشق مین ایک خالص علمی عرب ایکاڈمی بنام "المجمع العلمی العربی" چند سال سے قایم ہی، سال نو کے آغاز پر مجمع نے اپنی سالانہ روداد شائع کی ہی، اور جس کا ایک مطبوعہ نسخہ اوس نے ہمارے پاس بھی بھیجا ہی، اس روداد سے مجمع کے متعلق حسب ذیل معلومات کی تلخیص کی جاتی ہی،

مجمع علمی کی بنیاد دمشق کی اس نیم قومی حکومت کی پیدایش کے بعد ہی اس مجمع کی بنیاد پڑی، ابتداءً اس مجمع کو تالیف و ترجمہ کے ایک شعبہ کی حیثیت حاصل تھی، فروری ۱۹۱۹ء مین یہ شعبہ محکمۂ تعلیمات بنا دیا گیا، اور تمام تعلیمی معاملات کی نگرانی، آثار خانہ کی تاسیس اور کتبخانون کی حفاظت اس کے فرائض مین داخل ہوگئی،

جون ۱۹۱۹ء مین یہ محکمہ ایک علمی اکاڈمی کی صورت مین منتقل ہوگیا، جس نے زبان کی اصلاح، جدید معانی اور اشیاء کے لیئے نئے الفاظ کا وضع کرنا، اور اسلاف کے علمی اندوختون، تاریخی آثار کی حفاظت، اور عوام مین علمی ذوق پیدا کرنا اپنا خاص غرض بنا لیا،

اِس وقت مجمع کے صدر محمد کرد علی شام کے مشہور فاضل ہین، اِن کے علاوہ تین تنخواہ دار عہدہ دار ہین،
۱۳۴۲ھ مین اس کے (۱۰) اعزازی ارکان تھے جن مین سے (۲۷) امریکہ، انگلستان، فرانس، اٹلی، پرتگال وغیرہ ممالک مغربیہ کے اساتذہ مستشرقین تھے، اور صرف (۳۴) شام، عراق، مصر، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک اسلام کے اساتین علم و ادب تھے، اب ۱۲۶ ارکان کا اور اضافہ ہوگیا ہی، غیر شامی ارکان صرف چند ہین،
کیا ہم کو حق ہی کہ اراکین مجمع سے دریافت کرین، کہ مشرق مین قابل اعتماد علماء کم ہین، یا اون کی طرف توجہ کرنا یورپ کی تعظیم کے خلاف ہی؟

اِس مجمع کے تعلقات یورپ کی تقریباً ۱۱۵ علمی انجمنون، یونیورسٹیون اور کتبخانون کے ساتھ قایم ہین،
ہمارے سامنے جو رپورٹ ہی اُس مین اس کا کوئی ذکر نہین کہ ایشیا کی علمی انجمنون کے ساتھ مجمع کے روابط کیسے ہین،

مجمع کا رسالہ، اِس مجمع کی طرف سے ماہوار ایک پرچہ "المجمع العلمی العربی" نکلتا ہے، جس مین مجمع کی ماہوار کارروائی بھی شائع ہوا کرتی ہی، اِس کے مضامین، عموماً یورپ اور ایشیا کے بہترین اہل قلم کے نتائج افکار ہوتے ہین، جب کسی شخص کا کوئی مضمون شائع ہونے کے لیے جاتا ہی تو مجمع کے خاص اجلاس مین پڑھا جاتا ہی، پھر پوری بحث و تمحیص کے بعد اوس کے چھپنے کے متعلق طے پاتا ہی،

رسالہ کے مضامین زیادہ تر تاریخ اسلام، عربی کے نوادر کتب، لغت اور ادب کے متعلق ہوتے ہین،
رسالہ وضع و تعریب کے متعلق نہایت بہترین خدمت انجام دیتا ہی، اِس رسالہ کے دیکھنے کے بعد ہم اپنا فرض سمجھتے ہین کہ عربی خوان اصحاب اور خصوصاً دار العلوم ندوہ کے طلبہ کو مشورہ دین کہ وہ اس پرچہ کو ضرور منگایا کرین،

وضع و تعریب، اِس مجمع کے قیام کا اہم ترین مقصد زبان کی اصلاح اور جدید الفاظ کا وضع کرنا ہے، اصلاح زبان کے لیے ارکان مجمع نے دو کام پیش نظر رکھا تھا، ایک یہ کہ عوام نے خاص عربی الفاظ کی جو شکل و صورت بگاڑ دی ہی اوس کی تصحیح کی جائے، اور قدیم مردہ عربی زبان کو رواج دیا جاسے دوسرا اہم کام غیر زبانون کے جدید الفاظ کے لیے عربی مرادفات کی

تلاش اور ترویج ہی،

تعریب کے متعلق مجمع کا خیال ہو کہ عربی اشتقاق اور مجاز کے قواعد اس قدر وسیع ہین کہ ہم غیر زبانون سے بہت کچھ بے نیاز ہو سکتے ہین، لیکن ہر شخص اِن سے صحیح فائدہ نہین اُٹھا سکتا، اِسی لئے بنی عباس کے عہد مین مترجمین اور معرّبین کے لیئے ضرور تھا کہ وہ ہفتہ مین ایک مرتبہ علمائے لغت سے ملکر، زبان کی اصلاح و ترمیم کرلین، مجمع کا اصول یہ ہو کہ سب سے پہلے مرادفات تلاش کرنے چاہئیین، اگر کسی غیر زبان کے لفظ کے لیئے کوئی متروک اور غیر فصیح لفظ ملے تو چونکہ وہ لفظ عربی الفاظ کے ڈھانچے کا ہوگا اس لیئے اجنبی لفظ سے بہتر ہو، جب کوئی مرادف لفظ نہ ملے تو عربی اشتقاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کرنا چاہیئے، وہ بھی ناممکن ہو تو لفظ کی وضع قطع مین ترمیم کرکے اُسے عربی انداز کا بنا لینا چاہیئے، مجمع نے اب تک جو الفاظ عربی لغات سے ڈھونڈھ کر نکالے یا بنائے ہین، وہ عموماً قابل پسند و رواج ہین،

خطبات، دمشق مین شوافع کا ایک قدیم مدرسہ تھا، اوس کی عمارت کو مجمع نے پھر سے درست کرایا ہی، اور اِس پر حکومت نے (۲۵۰۰) گنی صرف کی ہی، اِس کے آس پاس کے مکانات کو بھی (۲۰۰۰) لیرہ دیکر مجمع نے متولیون سے خرید لیا ہی، اِس مدرسہ کا بڑا ہال مجمع کے ہفتہ وار علمی خطبات کے لیئے مخصوص ہی، دوسرے کمرون مین مجمع کا دفتر وغیرہ ہی، ۲۳ئہ مین مجمع کے (۵۲) عام جلسے ہوئے جن مین (۲۰) اکابر فضلاء نے تاریخ، فلسفہ، اثریات، لغت اور اخلاقی مضامین پر خطبے دیئے، محمد کرد علی کے عنوانات بحث زیادہ تر شام اور اندلس کی اسلامی تاریخ سے تعلق رکھتے تھے، ڈاکٹر اسعد بک، ڈاکٹر عبد الوہاب، اور ڈاکٹر صفا بک کے مضامین طب و فلسفہ پر تھے، اسکندر معلوف نے خصائص لغت اور مختلف عنوانات پر خطبہ دیئے، سید عبد القادر مشہور مسلمان ادیب کا سرمایۂ بحث زیادہ تر اثریات، اور تاریخ اسلام رہا ہی، مضامین کی اِس خشکی کے باوجود شایقین کا یہ عالم رہا کہ کبھی مجمع کے حاضرین کی تعداد ۴۰۰ سے کم نہ ہی بلکہ کبھی ۶۰۰ تک بھی پہونچ گئی، اکثر لوگون کو ہال مین جگہ نہ ملنے کی وجہ سے دروازون پر کھڑا رہنا پڑا ہی،

۱۹۲۳ء سے عورتون کے مجمع مین خطبہ دینے کا تجربہ بھی کیا گیا اور کامیاب رہا، سال گذشتہ ۱۰ خطبے عورتون کے مجمع مین دیئے گئے، شیخ محمد کرد علی کا خیال ہی کہ خواتینِ شام نے اب اپنی کمزوری کا احساس کر لیا ہی، اور وہ اب اِصلاح کے لئے آمادہ ہین آیندہ زنانہ لکچرون کا انتظام کافی اہتمام کے ساتھ کیا جاوے گا، عورتون کے مجمع مین زیادہ تر خواتینِ سلف کے کارنامے اور اخلاقیات وحیات خانگی کے مباحث بیان کیئے گئے ہین،

کتبخانہ مجمع نے اپنے قیام کے کچھ ہی دنون کے بعد دمشق کے کتبخانہ ظاہریہ کو اپنے انتظام مین لے لیا، اِس وقت اِس کتبخانہ مین ۹۳۰۰ کتابین ہین، جن مین سے ۲۴۰۰ کتابین قلمی ہین، مجمع نے اِس مین ۹۰۷ کتابون کا اضافہ کیا ہی، جن مین سے ۳۰۲ کتابین قلمی ہین، یہ تو ان کتابون کا ذکر تھا جو عربی زبان مین لکھی گئی ہین، دیگر زبانون کے مطبوعات کی تعداد بھی ۲۰۰۰ سے کم نہین،

کتبخانہ کا اِس قدر جلد ترقی کر جانے کی وجہ زیادہ تر ملکی اور غیر ملکی علما کی حاتمانہ توجہ ہی، یہ کتبخانہ زیادہ تر ہدایات اور تحائف کا مرہونِ منت ہی، صرف ۱۹۲۳ء کے آخر ماہ مین ۱۲۰ مجلد قلمی اور مطبوعہ کتابین مجمع کو بطور ہدیہ ملی ہین، جن کی قیمت ۵۰۰ لیرہ سے کم نہین،

کیا ہندوستان کا کوئی قومی کتبخانہ بھی اِس قدر خوش قسمت ہی، پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے خدا بخش خان کے متعلق مغل ایڈمنسٹریشن مین جو مضمون لکھا ہی اوس کو دیکھنے کے بعد شام کی علمی خوش قسمتی پر ہمکو رشک آنا چاہیئے،

مجمع کے کتبخانہ مین تقریبًا ۹۰ آدمی روزانہ کی اوسط سے مطالعۂ کتب مین مصروف رہتے ہین، یہ بھی قابلِ ذکر اور مستحق تشکر واقعہ ہی،

آثار خانہ مجمع کی نگرانی مین ایک آثار خانہ بھی ہی، جو مدرسہ ظاہریہ کی عمارت مین قایم ہی، شام کے ممالک اپنی قدیم تہذیب وتمدن کے لیئے ہمیشہ سے مشہور ہین، اِسلام سے پہلے یہان بڑی بڑی قومین حکمران رہ چکی ہین،

اسلئے علمائے اثریات کو یہان کی تاریخی یادگارون سے خاص شغف رہا ہی، اسلئے یورپ اور امریکہ کے شایقین نے یہان کے نوادر و عجائب کو اپنے ملکی آثار خانون مین پہونچانا شروع کیا تو ترکی حکومت نے ایک قانون بنایا جس کی رو سے مشرقی آثار کی بیع و فروخت اور اون کو غیر ممالک مین ہدیہ کے طور پر بھیجنا مسدود ہوگیا، صرف آستانہ مین یادگارین جاسکتی تھین، جس کی وجہ سے آستانہ کا آثار خانہ بہت کچھ دولت مند ہوگیا، جب ترکی حکومت کا خاتمہ ہو کر اوس کی جگہ فرانسیسیون نے لے لی تو ان آثار کا غیر ملکون مین منتقل ہونا قطعاً مسدود ہوگیا، قابض حکومت فرانس نے ایک قانون منظور کیا ہی جس کے رو سے یہان کے آثار کا یہین کے عجائب خانون اور آثار خانون مین رہنا ضروری قرار پایا، اس قبضہ کے بعد ہی مجمع نے اس آثار خانہ کی بنیاد رکھی، بنیاد رکھنے سے کچھ ہی مہینون کے بعد مجسمون سکون، مٹی کے برتنون، ہتھیارون اور کتابون اور دیگر آثار کا ایک کافی ذخیرہ جمع ہوگیا، تاہم آثار خانہ اس سرعت کے ساتھ ترقی نہ کرسکا جتنی سرعت کے ساتھ کتبخانہ مین ترقی ہوئی، کیونکہ اسکی ترقی کا مدار کافی سرمایہ خرچ کرکے زمین کے جگر کو کھود کر قدیم یادگارون کے نکالنے پر ہی، آثار خانہ مین بھی تقریباً ۹۰ آدمی روزانہ دیکھنے کے لیئے آیا کرتے ہین،

شاہجہان کا تختِ طاؤس

اس خبر نے کہ شاہِ ایران کے قرض کی ادائیگی کے لیئے ایرانی خزانہ کے جواہرات کا ایک حصہ لندن مین بیچا جائیگا، شاہجہان کے تختِ طاؤس کے مسئلہ کو جو جواہرات سے مرصع تھا اور جسے نادرشاہ ۱۷۳۹ء مین دہلی سے لے گیا تھا از سر نو زندہ کردیا ہی، بعض اخبارات کا بیان ہی کہ یہ تخت توڑ دیا جائیگا اور دنیا کو تاریخ کی ایک بیش بہا اہم ترین صنعت کی بربادی پر ماتم کرنا پڑیگا، لیکن تعجب ہی کہ یہ قصہ

کہ تخت طاؤس اب تک طہران مین موجود ہی، کیونکر باقی ہی، حالانکہ لارڈ کرزن نے ۱۸۹۲ء مین اس کی پوری تردید کردی تھی، لارڈ موصوف کی اس تردید سے پہلے اکثر یورپین سیاحون کو اس کے متعلق دھوکہ ہوچکا ہی، کیونکہ طہران مین بھی ایک نہایت خوبصورت تخت "تخت طاؤس" کے نام کا موجود ہی، اور اونھون نے بلا کسی غور و فکر کے فوراً نتیجہ نکال لیا کہ یہ وہی شاہجہانی تخت ہی، اگر اونھون نے خود شاہ یا اہلِ دربار سے اس کے متعلق لارڈ کرزن کی طرح دریافتِ حقیقت کی تکلیف گوارا کی ہوتی، تو اون کو معلوم ہوگیا ہوتا کہ یہ تخت ہندوستانی تخت نہین ہی، اس تخت کو اصفہان کے مجتہد اعظم نے فتح علی شاہ کے لیے جبکہ اوس نے ایک اصفہانی خاتون طاؤس خانم سے شادی کی تھی، بنوایا تھا، شاہ اس سے اس قدر خوش ہوا کہ اوس نے اس تخت نشینی کو مراسمِ شادی مین ایک ممتاز درجہ عطا کیا اور اوسی زمانہ سے یہ تخت خاندانِ شاہی کی ایک بیش قیمت ملکیت سمجھی جاتی ہی،

اس بیّن شہادت کے علاوہ ایک بالواسطہ شہادت بھی اس غلط خیال کی تکذیب کرتی ہے،

ٹورنیر نے ۱۶۶۵ء مین جو تخت دہلی مین دیکھا تھا اور ایران کے موجودہ تخت طاؤسی مین بہت فرق ہے، وہ دہلی کے مشہور تخت کا ان الفاظ مین ذکر کرتا ہی "شامیانہ کے سرے پر جو محراب نما ہے، ایک مور بنا ہوا ہی جو پر پھیلائے کھڑا ہی، اور اوس مین خوش رنگ موزون جواہرات جڑے ہوئے ہین، اوسکا بدن سونے کا ہی، جو جواہرات سے مرصع ہی، اور اوس کے سینہ پر ایک بہت بڑا موتی لگا ہوا ہی"

طہران کے تخت مین نہ تو کوئی شامیانہ ہی، اور نہ مور، اور اوس کی عام حالت بھی ٹورنیر کے بیان سے بالکل الگ ہی، جواہرات کے متعلق اس کا بیان قابلِ وثوق ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ خود ایک بڑا جوہری تھا، مگر اب سوال یہ ہی کہ اگر یہ تخت شاہجہانی تخت نہین ہی تو اوس کا کیا حشر ہوا؟ لارڈ کرزن کا بیان ہی کہ اون کو سخت کوششون کے بعد یہ معلوم کرنے مین کامیابی ہوئی ہی کہ آغا محمد شاہ نے جب نادرشاہ کے نابینا پوتے کو سخت اذیتین دیکر اوس تخت کو حاصل کیا تو وہ شکستہ و برباد صورت مین تھا،

اِن باقی ماندہ ٹکڑون سے ایک نیا تخت بنایا گیا جو ابتک وہان کے شاہی عجائب خانہ مین موجود ہی،

مگر خود لارڈ کرزن کو بھی اِس تحقیقات پر کامل اعتماد نہین ہی، کیونکہ وہ اِس تحریر کے بعد فریزر کا بیان جو اوس نے ایک سے سُنا تھا نقل کرتے ہین،

جب نادرشاہ قتل کردیا گیا اور اوس کا خیمہ لوٹ لیا گیا تو تخت طاؤس اور شامیانہ مروارید ہمارے ہاتھون مین پڑا اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس مین بانٹ لیا"

بہرحال اِس بیان سے کم ازکم یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہو کہ دنیا کا یہ خیال کہ شاہجہانی تخت ابتک موجود ہی، غلط ہی، اور وہ صدیون پہلے اپنے مالک کی طرح دنیا سے نابود ہوچکا ہی،

(ماخوذ از اسٹیٹسمین)



اخبار علمیۃ

سنہ ۱۹۱۱ء مین صرف چار سلطنتین آسٹریلیا، نیوزیلینڈ، فنلینڈ اور ناروے، ایسی تھین جن مین عورتون کو مساویانہ حقوق حاصل تھے اور سنہ ۱۹۲۱ء مین اون کی تعداد ۲۷ ہوگئی، سنہ ۱۹۱۱ء مین ......۳۵ عورتون کو برابر حقوق حاصل تھے اور سنہ ۲۱ء مین ......۱۲۰۰۰۰ عورتون کو یہ عزت حاصل ہوگئی،

دنیا کی سب سے چھوٹی چڑیا امریکہ مین پائی جاتی ہی، یہ ننھا پرندہ اتنا مختصر ہوتا ہی کہ چار کی چمچی مین نہایت ہی آرام دہ و نرم آشیانہ بنا سکتا ہی، امریکہ کے ماہرین طیور نے ابتک اس کی چار سو قسمین معلوم کی ہین، اس قسم کی سب سے طویل چڑیا ½ ۸ انچ اور سب سے چھوٹی دو انچ سے بھی کم ہوتی ہی، اس کی غذا کیڑے اور گلاب ہی، اگرچہ اس حیثیت سے یہ ایک مفید پرندہ ہی، لیکن اہل امریکہ کے شوق طیور نے اس جنس کو تو فنا کے لب تک پہونچا دیا ہی،

مکانات و دکانات مین آگ بجھاتے وقت، کام کرنے والون کو خود اپنی جان کا بہت خطرہ رہتا تھا، اب امریکہ کے ایک مغربی شہر نے اس خوف کے ازالہ کے لئے اُسی انجن مین ایک ایسے جزء کا اضافہ کیا ہے، جس سے یہ ڈر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا، آگ بجھانے والا اپنے انجن پر بیٹھ کر آگ مین گھس سکتا ہے، کیونکہ انجن کے پیچھے سے ہر وقت ایک آبی چادر اوس کو آگ کی دست درازیون سے مامون و محفوظ بنا دیتی ہے یہ چادر آب حسب ضرورت ۲۵ فٹ تک پھیلائی جا سکتی ہی،

ماہرین اثریات کا خیال ہو کہ امریکہ ایک قدیم تمدن و تہذیب کا مالک تھا، میکسیکو کی "وادی الشمس"

جو مکانات و برتن نکلے ہین اونھون نے اِس خیال کو درجۂ یقین تک پہونچا دیا ہی، دیوارون کی تحریرین، بت، اور ظروف اِس نظریہ کی تصدیق پر کافی روشنی ڈالینگے،

بحری انسان کو ہر وقت سمندر کی شفاف سطح مین اپنی موت کا خوفناک چہرہ دکھائی دیتا ہی، اِس نے حفاظت و امن کے لیئے سیکڑون صورتین ایجاد کر رکھی ہین، اور سالانہ لاکھون روپے، ان سامانون کے مہیا اور نئی چیزون کی ایجاد کے لیئے خرچ کرتا ہی، اِس سال اِس سلسلہ مین ایک اور کڑی کا اضافہ ہوا ہے، اِس کی ایجاد کا سہرہ ایک فینیشی ملاح کے سر ہے، یہ ایک قسم کا دو نما تھیلا ہی، جس مین آدمی کھڑا ہو سکتا ہے تمام بدن ایک خاص قسم کے کپڑے سے، جس پر پانی اثر نہین کرتا ڈھکا ہوتا ہی، اور سانس لینے کی تھیلی سطحِ آب سے نکلی رہتی ہی جس کو دیکھ کر گذرنے والے جہاز فوراً سمجھ سکتے ہین کہ یہان کوئی شخص محتاجِ مدد ہی، اِس کے ساتھ اگر پہننے والا چاہے تو تیر بھی سکتا ہی، اور یہ کپڑے اوس کے لیئے معاون ثابت ہون گے،

عرصہ سے چینی علاقہ منگولیا مین، اثریات کی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہی، حال ہی مین تیسری علمی مہم نے اثریات سے اِس بات کا پتہ چلایا ہی کہ ہزارون برس پہلے شمالی امریکہ اور ایشیا ایک وسیع حصۂ ارضی کے ذریعہ ملے ہوئے تھے، اِسی سلسلہ مین ایک عظیم الجثہ گینڈے کی ہڈیان ملی ہین، جو ۲۴ فٹ لنبا اور ۱۲ فٹ اونچا تھا، موجودہ گینڈا اِس کے مقابلہ مین حقیر معلوم ہوتا ہی

ہمارے برادرانِ وطن کے تین اعلیٰ طبقے (برہمن، کھتری اور ویش) زنار استعمال کرتے ہین اس کے لئے سنسکرت مین "اپوت" کا لفظ ہی اور ہم ابتک سمجھتے تھے کہ اِس سے یہ رشتۂ مقدس مقصود ہی، مگر پنڈت ویدو سیکھر شاستری نے ڈاکٹر ٹیگور کے سہ ماہی رسالہ وشو بھارتی مین لکھا ہی کہ اِس کے اصلی

معنی جامۂ بالا کے ہین اور ہندو قوم کے افراد خاص مواقع پر اون کو تمام کپڑون کے اوپر پہنا کرتے تھے، ابتداءً یہ جامۂ بالا چمڑے کا ہوتا تھا، پھر کپڑے کا ہوا، اور اب موجودہ صورت مین رائج ہی، دوسری آرین قوم (آتش پرست پارسی) مین بھی یہ کپڑا رائج تھا، اور اب بھی وہ تھوڑے اختلاف کے ساتھ اِس زنار کو استعمال کرتے ہین،

یورپ و امریکہ مین مرض النوم پھیل رہا ہی اور مختلف بہترین طبی دماغ دریافتِ علاج کے لئے کوشان ہین، اور اب اون کی مساعی بارآور ہوتے نظر آتی ہین معلوم ہوا ہی کہ امریکہ کی ایک مشہور طبیبہ ڈاکٹر لوئس پیرس نے اِس کی دوا معلوم کر لی ہی، اور اونھون نے ۴ مہینون تک نہایت ہی کامیابی سے بلجیم کے افریقی علاقہ کانگو مین اِس کا تجربہ بھی کر لیا ہی،

دنیا کے مختلف عجائب خانون مین گھڑی بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی ہی قبل التاریخ کا انسان گھانس کی ایک رسّی بناتا اس مین متعدد گرہین دیتا، اس کو لٹکاتا، اور اُس کے ایک سرے کو سلگاتا ہی، رسّی کی گرہون کا جلنا اوسے وقت کی خبر دیتا ہے، اِس کے بعد موم کی بتیان اور شمعین ایجاد ہوئین، اور موجودہ گھڑی کے وجود سے تین سو برس پہلے غیر متمدن اِنسان نے ایک آلہ تیار کیا جو گھنٹون کی آواز سے وقت کی خبر دیتا تھا، یہ عجیب گھڑی پیالی سے بڑی تھی، اور امریکہ مین ۱۵۰۰ ڈالر کو بکی ہے،



حال ہی مین ایک یورپین موجد نے اپنا ہاتھ گرم پگھلے ہوئے سیال لوہے مین ڈال دیا، اِس کا ہاتھ بالکل نہ جلا، بلکہ وہ سیال لوہا چھوٹے چھوٹے دانون مین منقسم ہوکر اِدھر اودھر گرتا اور خاک ہوجاتا، تاہم جب اوس نے ہاتھ نکالا تو وہ روشن شعلہ کی طرح سُرخ تھا،

ہم قطعۂ ارضی کے بسنے والے صرف ایک چاند کی ضیا پاشیون سے مستفید ہوتے ہین، لیکن سکانِ عطارد بہ یک وقت ایسے پانچ چھ چاندون کا لطف اُٹھاتے ہین، اون کے یہان نو چاند ہین، وہ نہایت ہی تیزی سے عطارد کے گرد چکر لگاتے ہین، اور اب اون کے مقامات بھی معلوم ہوگئے ہین،

سر سبزی و کھم، ربڑ کے تاجرون مین اولیت کا مرتبہ رکھتے ہین، جنوبی امریکہ مین اونھون نے ایک درخت کا پتہ چلایا ہو جس سے کپاس کے درخت کی طرح روئی حاصل کی جاسکتی ہو، یہ روئی کسی حیثیت سے موجودہ روئی سے کم نہین، اِس کا نام ارغن ہی،

طیارون کے سلسلہ ترقی مین مسٹر ڈبلو، ایف، گرہرڈ نے ایک نیا اضافہ کیا ہے، اب تک طیارچی جہاز کو موٹر کی طرح اڑاتے تھے، مگر اب ایک بائیسکل کے طرز کا جہاز بنایا گیا ہے، جو صرف پاندانون (پیڈس) کی حرکت سے پرواز کرتا ہے، اگرچہ اس کی پرواز ابھی تک سنسنی خیز ثابت نہین ہوئی ہے تاہم امید ہے کہ بہت جلد یہ بات بھی حاصل ہو جائیگی،

جاپان کی خلیج گوگیشو کے پانی کا رنگ اندنون خونی ہو رہا ہے، یہ رنگ دسمبر سے ۱۰ جنوری تک بڑھتا ہے، اور اس کے بعد مارچ تک گھٹتا جاتا ہے، یہ تبدیلی ۴ سے ۶ فٹ تک کی گہرائی تک ہے، اس کا سبب ایک خاص قسم کی مچھلیون کی کثرت ہے،

ادبیات

سفرنامۂ ایران،

مرسلہ ڈاکٹر سر اقبال

لاہور کے ایک طالب علم محمد اکبر منیر صاحب ایک مدت سے ایران کی سیاحت کر رہے ہین، اور آج کل وہ بغداد مین ہین، انھون نے وہان سے ڈاکٹر سر اقبال کے نام اپنی چند فارسی نظمین بھیجی ہین، اور ڈاکٹر صاحب نے ازراہ لطف اونکو معارف کے صفحات کے لیے موزون خیال فرمایا ہے، چنانچہ محمد اکبر منیر صاحب کی یہ ایک نظم آج ہدیۂ ناظرین ہے، ایران کے قیام کا اثر زبان کے محاورات اور روزمرہ پر بالکل نمایان ہے،

شتربانا بیا بربند محمل — کہ دارم عزم خاکِ پاکِ بغداد
چہ بغدادی کہ معروفِ جہان بود — بہ باغِ علم و فضل و دانش و داد
بسے خون خوردم اندر خطۂ رے — بسے دیدم ز جورِ چرخ و بیداد
چہ می پرسی ز من از مردمانش — کہ چشمِ دہر چہرِ شان مبیناد
ہمہ خورشید رخسارند و مہ رو — ہمہ حوری نژادند و پری زاد
نگویم مردمان بے کمالند — ندارند از برای زندگی زاد
ولے افتاد دور از آدمیت — خداوندا بہ این مردم چہ افتاد
شد از کردارِ شان ویرانہ ایران — ز خاکِ ناصری تا استرآباد

مرا با نیکوانش وقت خوش بود — ولیکن این شنیدستم ز استاد

ہر آنجائیکہ شد دوراز طبیعت — کہ می تازند مردم رو بہ افساد

نباشد آن سزا وارِ خردمند — نباشد در خورِ مردانِ آزاد

در آن روزے رسد شمشیرِ چنگیز — دیا طوفانِ نوحؑ و صرصرِ عاد

طبیعت مادری نامہربان است — طبیعت را خدا طینت چنین داد

چو آتش در فتد اندر نیستان — دہد خشک و ترش را پاک برباد

ہوائے آن محیط است آدمی سوز — کہ فرد ر دنیش باشد ہمچو مُرداد

نباشد زندگی شیرین بہ شہری — کہ خسرو را کند ہم سنگِ فرہاد

ز ہر مردمی پاکیزہ گوہر — کہ کارشان بخاکِ رہ بیفتاد

ندارم چارۂ جز اینکہ گویم — کہ لطفِ حق ہمیشہ یارِ شان باد

خیالِ حسرت

خود بینیٔ تو بسکہ بہ تمکین برابر است — فریادِ من بہ شکوۂ رنگین برابر است

آیندہ وعدہائے وصالِ تو شوق را — در تازگی بہ لطفِ نخستین برابر است

کفرم گرت خوش است بایمان ماچہ کار — پیشِ من ارمغانِ دل و دین برابر است

اظہارِ امتنانِ تو بر ترکِ عشقِ من — در پردہ بانہایتِ نفرین برابر است

پائینِ بزمِ عیشِ تو ام گوشۂ بخاک — با صد ہزار بستر و بالین برابر است

تاریک بختِ من کہ مرا ناز ہا بر وست — با گیسوئے سیاہ خودت بین برابر است

حسرت برائے بلبلِ ناکام در چمن
شکرِ بہار و شکوۂ گلچین برابر است

انوارِ معارف

از

سید ماجد علی صاحب، بی اے، ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ ورئیس الہ آباد متخلص ماجد

سمٹ کے عالم کا نور زاہد مری جبین نیاز مین ہی
ازل کا افسانہ تا قیامت کسی کی زلفِ دراز مین ہے

ازل سے ہے ایک ربط پنہان، کوئی گدا ہو کہ بادشاہ ہو
وہی ہی محمود کی جبین پر شکن جو زلف ایاز مین ہے

ازل کا نغمہ ہے اب بھی جاری، سنے اگر گوش دل سے کوئی
چھڑا ہی اب تک وہی ترانہ، جہان اُسی سوز و ساز مین ہے

ہزار پہلو سے دل ہمارا کسی پہ قربان ہو رہا ہے
رکوع بھی ہین سجود بھی ہین، نمازی اپنی نماز مین ہے

بس اک یہی راز مستقل ہے جہان مین گر ہے تو بس دل ہے
جو کچھ بھی ہی دل مین آدمی کے وہ صرف دل کے گداز مین ہے

زمانے بھر مین ہی اوس کا جلوہ کبھی کسی جا کبھی کسی جا
کبھی ہے بالائے طورِ سینا کبھی دیارِ حجاز مین ہے

ہر ایک برگ و گل و ثمر کو نگاہِ کامل سے دیکھو ماجد
عجیب اک عالم حقیقت نہان حجابِ مجاز مین ہے

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کی ترقیان اور تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہو گئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

طاہرہ یہ اُردو کے مستند اُستاد جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کا جدید ناول ہے، اس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانون اور عیسائیون مین باہمی میل جول، کھانا پینا، رہنا سہنا مذہبًا جائز ہے، ناول کا پلاٹ اس فرضی داستان پر قایم کیا گیا ہو کہ مولوی عزیز اللہ کا لڑکا ولی اللہ فرنگی محل مین پڑہتا تھا مولوی صاحب رزیڈنسی مین ملازم تھے، اون کے تعلقات کپتان مکنتاش سے نہایت اچھے تھے، جن کی میم صاحبہ مولوی صاحب کے یہان برابر آتی جاتی تھین، جن سے اون کی بھتیجی طاہرہ انگریزی اور عربی پڑھتی تھی، مولوی صاحب نے اپنی بھتیجی کا عقد اپنے بیٹے سے کرنا چاہا، مگر اوس نے ملا معین الدین فرنگی محلی کے فتوی کے بموجب انکار کردیا، باپ نے بیٹے کو مجبور کرنا چاہا، مگر بیٹے نے ترک وطن کردیا، جس کے غم مین مولوی صاحب اور اون کی بیوی دونون مرگئے، طاہرہ کی پرورش کپتان صاحب نے کی، اپنی زندگی کے آخر مین کپتان صاحب نے اپنا سارا ترکہ طاہرہ کے حق لکھ دیا، ولی اللہ چند دنون کے بعد ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرکے واپس آیا، وہان مسلمانون اور عیسائیون کے باہمی میل جول کی کیفیت دیکھکر اس کے خیالات بدل چکے تھے، آخر مین ملا معین الدین کو بھی اپنے فتوی سے رجوع کرنا پڑا، اور ان دونون کا نکاح خود ملا معین الدین نے پڑھایا" رزیڈنٹ صاحب بہت خوش ہوئے، خصوص اس امر سے کہ مسیحیون سے تعلقات معاشرت ترک کرنا جو ہندوستان کے علما رکے نزدیک دین و مذہب کا بڑا ضروری مسئلہ تھا، ولی اللہ نے ممالک اسلام مین پھر کر اور بڑے بڑے علمار سے پوچھ کے اوس کے خلاف فیصلہ کیا" افسانہ دلچسپ ہی، اور حضرت شرر کی عام تصنیفات کی عام صف، مین داخل ہی، مگر ہمین صرف اتنا عرض کرنا ہو کہ اس ناول کی ضرورت آج نہین، آج سے تیس چالیس برس پہلے تھی، قیمت عہ

پتہ منیجر دلگداز، محلہ کڑہ بزن بیگ خان، لکھنؤ،

پیغام محمدی حصہ اول یہ کتاب ہمارے مخدوم مولانا سید محمد علی سابق ناظم ندوۃ العلما کی تصنیف ہی، جس کو اونھون نے پادری صفدر علی کے نیاز نامہ اور پادری ٹھاکر داس کے رسالہ عدم ضرورت قرآن کے جواب مین محققانہ دلائل اور مہذب انداز مین تصنیف کیا تھا، پہلی مرتبہ ۱۳۰۰ھ مین یہ کتاب شائع ہوئی تھی، اب پھر گیا کے ایک بزرگ نے اِس کے پہلے حصہ کو شائع کیا ہی، اِس کتاب مین پادریون کے اوس مشہور اعتراض کا جواب دیا گیا ہو کہ جب قرآن کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہی تو پھر جدید کتاب قرآن کی کیا ضرورت ہی، کتاب مبسوط ہی، خلاصہ مباحث یہ ہو کہ، تصدیق یا تعریف و توصیف کا مطلب یہ نہین ہوتا کہ تمام جزئیات کو تسلیم کر لیا جائے، قرآن شریف بائبل کے پورے مجموعہ کی تصدیق نہین کرتا، توراۃ (اسفار خمسہ) اور زبور کو چھوڑ کر عہد عتیق کے بہت سے رسائل غیر نبی کے ہین، بعض کتابین انبیا کی طرف منسوب کی جاتی ہین، اون کی اندرونی شہادتون اور بعض پادریون کے اعتراف کو سنداً پیش کر کے ثابت کیا ہو کہ یہ کتابین جنکی طرف منسوب کیجاتی ہین ان کے بعد تصنیف کیگئی ہین، زبور کے ۱۲ ابواب کے علاوہ دیگر ابواب باتفاق دوسرون کے لکھے ہین توراۃ کے اسفار خمسہ کے علاوہ چھ کتابین اور ہین جو حضرت موسیٰ کیطرف منسوب کیجاتی ہین، ان پانچ کو ترجیح دینے کی کوئی تاریخی دلیل موجود نہین، علاوہ برین ان پانچ کتابونکی اندرونی شہادتون سے واضح ہو کہ ان مین بھی الحاق ہوا، قرآن مجید اہل کتاب کے جن عقائد کی تردید کرتا ہی ان سے اکثر یہ کتابین مبرا ہین، عقیدۂ تثلیث کا مدار یوحنا ۵ ورس ۷ پر ہی کہ تین ہین جو آسمان پر شہادت دیتے ہین، باپ، کلام اور روح القدس خود پادریون کو اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہی کہ یہ عبارت قدیم نسخون مین نہین ملتی: عقیدہ کفارہ سے بھی کتب سابقہ منزہ ہین، ان کی تعلیمات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مدار نجات عمل اور توبہ پر ہے آخر مین قرآن اور کتب سابقہ کی مماثل تعلیمات کا مقابلہ کیا گیا ہے اور اسلام کی حقیقت اور پیغمبر اسلام کی صداقت کے ثبوت پر کتاب ختم کر دی گئی ہی، ہندوستان مین صداقت حق پرستی، اور سنجیدگی کے ساتھ مناظرہ کرنے والون کی کمی نہین لیکن مولانا محمد علی ان بزرگون مین ہین جنکی نظیر صرف قرون سابقہ مین مل سکتی ہے۔

پتہ :- مطبع رحمانیہ مخصوص پور مونگیر

عدد چہارم	ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء	مجلد سیزدہم

مضامین

شذرات

سیرۃ نبوی جلد سوم کے ۵۰۴ صفحے چھپ چکے ہین، اور ابھی سو سوا سو صفحون کے قریب چھپنا باقی ہے، خیال تھا کہ اپریل تک چھپائی ختم ہوجائیگی، مگر مشکل یہ آن پڑی کہ سیرۃ کا کاغذ قسم اول ختم ہوگیا، اور لکھنؤ، بنارس اور کلکتہ کے کاغذ فروشون کے پاس ملتا نہین، ایک مہینہ سے کوشش جاری ہے، مگر اب تک کامیابی نہین ہوئی، اور کام رُکا پڑا ہے،

ہمارے مخدوم مولنا حبیب الرحمان خان شروانی نے شاید بیس برس ہوے کہ ندوۃ العلماء کے ایک اجلاس مین نابینا علمار نام ایک رسالہ لکھکر پیش کیا تھا، جس مین تاریخ و رجال کے ہزارون صفحات الٹکر کچھ ایسے علمار کے حالات فراہم کیے تھے، جو گو نور بصارت سے محروم تھے مگر اُنکے علم و بصیرت کی آنکھین روشن تھین، مگر اب حال مین احمد زکی پاشا مصری نے آٹھوین صدی کے ایک مصنف صلاح الدین صفدی کی تصنیف نکت الہمیان فی نکت العمیان کا پتہ لگایا اور اُسکو چھاپ کر شائع کیا ہے، یہ پوری کتاب جسکی ضخامت ۳۰۰ صفحات ہے، ۳۲۰ نابینا مشاہیر کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، واقعی حیرت کے ساتھ عربی کی اس ضرب المثل کی تصدیق کرنی ہوتی ہے کہ کم ترک الاول للآخر، یعنی اگلون نے پچھلون کے لیے چھوڑا ہی کیا ہے؟

دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، قدیم عربی کتابون اور خصوصًا حدیث و متعلقات

حدیث کی کتابون کی اشاعت مین جو قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے، انکا جواب ہندوستان تو کیا، مصر و قسطنطنیہ بھی نہین دے سکتے، اسکی مطبوعات کی تفصیل تو فہرست سے معلوم ہوگی جو اس رسالہ کے ساتھ ہے، مگر اس وقت اسکی سب سے نئی کتاب **مستدرک حاکم** کا تذکرہ کرنا ہے، جو علم حدیث کی ہمیشہ ایک نادر تالیف سمجھی گئی ہے، لیکن عام شایقینِ علم کا دست طلب کبھی اس تک پہنچ نہین سکتا تھا، دائرہ نے چند سال سے اسکی طرف توجہ کی ہے اور اس وقت تک اسکی تین جلدین شایع کرچکا ہے، اب صرف ایک جلد اسکی اور باقی ہے، اس عظیم الشان خدمت کے انجام پر دائرۃ المعارف کو جس قدر مبارکباد دیجائے وہ کم ہو کہ اس نے اہل علم کے ہاتھون مین احادیث و اخبار کا ایک بیش بہا ذخیرہ رکھدیا ہے،

اس مین شک نہین کہ دائرہ کی چھپائی، ٹائپ اور صحت نے ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس مین متعدد چیزون کی کمی محسوس ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ کاغذ اس سے اچھا لگنا چاہئے، دوسرے یہ کہ ٹائپ کے ابھرے ہوئے حروف کو برابر اور مسطح کرنیکا آلہ استعمال کرنا چاہئے، تیسری چیز جو سب سے اہم ہے وہ کتابون مین مفصل و متنوع فہرستون کا اضافہ ہے جسکو انگریزی مین انڈکس کہتے ہین، اور سنا ہے کہ حیدرآباد کے وضعِ اصطلاحات کے محکمہ مین اسکا نام "کشافیہ" رکھا گیا ہے،

ہندوستان کی مرکزی حکومت مغلیہ کی تباہی کے بعد، حکومت برطانیہ کا یہ احسان واقعی قابل تسلیم ہے کہ اس نے ہندوستان کے متفرق اجزائے حکومت کو ایک متحدہ مرکزی حکومت کی صورت مین بدل دیا، جس سے تمام ہندوستانی ایک قوم، اور پورا ہندوستان ایک ملک ہوگیا، لیکن جہان سیاسی حیثیت سے ہندوستانی ایک قوم اور ہندوستان ایک ملک ہوگیا، وہین

برطانی طرز حکومت کی یہ ستم ظریفی بھی نہ بھولے گی کہ اس نے اپنے استقلال و استحکام کے لیے ایک ایک فرقہ کو مستقل قوم اور ایک ایک صوبہ کو مستقل مملکت بنا دیا، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستان مین ایک قوم نہین سینکڑون قومین آباد ہین، اور یہان ایک ملک نہین، بیسیون ملک قائم ہین، اب جس راستہ پر صوبون کے نظم و نسق کی گاڑی چلائی جارہی ہے، اسکا خاص منشا تو یہ ہے کہ آگے چلکر ہر صوبہ ایک مستقل مملکت اور حکومت بنجائے، تاکہ کبھی متحدہ ہندوستان کا خواب بھی ہندوستان کو نظر نہ آئے، ہر جگہ ایک فرمانروا ہی اور ہر جگہ الگ الگ اسکے وزرا ہین اور ہر صوبہ کے الگ الگ حقوق ہین، ہر صوبے کے باشندے دوسرے صوبونکے حقوق سے محروم ہین، اور اس طرح ایک "پراونشلزم" کی بنیاد ڈالی جارہی ہے، اور یہ عین اس وقت جب یورپ کے مصلحین تمام دنیا کو ایک وطن بنانیکی کوششون مین لگے ہین،

خیر سیاسی حیثیت سے یہ کاروائی کچھ بھی ہو، لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ انھین جذبات کی ترقی اور نشو و نما علمی اور تعلیمی صیغون مین بھی دیجارہی ہے، ہر حلقۂ انتظام مین ایک ایک مستقل یونیورسٹی بنائی گئی ہے اور یہ قدغن ہے کہ اس یونیورسٹی کی چہار دیواری کا آدمی دوسری یونیورسٹی کے حدود مین داخل نہ ہونے پائے، صوبۂ متحدہ کا باشندہ کلکتہ یونیورسٹی مین نہین جاسکتا، بنگال کا آدمی پنجاب مین نہین پڑھ سکتا، (الا ما شاء اللہ) غرض اسی طرح ہر یونیورسٹی ایک مستقل اور علیحدہ مملکت ہی، اب انتہا یہ ہے کہ لکھنو مڈیکل کالج مین بہاری نہین داخل ہوسکتے اور بہار انجینیرنگ کالج مین پنجابیون کو جگہ نہین دیجاسکتی، کیا یہی وہ مرکزی اتحاد ہے جو برطانی نظم و نسق کے زیر سایہ ہندوستان کو ملا ہی،

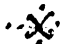
خبر ہے کہ حضور ویسرائے کم از کم یونیورسٹیون کی اس باہمی بے تعلقی اور بیگانگی سے بہت متاثر ہین، اور شملہ کی چوٹیون پر ہر یونیورسٹی کے نمایندون کو ملا کر انکا باہم تعارف کرایا جائیگا اور

اس طرح دکھانے کے لیے دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ پر ہندوستان کے علمی و تعلیمی اتحاد کی ایک ایسی نمائشی عمارت کھڑی کیجائیگی جو نظر تو سب کو آئیگی مگر وہان تک کوئی پہنچ نہ سکے گا،

رحم اور غضب ان دونون کیفیتون کا یکجا تماشا دیکھنا ہو تو روس کی مملکت کو دیکھو یہ جذبۂ رحم ہی تھا جس نے اہل روس مین امرا کی حکومت کے بجائے غربا، اور مزدورون کی حکومت کے قائم کرنے کی تحریک کی، مگر اس راہ مین غیظ و غضب، خونریزی و سفاکی، قتل و غارت کی کونسی شکل نمایان نہین ہوئی ہے، اس بیرحمی کا آخر منظر یہ ہے کہ بالشویک روس اپنے ملک کے علما اور پروفیسرون کی ایک کثیر تعداد کو پھانسی دینے کا حکم جاری کر چکا ہے، جنکا شاید قصور یہ ہوگا کہ وہ علمی حیثیت سے بالشوزم کے نظریہ کو انسانیت کے لیے مفید نہ جانتے ہون، فرانس کے اہل علم طبقہ نے اس بیرحمی کے خلاف صدا بلند کی ہے، اور چاہتا ہے کہ دنیا کی تمام علمی برادری اس باب مین روس کے علمی خدمتگذارون کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرے،



موجودہ تمدن کا یہ حال ہے کہ سیاست اور پالیٹکس ہر چیز کے اندر داخل ہوگئی ہے یہان تک اس کلیہ سے علم بھی مستثنیٰ نہین، یہ فیصلہ مشکل ہے کہ روس کی حکومت واقعی اس درجہ بیرحم ہوگئی ہے، یا یہ کہ فرانس دنیا کے علمی طبقہ کے روسی پروفیسرون کے ساتھ رحیمانہ جذبات کو مشتعل کرکے، خود اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے،



دنیا کے کسی گذشتہ واقعہ کا ثبوت، صرف شاہدون اور گواہون پر مبنی ہے، لیکن اگر گواہ و شاہد سچ نہ بولین، اور اظہار حقیقت پر آمادہ نہ ہون تو اونکو کس طرح سچ بولنے پر آمادہ

کیا جاسکتا ہے، یا کس طرح ان کے اظہارات کی نسبت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے، کہ وہ سچ ہین یا جھوٹ، امریکہ کے موجدون نے اس حقیقت کی بنا پر کہ انسان خواہ کسی قدر جھوٹا اور دروغگو ہو، جھوٹ بولتے وقت یقیناً اس کی نفسانی کیفیت اندرونی طور سے متاثر ہوتی ہے جس کو وہ دباتا ہے اور ابھرنے نہین دیتا، یہ کوشش کی ہے کہ کسی آلہ کے ذریعہ سے اس کیفیت کو اسطرح نمایان کیا جائے کہ وہ دوسرون کو بھی نظر آجائے، اور معلوم ہوجائے کہ جھوٹ ہے،

اس قسم کے متعدد تجربون کی خبرین آتی رہی ہین، اب حال مین ڈاکٹر آر، ای ہاوس نے دعویٰ کیا ہے کہ انھون نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے، جو مجرمون سے خود انکی زبانی انکے تمام جرائم کا اقرار کرائیگی، اور اس دوا کا خوف جرائم اور فریب کاریون کے لیے سدباب ثابت ہوگا انھون نے اس دوا کا نام "روح صداقت" رکھا ہے، یہ دوا سوئی کے ذریعہ سے مجرم کے بدن مین داخل کیجاتی ہے جس کے اثر سے مجرم پر نیند غالب آجاتی ہے، لیکن اسکا حافظہ، قوت سمع، اور قوت تکلم بیدار رہتی ہے، اس سے سوالات کیے جاتے ہین، اور وہ انکا صحیح جواب دیتا ہوا چلا جاتا ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس دوا کا مختلف اشخاص پر کامیاب تجربہ بھی کیا ہے،

اس خبر کو پڑھکر ہم کو بے اختیار قرآن مجید کی یہ آیت یاد آئی،

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یٰس) آج (قیامت کے دن) ہم ان مجرمون کے منھ پر مہر کر دینگے (کہ جھوٹ بول سکینگے) اور انکے ہاتھ ہمسے (سچی سچی باتین) بولینگے اور انکے پاؤن ان کے کرتوتونکی گواہی دینگے

امریکہ کی اس حیرت انگیز ایجاد پر تو لوگ بے چون وچرا ایمان لے آتے ہین، لیکن جب اسی قسم کے ایمان کا مطالبہ اون سے کوئی آسمانی کتاب کرتی ہے تو اندر سے ان کے دل تکذیب کے

کے لیے بیقرار ہو جاتے ہین، گراموفون، اور فونوگراف کی بیجان لکڑیان اور دھاتین اگر تم سے باتین کرتی ہین، تو تم کو یقین نہین کہ تمھارے ہاتھ پاؤن کے ریکارڈ موسیقار ازل کے ہاتھون مین ایک دن ساز کی طرح بجینگے اور بولین گے،

اس مین شک نہین کہ موجودہ تحریک سے پہلے، ہندوستانی مسلمانونکی یہ دلی خواہش تھی کہ گورنمنٹ اوقاف اسلامی کی نگرانی اپنے ذمہ لے لے، چنانچہ مسلم لیگ نے اس کے لیے کچھ کوششین بھی کین، مولوی عزیز مرزا مرحوم کو گورنمنٹ کی طرف سے سنا ہے اس وقت یہ جواب ملا تھا کہ گورنمنٹ مذہبی مداخلت نہین کرنی چاہتی، اور علاوہ ازین پہلے اس کے لیے مسلمانونکی متفقہ خواہش تو ظاہر ہونا چاہئے اب یک بیک سنہ ۱۹۲۳ء مین ہم کیا دیکھتے ہین کہ مذہبی مداخلت کے خطرہ کا اور مسلمانون کی متفقہ خواہش کے اظہار کا خیال کیے بغیر ایک قانون اوقاف تیار ہے اور حکومت اپنی غایت کرم اور رعایا پروری سے اسکی نگرانی کو آمادہ ہے، یکایک اس انقلاب حال کی کوئی وجہ سمجھ مین نہین آئی،

مگر کل ڈاک سے ہمارے پاس "علی گڈھ" سے ایک مطبوعہ تحریر وصول ہوئی ہے جس مین یہ ہدایت ہے، کہ مسلمانون کو چاہئے کہ "ہر جگہ جلسے کرکے گورنمنٹ کو تار دین کہ اس جگہ کے مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہین کہ سنہ ۱۹۲۳ء کے قانون اوقاف کا اس صوبہ مین جلد سے جلد نفاذ شروع کردیا جائے" اس تحریر سے تمام واقعات ہمارے سامنے روشن ہوگیے، اور ہم نے "دلالون" کے نام پڑھ کر "کمپنی" کے قیام کے اسباب معلوم کرلیے، کم ازکم اتنا فائدہ تو اس سے ہے کہ اس تدبیر سے حکومت موجودہ اور عام مسلمانون کے درمیان جو رضامندانہ تعلقات نہین، یا ایک بیگانگی سے آگئی ہے، اس عرض ومعروض، اور پیام و درخواست کے نیم و نیاز کی تقریب سے کچھ نہ کچھ تو اس مین کمی آئیگی، اور باہمی حجاب کم ہوگا اور اس طرح ٹوٹے ہوئے

روابط پھر جڑنے شروع ہوجائین گے،

اس مین شک نہین کہ متولی اوقاف کی آمدنی کو ذاتی اغراض مین صرف کرتے ہین، مگر شاید اس اعتراض سے حکومت بھی بری نہین خیال کیجاتی، جن اوقاف یا کورٹ آف وارڈس کی نگرانی حکومت کے ہاتھ مین ہے، کیا اوس کے محاصل گورنمنٹ آدردون کی پرورش، وفادارون کے انعام واکرام، قرضہ ہائے جنگ، اور دیگران مدون مین صرف نہین کردیجاتی ؟ جن کے لیے حکام ضلع یا حکام صوبہ کے سرکاری بجٹ مین رقم نہین ہوتی، بصورت اثبات کیا یہ خوف بے محل ہے کہ اس کشادہ دستی کا رقبہ آیندہ وسیع سے وسیع تر نہ ہوجائیگا ؟ ذرا اس خطرہ کو تو دور کیجیے،

بہرحال چونکہ یہ قانون صوبہ متحدہ کی کونسل مین ۵۴ مدایون کی موافقت سے منظور ہوا ہے اور صرف ۸ رائین اسکی مخالفت مین تھین، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کا جذبہ بااین ہمہ سیاسی مشکلات وعوائق یہ ہے کہ وہ اوقاف کی بدنظمیون سے اس قدر تنگ آگیا ہے کہ وہ انکی نگرانی اور حفاظت کی ہرممکن کوشش کو کرنے کے لیے آمادہ ہے، بعض گوشون سے اس قانون کی مخالفت کی بھنک بھی آرہی ہے، مگر یہ وہی گروہ ہے، جواس قانون کے روسے مدعاعلیہ ہے، یعنی متصرفین اوقاف، مگر اسکی پروانہ کرنی چاہیئے، کہ

غزیو دعربدہٗ واعظان تلخ نوا
زمستی است کہ درلقمہائے اوقافست

مقالات

"سیرۃ نبوی کی ایک نظر"
پر
نظر

از سید سلیمان ندوی

ہماری یہ دل سے خواہش تھی کہ کوئی صاحب نظر سیرۃ نبوی پر صحیح تنقید لکھکر ہمکو ممنون کرم فرمائین تاکہ اپنی لغزشون پر ہمکو اطلاع ہو سکے، اور کتاب مذکور کے دوسرے طبعات مین انکی اصلاح وترمیم ہو سکے، سیرۃ کی پہلی جلد جب شائع ہوئی تو متعدد ارباب علم (جن مین مولٰنا سورتی بھی داخل ہین) نے اپنے نجی کے خطوط مین ہمین اپنے مشورون سے مرہون کیا، اور بعض اتفاقی اغلاط کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ مراجعۂ کتب اور تحقیق کے بعد جو باتین ان مین قابل قبول تھین، سیرۃ کے دوسرے اڈیشن مین انکی تصحیح کر دیگئی، یہ غلطیان زیادہ تر لفظی تھین یا مطبعی تھین،

جن لوگون کو چھپائی کا ذاتی تجربہ نہین، انکو مصنف کے ساتھ واقعی ہمدردی نہین ہو سکتی، جب ایک لفظ یا فقرہ، کسی سطر یا صفحہ مین مکرر ہوگا، کاتب لامحالہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر پہنچ جائیگا یہ ہمارا ایسا تجربہ ہے جس مین کبھی غلطی نہین ہوئی، بہرحال یہ پردرد داستان ہمارے ہی برابر برابر تقریبا ہندوستان کا ہر صاحب قلم اور صاحب مطبع جانتا ہے، اس لیے اسکو بڑھانیکی حاجت نہین، بہرحال اس کلیہ سے سیرۃ نبوی بھی مستثنی نہین، چنانچہ طبع اول کے خاتمہ مین غلط نامہ کے ساتھ اور بہت سے

اغلاط کے رہجانیکی معذرت شامل ہی، مولنا سورتی کا جو کرامت نامہ ۱۳۳۶ھ مین میرے پاس آیا تھا اس کے جواب مین ہم نے انکو اسی زمانہ مین لکھدیا تھا کہ آپکے بھیجے ہوئے اغلاط اور جو دوسرون نے لکھکر بھیجے ہین انکی تصحیح دوسری اشاعتون مین کردیجائیگی، چنانچہ سیرت کے دوسرے اڈیشن مین یہ حتی الامکان کردیگئی، اور سیرۃ جلد اول طبع دوم کے دیباچہ مین اسکا اظہار بھی ان الفاظ مین کردیا،

"ہندوستان مین اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا، جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد مین سیرۃ کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اسکی آیات قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اسکی حدیثین جانچین، ادیبون نے اس کے عربی اشعار اور ترجمون پر نقد کیا، علمائے انساب نے اسمار کی تنقیح کی، منجمون اور حساب دانون نے اوسکے زائچون اور تاریخون پر نظر ثانی کی، اہل تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پرتال کی، اور ہم ممنون ہین کہ نہایت خلوص و محبت سے انھون نے اپنے نتائج افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا"

"طبع اول مین جیساکہ خاتمہ مین ہم نے اقرار کیا تھا، چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے، اس طبع مین جہان تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کیگئی ہے، اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرۃ پر نقد کرنا چاہتے ہون، انکو یہی نسخہ پیش نظر رکھنا چاہئے"

لیکن افسوس ہے کہ مولنا سورتی نے ہمارے اعلان اور اطلاع کے باوجود ادھر توجہ نہ کی اور ۱۳۳۶ھ کے لکھے ہوئے مضمون کو ۱۳۴۲ھ مین چھپوائے بغیر ان کو قرار نہ آیا، چنانچہ رسالہ جامعہ کے فروری نمبر مین وہ چھپکر شایع ہوا، ابھی مولنا کو کتابون کی چھپائی کا ذاتی تجربہ نہین، شاید جامعہ کا یہ مضمون، انکی عمر کا پہلا اردو مین چھپا ہوا مضمون ہو، یہ مضمون ساڑھے پانچ صفحون کا ہے، باایں ہمہ وہ اسکو قرآن، حدیث، ادب اور نسب کے اغلاط سے محفوظ نہ رکھ سکے، چنانچہ فہرست[1] ذیل دیکھئے

[1] دیکھیں کاتب صاحب خفا ہو کر اس مین کیا تصرفات کرتے ہین،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت غلطی
۲۲	۱۰	ابن السُنی	ابن السنی	نام کی غلطی
۲۳	۸	نہ تو اشتقاق	نہ توہم اشتقاق	ادب کی غلطی
۲۳	۱۰	والقائمی	والقائمین	قرآن کی غلطی
۲۳	۱۵	واضدع	واصدع (حسب سیرۃ)	//
۲۳	۲۰	ولد سعید بن المسیب	والد سعید بن المسیب	نسب کی غلطی
۲۴	۷	زبیری	زبیر (حسب سیرۃ)	نام کی غلطی
۲۴	۱۴	پرونکم	یرونکم	قرآن کی غلطی
۲۵	۱۴	الذی سیرقھمین نہین	آپ نے بڑھا دیا	غلط نسبت
۲۵	۱۲		الامی چھوڑ دیا	قرآن کی غلطی
۲۵	۱۶	یہ سب خلاف واقعہ اور صحیح روایات	واقعہ اور صحیح روایات کے خلاف	بے معنی عبارت
۲۶	۱۹	۳۸ھ	۴۳۸ھ	

غور کیجئے کہ ان چند صفحون کے مضمون مین حضرت نقاد ہر قسم کے دس اغلاط کے مرتکب ہوئے تو ساڑھے چار سو صفحون پر پھیلی ہوئی کتاب مین اغلاط کا رہجانا کیا مشکل ہے؟

مولانا نے نمبروار ۳۰۹ غلطیان دکھائی ہین جن کے متعلق ان کا یہ گمان ہے کہ "جن مین تاویل کی گنجائش بہت کم ہے اور بحث کا موقع کالعدم ہے" لیکن ان ۳۰۹ مین سے حسب ذیل ۱۰۸ اغلاط کی نسبت ہر لکھا پڑھا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتابت اور طبع کی غلطیان ہین، جن سے مجبوری ہے، مولنا سورتی سے جیسے فاضل سے یہ امر بہت بعید ہے کہ وہ مطبع کے اغلاط کو جانکر مصنف کی طرف منسوب کردین،

	غلط	صحیح
۱	کفیٰ للمرء	کفیٰ بالمرء
۲	ابن التبی	ابن السنّی
۳	ایک آیت میں لفظ "والقائمین" کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے،	
۴	مجاہد بن جبیر	مجاہد بن جبر
۵	تمیم	تیم
۶	عمر بن العاص	عمرو بن العاص
۷	واصدع	فاصدع
۸	نبہان	تیہان
۹	زبیر	جبیر
۱۰	خشعم	جبشم
۱۱	لنعلم ممن ینقلب،	لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب
۱۲	لقد	قد
۱۳	ذلک بانهم شاقوا الله ورسوله فان الله	ذلک بانهم شاقوا الله ورسوله ومن یشاقق الله ورسوله فان الله
۱۴	الذین یتبعون النبی الامی	الذین یتبعون الرسول النبی الامی
۱۵	اعد للمحسنین منکن	للمحسنات منکنّ
۱۶	منذر بن عمر، طفیل بن عمر	منذر بن عمرو، طفیل بن عمرو
۱۷	ابو قالی	ابو علی قالی

۱۸	لا یرقبون فی مومن الّا ولا ذمۃ انھم لا ایمان لھم	لا یرقبون فی مومن الّا ولا ذمۃ انھم لا ایمان لھم

چونکہ مقصود صرف یہ دکھانا تھا کہ کفار کی قسم کا اعتبار نہین، اس لیے صرف اتنے ہی الفاظ لیے گئے، اور بیچ کے الفاظ چھوڑ دیے گیے ہین، یہ کوئی کفر نہین، فسق نہین، حرام نہین، اس مین غلطی کتابت کی اسی قدر ہے کہ انھم لا ایمان، کو الگ سطر مین لکھنا چاہیے تھا ویسے نہین لکھا،

بحمد اللہ کہ ان تمام مطبعی اغلاط سے طبع دوم پاک ہی، ممکن ہے کہ اور دوسرے طبع کے اغلاط پیدا ہو گئے ہون، ہمارے دوست اسکی بھی تصحیح کر دین تو خاص کر میری ذات پر احسان ہو، مگر آخر یہ تسلسل کب تک قائم رہے گا؟

اب معنوی اغلاط کی طرف توجہ کرنی چاہیے،

۱- مولنا شبلی نے لکھا ہے کہ "توراۃ (یعنی موجودہ توراۃ) حضرت موسی کے تین سو برس بعد وجود مین آئی" سورتی صاحب کہتے ہین "یہ غلط ہی، بلکہ انجیل کا تین سو برس کے بعد انتخاب ہوا"، سورتی صاحب کا کیا مقصد ہے؟ آیا یہ کہ نہین توراۃ حضرت موسی کے زمانہ ہی مین موجود تھی یا یہ کہ تین سو برس بعد نہین، بلکہ اس سے کم وبیش بعد، اگر پہلا مقصد ہے تو اسکی تردید کے لیے مسلمانونکی لکھی ہوئی کتب مناظرہ کافی ہین، بلکہ خود عیسائیون کا اقرار کافی ہے، اور اگر دوسرا مقصد ہے تو مصنف کے نظریہ کے خلاف نہین، مصنف کا مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت موسی کے حالات ان کے سینکڑون برس کے بعد ترتیب مین آئے (دیکھو انسائکلو پیڈیا برٹانیکا) مضمون بائبل جلد ۳ صفحہ ۵۰۱ (طبع ۱۱) اس مین حضرت عیسی سے نو دس سو برس پہلے اسکا مرتب ہونا لکھا ہے، اور حضرت موسی اس سے کئی سو برس پہلے تھے،

(۲) سورتی صاحب دوسری غلطی یہ نکالتے ہین کہ "بکہ کے معنی رونے کے اور اسکو بکار

کے ہم معنی سمجھنا غلط اور خلاف لغت ہے، (صفحہ ۱۰۸) بکہ کے معنی ازدحام اور اجتماع کے ہین"

سورتی صاحب سے اس موقع پر حد درجہ غلط فہمی ہوئی ہے، یہان اس "بکہ" کے لفظ کی بحث نہین ہے جو قرآن مین ہے، بلکہ اس بکہ کے لفظ کے متعلق بحث ہے جو زبور مین ہے، زبور مین وادی بکہ کا لفظ ہے، بکہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مشابہ اور ہم معنی لفظ عربی مین بکا ہے، اور اسی لیے زبور کی اس آیت کا ترجمہ علمائے اہل کتاب نے "رونے کا میدان" کیا ہے، اور مولانا نے اسکی تردید کی ہے، اصل عبارت یہ ہے، ہر صحیح النظر سمجھ سکتا ہے کہ یہ غلطی لکھنے والے کی ہے کہ سمجھنے والے کی

"اس (زبور) کی عبارت مین بکہ کا جو لفظ ہے، یہ وہی مکہ معظمہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کو اس علم کے بجائے مشتق قرار دین تو اس کے معنی (عبرانی مین) رونے کے ہونگے اور یہ وہی عربی لفظ بکا ہے، چونکہ یہود و نصاری ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے ہین، اس لیے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکور مین بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے، لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت مین وادی بکا کے کیا معنی ہونگے؟" (صفحہ ۱۰۸)

غور کیجئے بات کیا تھی اور معترض صاحب کیا سمجھے؟

(۳) "محمد بن اسحاق تابعی ہین، متعدد صحابہ کو دیکھا تھا" انکے تابعی ہونے مین کلام ہے اور انس کے سوا کسی اور کو دیکھنا تاریخ رجال مین مذکور نہین، محض دیکھنے سے تابعی ہونا غیر صحیح ہے"

سورتی صاحب کے اس اعتراض کا ایک حصہ صحیح ہے، متعدد صحابہ کے بجائے، بعض صحابہ چاہئے، باقی یہ کہ صرف دیکھنے سے تابعی ہونا غیر صحیح ہے، قابل تامل ہے، یہ ہمیشہ سے مختلف فیہ بحث ہے، اس کے متعلق قطعیت کے ساتھ غیر صحیح کا حکم لگا دینا، حیرت انگیز ہے،

۴۔ "حضرت ابن عباس کے سامنے جب حضرت علی کے بعض تحریری فتاوی پیش کیے گئے، تو حضرت ابن عباس نے ان کے ماننے سے انکار کر دیا" مولنٰنا کا دعوی ہے کہ ابن عباس

نے نفس مضامین کو دیکھ کر ان کے حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہونے سے انکار کر دیا، اور سند نہیں دریافت کی، سورتی صاحب اپنے الجھے ہوئے طرز بیان مین یہ کہنا چاہتے ہین کہ حضرت علیؓ کی طرف ان فتاوی کی نسبت سے حضرت ابن عباس نے انکار نہین کیا، بلکہ نفس حضرت علیؓ کے، ان فتوون کی صحت سے، یعنی حضرت علیؓ کے یہ فتوے اُنکے نزدیک صحیح نہین تھے، لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ امام مسلم نے سند کی ضرورت و نقد وغیرہ اصول حدیث کے متعلقہ مسائل کے اثبات مین اس واقعہ کو پیش کیا ہے، اگر سورتی صاحب کا مطلب ٹھیک ہوتا تو اس حالت مین اس واقعہ کو امام مسلم کے دعوی کے ثبوت سے کیا تعلق؟ اور پھر اس فتوی کو دیکھکر ادر مٹا کر حضرت ابن عباس کے اس قول کا جو اس کے بعد ہی مذکور ہے کیا مطلب ہوگا؟

واللہ ماقضی بھذا علی الا — خدا کی قسم یہ فیصلہ علیؓ نے نہین کیا ہے،

ان یکون ضلّ (مقدمہ مسلم) — لیکن یہ کہ وہ گمراہ ہوگیا ہو،

اب بتاؤ کہ اس سے یہ مقصود ہے کہ حضرت علیؓ نے فیصلہ غلط کیا ہے، یا یہ مقصود ہے کہ سرے سے ان فیصلون کی حضرت علیؓ کی طرف نسبت غلط ہے؟ گویا سورتی صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ ضرور کیا تھا، مگر وہ فیصلے ابن عباس کی نگاہ مین غلط تھے اور اس لیے وہ گمراہ تھے، نعوذ باللہ

(۵) حضرت عمار بن یاسر کا واقعہ محل بحث سے خارج کیون ہے؟ حضرت عمار تیمم کا واقعہ حضرت عمرؓ سے بیان کرتے ہین، حضرت عمرؓ اس سے انکار کرتے ہین، حالانکہ حضرت عمار کی سند موجود تھی، مگر حضرت عمرؓ محض سند کی بنا پر روایت کو نہین تسلیم کرتے، عام اس سے کہ واقعہ مین حضرت عمرؓ کی شرکت ہو یا نہو، باقی رہا یہ کہ حضرت عمرؓ، حضرت عمار کو اس روایت کے بیان کرنے کی اجازت دیتے ہین، تو یہ اس لیے کہ عمار کی تنہا روایت کے ساتھ ممکن ہے اور سندین اور روایتین ملکر دوسرونکو مفید مطلب ہون، یا دوسرون کے نزدیک انکی بات قابل سند ہو،

۶- سورتی صاحب کہتے ہین "حضرت عباس وحضرت علی کی نزاع بابت فدک کی حدیث کو غلط کہنا لغو ہے" لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لغویت سیرۃ کے مصنف نے نہین کی ہے، بلکہ بعض "اساتذۂ حدیث" نے کی ہے، مصنف کے یہ الفاظ ہین "اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ مین یہ الفاظ نکال دئے ہین" اور اس کے حوالہ مین مصنف نے نووی شرح مسلم کے صفحات پیش کیے ہین، پھر اس غلط بیانی یا غلط فہمی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے کہ مصنف تو یہ لکھتا ہے، کہ "سب وشتم کے ان الفاظ کو اپنے نسخہ سے نکال دیا ہے، اور سورتی صاحب کہتے ہین کہ نفس واقعہ اور حدیث نزاع کو غلط کہا ہے، حالانکہ نزاع کے واقعہ کو کسی نے بھی غلط نہین کہا ہے صرف اس مین سے سب وشتم کے ان الفاظ کو کہ حضرت عباس نے انکو حضرت علی کی شان مین استعمال کیا بعض محدثین نے غلط کہا ہے،

ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

(۷) ابو طالب کے قصیدۂ لامیہ کو "سرتاپا" موضوع بتانا بیشک صحیح نہین ہے، لیکن مصنف نے یہ مبالغۃً لکھ دیا تھا کہ اتنے بڑے قصیدہ مین سے اگر ایک دو شعر کی صحت معلوم ہوئی تو کیا ہوئی تاہم یہ خلاف احتیاط ہے، اس لیے مین نے طبع دوم کے حاشیہ مین یہ لکھدیا ہے: "سرتاپا کے بجائے اکثر کہنا صحیح ہے، کیونکہ اس کے ایک دو شعر صحاح مین بھی مذکور ہے، مثلاً صحیح بخاری وصحیح مسلم باب صلوۃ الاستسقا، خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کرکے لکھا ہے وبعض اھل العلم بالشعر ینکر اکثرھا، یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہین، صفحہ ۱۷۶ اس سے ثابت ہوگا کہ سورتی صاحب کا اس قصیدۂ لامیہ کو تمامتر صحیح تسلیم کرنا بھی درست نہین ہے کیا ابن اسحاق اس بارۂ خاص مین کہ وہ لوگون سے اشعار کہلاکر دوسرون کی طرف منسوب کردیتے تھے، بدنام نہین؟ (دیکھو میزان الاعتدال ۹۲، مصر)

۸- سیرۃ مین ہے کہ مسیّب فتح مکہ مین اسلام لائے، اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے،" سورتی صاحب کہتے ہین کہ یہ دونون دعوے محتاج ثبوت ہین، مسیّب کا فتح مکہ مین اسلام لانا مصعب زبیری کی روایت سے ثابت ہے لا یختلف اصحابنا ان المسیب وابا ہ من مسلمۃ الفتح یعنی "ارباب تاریخ وسیرت مین سے کسی کا اس مین اختلاف نہین کہ مسیّب اور انکے باپ فتح مکہ کے نومسلمون مین ہین" (اصابہ واسد الغابہ) دوسری بات کہ وہ ابو طالب کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے، اس طرح ثابت ہے کہ کتبِ احادیث وسیر مین جہان ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم ابوجہل، ابن امیہ اور حضرت عباس وغیرہ کی موجودگی کے بیانات ہین، وہان مسیّب کا نام نہین، اور خود مسیّب اپنی روایت مین اپنی موجودگی کا اظہار نہین کرتے، چنانچہ جیسا مولانا نے سمجھا ہے ویسا ہی علامہ عینی نے بھی شرح بخاری مین سمجھا ہے اور انھون نے لکھا ہے، کہ مسیّب کی یہ روایت مرسل ہے، یعنی وہ وفات ابی طالب کے وقت موجود نہ تھے (دیکھو عینی شرح بخاری حدیث مذکور) یہ سچ ہے کہ حضرت مسیّب کے صاحبزادہ حضرت سعید کا بیان ہے کہ ان کے باپ فتح مکہ سے دو سال پہلے بیعتِ رضوان مین شریک تھے، مگر اسکی تائید ان کے بیان کے علاوہ کسی اور طریق سے نہین ہوتی، بہر حال وہ کبھی اسلام لائے ہون، وفاتِ ابی طالب کے وقت انکی موجودگی انکی روایت کے کسی لفظ سے ثابت نہین ہوتی، گو انکا زمانۂ اسلام محدثین اور اربابِ سیر کے درمیان مختلف فیہ کیون نہ ہو،

۹- سورتی صاحب فرماتے ہین کہ "اذان کے متعلق بحث نہایت مختصر اور غلط ہے،" اگر غلط ہے تو اسکا مختصر ہی ہونا اچھا تھا، مگر یہ تحکم سمجھ مین نہ آیا کہ آخر وہ غلط کیون ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ ہمارے دوست کے مذاق کے مطابق نہین؟ اذان کے متعلق دو قسم کی روایتین ہین، ایک بخاری ومسلم مین حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ لوگون نے مختلف تجویزین پیش کین حضرت عمر

نے اذان کی تجویز پیش کی، آپ نے حضرت بلالؓ کو بلاکر اسی کا حکم دیا، دوسری روایت ترمذی وغیرہ مین ہے کہ عبداللہ بن زید اور حضرت عمر نے خواب مین اذان کو سنا اور رسول اللہ صلعم سے بیان کیا، آپ نے قبول فرمایا، مصنف نے ان مین سے صحیحین کی روایت اختیار کی ہے، کیا عجیب ہے کہ جب دوسری کتابون کے مقابلہ مین صحیحین کی روایت کو اختیار کیا جائے تو غلط ہونے کا فتویٰ لگایا جائے، اور جب کبھی انکو چھوڑ کر دوسری کتابون کی روایتون کو اختیار کیا جائے، تو ترک صحیحین کا سنگین الزام قائم کیا جائے۔ ع دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنون را،

(۱۰) ان علی اہل اللواء حقاً۔ اہل اللواء کا ترجمہ نیزہ بردار کردیا گیا ہے،

حالانکہ علمبردار چاہئے، صحیح ہے چنانچہ طبع دوم صفحہ ۵۷۴ مین علمبردار ہی ترجمہ کیا گیا ہے،

اسی کے ساتھ فرماتے ہین کہ "علمبرداری کی نسبت صفحہ ۵۷ مین جو بنوامیہ کی طرف کیگئی ہے" وہ سخت تاریخی غلطی ہے،" جناب نے اس غلطی کا کوئی ثبوت نہین پیش کیا، مصنف نے تو اپنے بیان کا حوالہ دیدیا ہے کہ وہ عقد الفرید جلد دوم (کتاب الیتیمہ فی النسب وفضل العرب) سے ماخوذ ہے، علمبرداری تو فارسی لفظ ہے اور ترجمہ ہے، اصل لفظ مصنف نے "عقاب" لکھا ہے جو قریش کا جنگی علم تھا، اور یہ منصب بنوامیہ کو حاصل تھا، عقد الفرید مین ہے،

ومن بنی امیۃ ابوسفیان بن حرب	بنوامیہ مین سے ابوسفیان بن حرب کے پاس قریش
کانت عندہ العقاب رایۃ قریش	کا علم عقاب تھا، وہ جب کسی کے پاس ہوتا تو اوسکو
واذا کانت عند رجل اخرجہا	وہی نکالتا جب لڑائی بہت گرم ہوتی، اور جب
اذا حمیت الحرب فاذا اجتمعت	عرب کسی اور آدمی پر متفق ہوتے تو اسکو عقاب
العرب علی احد اعطوہ العقاب	دیتے، اور اگر کسی اور پر متفق نہ ہوتے تو اسی عقاب
وان لم یجتمعوا علی احد رأسوا	والے (بنوامیہ) کو سردار بناتے اور اس کو

صاجبها فقد موہ (عقد الفرید) آگے کرتے،

اب فرمائیے اس عظیم الشان تاریخی غلطی کا وزن کیا ہے؟

اہل اللواء بنو عبد الدار ضرور تھے، لیکن مصنف نے کہین اسکا انکار نہین کیا ہے، بلکہ صفحہ ۲۷۴ مین یہ لکھا ہے "قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکلا" طلحہ قبیلۂ عبد الدار ہی مین سے تھا،

(۱۱) " افلح من یعالج المساجدا ویقرء القرآن قائما وقاعدًا

(سیرۃ صفحہ ۲۰۲) غلط، صحیح یظل فیہا قائمًا وقاعدًا" ہم پھر سورتی صاحب کے صحیح وغلط فیصل کے تحکم کو نہین سمجھے، جب مصنف نے حوالہ دیدیا ہے تو بحث کی گنجائش کیا ہے؟ وفاء الوفاء مین مشہور علامۂ ادب ابن شبہ کے حوالہ سے مصنف نے نقل کیا ہے، دیکھیے، حوالۂ مذکور،

وروی ابن شبہ ایضًا ان عبد اللّٰہ	ابن شبہ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن
بن رواحۃ کان یقول وہم	رواحہ، جب وہ لوگ قبا کی مسجد بنا رہے تھے، یہ
یبنون نے مسجد قباء افلح من	کہتے تھے، افلح من یعالج المساجدا تو رسول اللہ
یعالج المساجدا فقال رسول اللّٰہ	صلعم نے کہا، والمساجدا، پھر عبد اللہ
صلعم المساجدا فقال عبد اللّٰہ و	نے کہا ویقرء القرآن قائما
یقرء القرآن قائما وقاعدًا،	وقاعدًا، آپ نے کہا وقاعدًا
فقال رسول اللّٰہ صلعم وقاعدًا	

(جلد ا صفحہ ۱۸۱، مصر)

آپ شاید عروض ووزن ٹھیک کرنے کی فکر مین ہین، اول تو یہ عروض کی پیدائش سے پہلے کا کلام ہے، دوسرے یہ شعر نہین، بول ہین، ان مین وزن شعری کی تلاش بے سود ہے،

(۱۲) فلاتبکی علی بکر ولکن علی بدر تقاصرت الجدود،

بیشک سیرۃ طبع اول مین بکر بحیثیت علم کے لکھا تھا، مگر طبع دوم مین ترجمہ صحیح کر دیا گیا ہے، اور حاشیہ کی بھی تصحیح کر دیگئی ہے، دیکھئے سیرۃ اول طبع دوم صفحہ (۳۱۰)

(۱۳) سیرت کے حاشیہ صفحہ ۴۶۲ پر مقوقس کے بجائے نجاشی کا لفظ ہوگیا ہے،

متن عبارت مین مقوقس کا صریح نام موجود ہے، اور اسکے حاشیہ پر اگر اس بنا پر کہ نجاشی اور مقوقس دونون کے تذکرے ملے جلے ہورہے ہین، اگر مقوقس کی جگہ نجاشی کا نام چلا آیا تو ہر صاحب علم یہی سمجھیگا کہ یہ سبق قلم ہے، کوئی غلطی نہین ہے، با این ہمہ طبع دوم (صفحہ ۴۴۳) مین اسکی بھی تصحیح ہوچکی ہے،

(۱۴) ماریہ قبطیہ لونڈی تھین یا شریف زادی تھین، مدخولہ تھین یا نکاحی تھین، اس بحث مین ہمارے دوست سورتی صاحب نہ پڑین تو اچھا ہے، اس بحث کو ہم ہی غلط کارون کے لیے مخصوص رہنے دیجئے،

سورتی صاحب عظیمۃ القدر کے "معنی خوبصورت اور خوش سلیقہ" کرتے ہین، قدر کے معنی خوبصورتی اور خوش سلیقگی کے توکسی لغت مین نہین، "اندازہ اور مرتبہ" کے معنی بالاتفاق ہین، اچھا اس کے بعد جو یہ الفاظ ہین، انکے آپ کے لغت مین کیا معنی ہین؟ ولھما مکان فی القبط عظیم، یعنی یہ کہ "قبطیون مین انکا بڑا درجہ اور مرتبہ ہے" یا بقول آپکے "قبطیون مین انکے حسن وجمال کی بڑی شہرت ہے" تو گویا نعوذ باللہ یہ مصر کی مشہور پریزادین دربار نبوت مین آئی تھین؟ اور کیون صاحب کسی مورخ یا صاحب سیر نے ان کے اس عدیم النظیر حسن وجمال کا کہین تذکرہ کیا ہے؟

(۱۵) فاغفر فداء لک ما اتقینا سیرۃ کے مصنف نے اسکا ترجمہ یہ کیا ہے "ہم تجھ پر

فداہوں ہم جو احکام نہیں بجالائے، ان کو معاف کردے" سورتی صاحب جنکی ادب و حدیث دانی کا ہم کو اعتراف ہے فرماتے ہیں "اس شعر کے معنی میں بھی غلطی ہے اور لفظ میں بھی، لفظی غلطی یہ ہے کہ تین لفظ مروی ہیں، (۱) ما ابقینا، (۲) ما اقتینا (۳) ما اقتفینا، ہر تینوں کے معنی ہیں، جو کچھ جمع کیا ہم نے، معنی یہ ہوئے، ہماری کمائی تجھ پر فدا ہے، ہمارے گناہ معاف کردے ما اتقینا ناغفر کا مفعول بنایا گیا ہے جس سے معنی غلط ہوگئے"،

سورتی صاحب سے پہلے ایک اور محدث و ادیب گذرا ہے، اسکا نام شہاب الدین ابن حجر عسقلانی ہے، اور جو صحیح بخاری کا متفق علیہ بہترین شارح ہے، آئیے ہم دونوں اس کی ثالثی کی عدالت میں حاضر ہوں،

واما قوله ما اتقینا فبتشدید	لیکن بخاری کا قول ما اتقینا پہلے ت مشدد پھر
المثناة بعدها قاف للاکثر	قاف، یہی نسخہ اکثر روایتوں میں ہے، اور اس کے
ومعناه ما ترکنا من الاوامر	معنی یہ ہیں کہ ہم نے جو احکام خدا کے چھوڑ دیے
وللاصیلی والنسفی بہمزۃ قطع	(انکو معاف کر) اصیلی اور نسفی کی روایت میں
ثم موحدۃ ساکنۃ (ابقینا) ای	یہ لفظ پہلے ہمزۂ قطع پھر ب ساکن ہے، (ابقینا)
ماخلفنا وراءنا مما اکتسبنا من	یعنی ہم نے اپنے بعد اپنے جو کمائے ہوئے گناہ چھوڑے
الآثام، اوما ابقیناه وراءنا	یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے اپنے بعد جو گناہ ایسے چھوڑے
من الذنوب فلم نتب منه	جن سے توبہ نہ کی، (انکو معاف کر) اور قابسی کی
وللقابسی ما لقینا باللام وکسر	روایت میں ما لقینا ہے، لام پھر مکسور قاف
القاف والمعنی ما وجدنا من	معنی یہ ہیں کہ جن گناہوں کو ہم نے پایا، (انکو معاف
المناهی ووقع فی روایۃ قتیبۃ	کر) اور قتیبہ کی روایت میں جو حاتم بن اسمٰعیل

عن حاتم بن اسماعیل کما سیاتی	مروی ہے جیسا کہ کتاب الادب مین آئیگا، ما
فی الادب ما اقتفینا بقاف ساکنة	اقتفینا ساکن قاف، مفتوح ت پھر ساکن ہے
ومثناة مفتوحة ثم تحتانیة	معنی یہ ہین کہ جن گناہونگی ہم نے پیروی کی انکو
ساکنة ای تبعنا من الخطایا من	معاف کر، یہ قفوت الاثر سے ہے جب تم
قفوت الاثر اذا اتبعتہ وکذا	کسی کی پیروی کرو، یہی نسخہ مسلم مین قتیبہ سے
المسلم عن قتیبة وھی اشھر الروایات	مروی ہے، اور اس جز مین یہی روایت
فی ھذا الرجز، (ج، ص ۳۵۰)	مشہور تر ہے،

اہل نظر غور کرین کہ جو کچھ مصنف نے ترجمہ کیا ہے کیا بعینہ حافظ ابن حجر کی تحقیق نہین ہے؟ بلکہ اس لفظ کے ہر نسخہ کے معنی وہی ہین جو سیرة کے مصنف نے لکھے ہین، وہ نہین ہین جو سورتی صاحب کی صلاح ہے، ہر ایک نسخہ کے معنی کرنے مین ما کو فاغفر ہی کا مفعول بتایا ہے، اوسکو فداء لک سے تعلق نہین ہے، جیسا کہ سورتی صاحب چاہتے ہین، فداء لک بیچ مین جملہ معترضہ ہے، (دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد، صفحہ ۳۵۰) یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس موقع پر صحیح نسخہ واقتفینا ہی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ایک ایک حرف پھنوا کر بتایا ہے، تعجب ہے کہ سورتی صاحب باوجود ہمہ دانی ایسا صریح غلط دعوی کیونکر کرسکے، جس مین لفظی اور معنوی دونون غلطیان موجود ہین،

(۱۶) لاھم انی ناشد محمدا یہ شعر ایک فریادی کی زبان سے ادا ہوا ہے، مصنف نے اس مصرع کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "کچھ غم نہین، مین محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤنگا" سورتی صاحب کہتے ہین کہ اسکا ترجمہ یہ چاہئے کہ "اے خدا مین محمد کو الخ" یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ مصرع کے پہلے لفظ لاھم کو مصنف نے لاھَمَّ پڑھا ہے، اور سورتی صاحب لاھُمَّ پڑھتے ہین،

اور اسکو شاید اللّٰھُمَّ کا مخفف بتاتے ہین، مگر جب ایک لفظ دو طرح پڑھا جاتا ہے، اور دونون معنی بن جاتے ہین تو ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو تمامتر غلط کہنا یقیناً صحیح نہیں، بہرحال اس ترجمہ یا اُس ترجمہ سے واقعیت پر کوئی اثر نہین پڑتا، اور نہ یہ کوئی اہم شی ہے،

(۱۷) عربون مین ایک خاص عقیدہ تھا، اس کے ثبوت مین مصنف نے عربی کا ایک شعر پیش کیا ہے، اس شعر کے قائل کا نام سیرۃ مین ابو دوا دایادی چھپ گیا ہے، سورتی صاحب کہتے ہین کہ یہ ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے، بہرحال یہ ایک لفظی بحث ہے جس مین حق سورتی صاحب کے ساتھ ہے، اصل کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ایک اتفاقی غلطی ہے جس کے مرتکب مصنف مرحوم نہین، بلکہ کاتب اور مصحح ہین، اصل مین یہان پر دو شعر تھے، ایک ابو دُواد ایادی کا، اور ایک ذوالاصبع العدوانی کا، ابو دؤاد کا شعر چھوٹ گیا اور ذوالاصبع کا شعر جو اس کے بعد تھا چھپ گیا، یعنی اصل یون ہے،

ابو دوا دایادی کہتا ہے،

سلّط الموت والمنون علیهم　　　　فلهم فی صدی المقابر هام

ذوالاصبع

یا عمرو ان لا تدع شتمی و منقصتی　　　　اضربك حیث تقول الهامة اسقونی

پہلی اور دوسری سطر چھوٹ گئی ہے، چنانچہ سیرۃ مین یہ ہے کہ "وہ شور کرتی ہے کہ مین" بہرحال اس لفظی فروگذاشت سے بھی کوئی اہم نتیجہ پیدا نہین ہوتا، جس پر یہ غل وشور کیا جائے، تاہم یہ صحیح ہے کہ شعر کو اصل شاعر ہی کی طرف منسوب ہونا چاہئے،

(۱۸) ایک اعتراض یہ ہے کہ ایک خاص سریہ کے واقعہ کو سیرۃ مین دو جگہ لکھدیا گیا ہے، لیکن ہمارے دوست نے یہ خیال نہین کیا کہ یہ تکرار بے معنی نہین ہے، سورتی صاحب

بحیثیت "غیر حنفی" ہونے کے "صحیح بخاری" کے خاص طور سے قدر دان اور مداح ہین، لیکن کیا وہ نہین جانتے ہین کہ اس مین تین ہزار حدیثین مکرر ہین، مگر یہ تکرار بے معنی نہین، جب واقعہ کے متعدد پہلو اور متعدد نتائج ہوتے ہین تو مصنف کو ہر پہلو اور ہر نتیجہ کی تفصیل کے وقت اس واقعہ کے اس خاص پہلو کو نمایان کرنا ہوتا ہے، اور پھر دوسرے پہلو اور دوسرے نتیجہ کے پھیلاتے وقت پھر اس واقعہ کو سمیٹ کر اس کے دوسرے پہلو اور دوسرے نتیجہ کو وہ پیش نظر کرتا ہے، واقعہ مذکور یہ ہے کہ مسلمان داعیون کی ایک جماعت تبلیغ کی غرض سے کہین بھیجی گئی تھی، کفار نے ان کو راستہ مین شہید کر ڈالا، انکی تنبیہ کے لیے جب فوج بھیجی گئی تو وہ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر کہین چل دئے،، اس واقعہ کا نام سریہ کعب بن عمیر ہے،

بعض سریّون کی نسبت مخالفین اسلام کا اعتراض ہے کہ مسلمانون نے فریق مخالف کی بے خبری مین اچانک اونپر حملہ کر دیا، اور یہ طریقہ اخلاقاً صحیح نہین ہے، مصنف نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ یہ طریقہ صرف خانہ بدوش قبائل کے متعلق استعمال کیا گیا ہے، جنکا ہمیشہ پیشہ غارتگری تھا اور حملہ کے معلوم ہو جانے کی صورت مین ہمیشہ اپنی جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے، ایسی حالت مین ان کے لیے جو تادیبی مہم بھیجی جاتی تھی انکو اچانک حملہ کرنا پڑتا تھا، اب اس ثبوت مین کہ یہ خانہ بدوش قبائل تھے اور ہمیشہ ادھر ادھر چل دیتے تھے مصنف نے بہت سے سرایا کا ذکر کیا ہے، منجملہ اون کے اس سریہ کعب بن عمیر کو بھی صورت حال کے ثبوت مین پیش کیا ہے،

دوسری جگہ مصنف نے مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ داعیان اسلام کے ساتھ مسلح آدمی کیون رہتے تھے؟ اور لکھا ہے کہ ملک مین بدامنی کے باعث وہ داعیان اسلام جن کے ساتھ حفاظتی دستے نہین ہوتے وہ بری طرح قتل کر دئے جاتے تھے، چنانچہ فلان فلان واقعات اس کے شاہد ہین، منجملہ ان کے سریہ کعب بن عمیر کے ابتدائی واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے،

ہر وہ شخص جسکو تصنیف و تالیف کا تجربہ ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کا نام تکرار نہین ہے، بلکہ ایک ایک واقعہ سے متعدد نتائج پیدا کرنا تو تصنیفی قوت کا اعلیٰ مظہر ہے اور یہی چیز امام بخاری کی نکتہ دانی کا کمال سمجھی جاتی ہے، ع عیب نماید ہنرش در نظر

(۱۹) سورتی صاحب لکھتے ہین "فاطمہ بنت قیس کی حدیث مین مطلق طلاق کے بعد نان ونفقہ نہ ہونا (صفحہ ۴۰۵) غلط ہے، طلاق ثلاثہ کے بعد کا ذکر ہے" ہم نے اپنے دوست کی ہدایت کے مطابق سیرۃ کا صفحہ ۴۰۵ کھولا، تو اس مین یہ الفاظ ملے "ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دیدیجائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہین؟ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھین جنکو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، انکا بیان ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے پاس گئین تو آپ نے انکو نفقہ اور مکان نہین دلوایا، انھون نے یہ حدیث حضرت عمر کے سامنے بیان کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت صلعم کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہین سکتے، جسکی نسبت ہم کو معلوم نہین کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی"

مصنف کا اس روایت سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ محض سنداً روایت موجود ہونے سے حدیث کا مان لینا ضروری نہین، دیکھو کہ حضرت عمر نے فاطمہ کی روایت تسلیم نہین کی، اس مین یہ بحث کہ یہ واقعہ یعنی عدم عطائے نفقہ وسکونت تین طلاقون کے بعد کا واقعہ ہے، یا طلاق رجعی کا واقعہ ہے، بالکل غیر ضروری اور بے محل ہے، وہ خواہ ایک ہو یا دو ہو یا تین ہو اسکو یہان کیا دخل ہے؟ مصنف نے یہ نہین کہا کہ حضرت فاطمہ کے شوہر نے انکو تین سے کم طلاقین دی تھین، بلکہ ہمارے سورتی دوست اگر اردو محاورونکی نزاکت پر غور کرتے تو مصنف کے الفاظ سے اردو محاورہ کے مطابق طلاق بائنہ ہی سمجھتے، مصنف نے لکھا ہے کہ "جب عورت کو طلاق دیدیجائے" نیز "فاطمہ کو ان کے شوہر نے دیدی تھی"، ان الفاظ کی نزاکت سے قطعی اور بائنہ اور ہمیشہ ہی کی علیحدگی کی

طلاق سمجھی جائیگی، گو الفاظ مین اسکی تصریح نہ ہو، بہرحال حقیقت یہ ہے کہ یہ تصریح ہی کہ وہ طلاق ثلثہ تھی یا کیسی تھی یہان محل بحث سے خارج ہے،

(۲۰) "سعد بن عبادہ کی تقریر بابت بدر اور عدم حضور سعد بن عبادہ بدر صفحہ ۲۵۶ (صحیح یہ تقریر سعد بن معاذ کی ہے، حضور سعد بن عبادہ مختلف فیہ ہے)" ہمارے دوست نے اس موقع پر بھی وہی شان حاکمانہ اختیار کی ہے، کہ یہ غلط، یہ صحیح، ہم نے اپنے دوست کی عبارت مذکورہ کا اردو مطلب سمجھ لیا ہے، شاید ہمارے اردو دان ناظرین نہ سمجھ سکین، حضرت معترض اردو مین یہ کہنا چاہتے ہین، کہ مولنا شبلی نے بدر کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہ کے نام سے جو تقریر نقل کی ہے، وہ غلط ہے کیونکہ سعد بن عبادہ کا بدر مین شریک ہونا مختلف فیہ ہے، دراصل یہ تقریر سعد بن معاذ کی ہے"

حالانکہ سیرۃ کے صفحہ مذکور مین مصنف نے اسکے متعلق خود کچھ نہین لکھا ہے، بلکہ بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث کی عربی عبارت نقل کی ہے اور اسکا ترجمہ کر دیا ہے، بخاری و مسلم دونون مین حضرت انس سے روایت ہے،

فقام سعد بن عبادۃ فقال (باب بدر) تو سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور انھون نے کہا،

اب اگر غلطی ہے تو امام بخاری و امام مسلم کی، کہ انھون نے سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادۃ کیسے کہدیا، اب اگر ان بزرگون کی روایت کو غلط کہا جائے تو ہمارے دوست خفا ہوتے ہین، اور اگر قبول کیا جائے تو بھی خفا ہوتے ہین، اور کیون صاحب کیا صحیحین کی روایتون مین آپکے نزدیک کبھی غلطی بھی ہوتی ہے؟ پھر فرماتے ہین کہ "اس تقریر کی نسبت سعد بن عبادہ کی طرف کرنا اس لیے غلط ہے کہ بدر مین سعد بن عبادہ شریک نہ تھے، سعد بن معاذ شریک تھے" العجب ثم العجب! بات تو سمجھی چاہئے، یہی تو مصنف کا استدلال ہے، مصنف کا دعوی یہ ہے کہ "بدر کی یہ تقریر مدینہ مین کیگئی تھی، مدینہ سے باہر نکل کر اثنائے سفر مین نہین، کیونکہ اس تقریر کے کرنے والے حضرت سعد

بن عبادہ تھے، اور وہ اس سفر مین نہین نکلے تھے،" چنانچہ مصنف صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہے،

"آنحضرت صلعم کے استمزاج کے جواب مین جن لوگون نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے مہاجرین مین حضرت ابوبکر و عمر و مقداد تھے، اور انصار مین سعد بن عبادہ تھے، سعد بن عبادہ غزوۂ بدر مین شریک نہین ہو سکے تھے، اور مدینہ سے باہر نہین جا سکے تھے اسلیے قطعاً تسلیم کرنا پڑیگا کہ سعد (بن عبادہ) نے یہ جواب مدینہ ہی مین دیا تھا،"

اب آپ کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ صحیحین کی یہ روایت جس مین سعد بن عبادہ کا نام ہے غلط ہے، اور دوسری روایت جس مین سعد بن معاذ کا نام ہونا چاہئے صحیح ہے، مگر پھر صحیحین کی ایک روایت غلط ہوئی جاتی ہے، اس قیامت کا انسداد کیونکر ہوگا؟

(۱۲) "حضرت علی نے دعوت کا سامان کیا صفحہ ۱۵۰" اعتراض ہے کہ اس قصہ کی سند نہین دی، ہان مصنف نے اسکا حوالہ نہین دیا ہے، کیونکہ یہ کوئی اہم واقعہ نہ تھا، اگر ہمارے دوست کو اسکا حوالہ مطلوب ہے تو عرض ہے کہ دیکھئے طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۲۴، و مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۵۹، حضرت علی کے نفس سامان دعوت کا واقعہ ابن اسحاق، دلائل ابی نعیم اور بیہقی وغیرہ مین مذکور ہے،

۸ اکتابت و طباعت کے اور ۲۱ یہ، کل ۲۹ اعتراضات کے جوابات معروض خدمت ہین، یہ ہین وہ غلطیان جنکی کثرت سے بقول ہمارے دوست کے سیرۃ معمور ہے، اور نیز بقول ان کے "یہ وہ اغلاط ہین جن مین تاویل کی گنجائش بہت کم ہے اور بحث کا موقع کالعدم ہے، اور ان کے علاوہ اور بھی اغلاط ہین جن مین بحث کی گنجائش ہے"، اور اسی لیے ہمارے دوست نے اونکو چھوڑ دیا ہے، جب اس ناقابل دفاع حملہ کا یہ حال ہے تو جو ہمارے دوست کے نزدیک قابل دفاع ہے اُس کا کیا حال ہوگا، ہمارے دوست نے آخر مین اپنے ان اعتراضات کی وسعت دکھانے کیلئے

لکھا ہو کہ اغلاط مذکورہ، ۱- قرآن، ۲ حدیث، ۳ تاریخ ۴ انساب ۵ لغت و ادب پر مشتمل ہین"
مگر گذشتہ جوابات سے ہمارے ناظرین نے علوم و فنون کی اس وسعت کا اندازہ کر لیا ہوگا، **قرآن**
کی جتنی غلطیان ہین وہ مطبعی ہین، اور انکی تصحیح ہو چکی، **حدیث** کی عظیم الشان غلطی یہ ہے کہ بالمرئ
کی جگہ للمرء چھپ گیا ہے، انساب کی غلطی یہ ہے کہ تیم کے بدلہ تمیم، جشم کے بدلہ خشم چھپ گیا ہی،
لغت و ادب کی غلطیان جو ہین، ان مین کچھ تو ہمارے دوست کی ہین، کچھ مطبع کی ہین ایک دو
(کبر اور نوار) کے ترجمہ کی غلطی جو مصنف سے ہوی تھی، کئی برس ہوے کہ انکی تصحیح ہو چکی، غرض ۹۱۳ اعتراضات
مین سے صرف ایک اعتراض ہم صحیح تصنیفی اعتراض تسلیم کرتے ہین کہ ابن اسحاق نے متعدد صحابہ کو
دیکھا تھا یہ بیشک صحیح نہین، انھون نے صرف حضرت انس کو دیکھا تھا، لاھم کو بھی ہم آدھا
مان لینگے اس وسعت کی یہ تنگنائی حیرت انگیز ہے،

آج سے چھ برس پہلے ہم نے اپنے دوست کی اسی قسم کی کاوشون اور محنتون کو دیکھکر
اونکی خدمت مین عرض کیا تھا کہ للہ سیرت کی کاپی بینی اور پروف خوانی ہم سے نہین ہو سکتی،
اس کام کو آپ کر دیجئے، انھون نے اس وقت منظور کر لیا تھا، نہین معلوم اب کیا خیال ہی؟
ہمارے دوست اسی طرح "ایک نظر" سیرۃ جلد دوم پر ڈال لین تو اسکی بھی تصحیح ہو جائے، اور
ہم بدل ممنون ہون، بلکہ اسی غرض کے لیے تیسری جلد بھی حاضر کرینگے، انشاء اللہ

ابن رشیق اور المعز

اور

تاریخ قیروان کا ایک صفحہ

(۲)

از پروفیسر میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی ایم اے

المعز ہرچند کہ یا سر سے شاعر ہی نہ تھا یا بجد کم گو جس طرح ابن خلکان نے اس کے ترجمہ مین لکھا ہے، پھر بھی غضب کا سخن سنج اور دقیقہ رس تھا، گو یہان اس بات کے ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ یہ المعز کونسا ہے جسکا درباری شاعر ابن رشیق تھا، مگر ہان انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون نگار کو بتا دینا ضروری ہو کہ وہ المعز الفاطمی نہین ہے جس طرح اس نے لکھا ہے بلکہ یہ المعز بن بادیس ہے جس سے مجھے اس مضمون مین سروکار ہے، المعز کی سخن سنجی یعیبون بلقسیتہ البیت کیساتھ پہلے مذکور ہو چکی ہے، نیز اس نے ابن رشیق کے گذشتہ نونیہ ہی سے تاڑ لیا تھا کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"، پھر اس کے لامیہ نے تو المعز پر جادو کا اثر کیا یعنی کہ اس کو علاوہ صلۂ واکرام کے اپنے دربار مین بھی لے لیا جس طرح گذرا ہے، جب تک اقبال نے المعز کا ساتھ نچھوڑا اس نے بھی اپنے شاعر کو اور کسی کے در پر جبہ سائی کا محتاج نہ ہونے دیا، مگر آیندہ پھر ایک طویل عرصہ کے بعد یہ حالت نہ رہی، علی ما سیأتی۔ ابن شرف ابکار الافکار مین راوی ہے،

کہ المعز نے ایک دن ابن رشیق اور مجھسے فرمائش کی کہ کیلے کی صفت مین قافیۂ غین پر فی البدیہہ ایک ایک قطعہ لکھو، چنانچہ ہم دونون نے تعمیل کی، پھر کہا ذال پر بھی لکھو چنانچہ اس پر بھی کہا جن اتفاق سے اتحاد مضمون کے باعث دونون کے اشعار کچھ اس طرح غیر معمولی طور پر متحد اللفظ والمعنی[1]

---

[1] البدایع (ص ۲۰۶)

تھے کہ سب حاضرین دربار نے استعجاب ظاہر کیا حالانکہ ہم نے الگ الگ بیٹھکر لکھے تھے،

ولقد قال بعض من حضر ذلك اليوم ماندری مم نتعجب أمن سرعة

البديهة ام من غرابة القافية ام من حسن الاتفاق (ملاحظہ ہو النتف فیہ ابل)

المعز ہمیشہ اپنے شاعر کی طبیعت کی روانی اور آمد کا اندازہ کرنے کے لیے فی البدیہہ کہنے کی فرمایش

کیا کرتا تھا نیز تاکہ اور شعراء اسکو ابن رشیق کی تقدیم پر معذور سمجھیں، ابن بسام[1] راوی ہو کہ،

ایک دن ابن رشیق المعز کے دربار مین پہنچا جبکہ کئی اور ادبا بھی حاضر تھے، المعز کے

ہاتھ مین ایک ترنج تھا جو کندن کی طرح دمک رہا تھا اور شعلہ کی طرح دہک رہا

تھا، ابن رشیق سے فرمائش کی کہ اس پر کچھ کہو، سو اس نے کہا،

اترجة سبطة الاطراف ناعمة	تلقى النفوس بحظ غير منحوس
اس ترنج کے پتے چوڑے اور ملائم ہین	دیکھتے ہی جی خوش ہو جاتا ہے
كأنما بسطت كفا لخالقها	تدعو بطول بقاء لابن باديس
گویا یہ اپنے خالق کی بارگاہ مین دست بدعا ہے	کہ خدا المعز کو سدا سلامت رکھے

قال ابن خلكان فاستحسن ذلك منه وفضله على من حضر من جماعة الشعراء.

ناچیز کہتا ہے کہ ترنج کے ساتھ پتہ بھی تھا، اور کہ یہ بیت اگر ابن رشیق مضمون سوچ کر بھی کہتا تاہم

لاجواب ہوتے چہ جائیکہ اسے بالبداہتہ کہنے پڑے،

اسی طرح جب ایک مرتبہ المعز اپنے دشمنون کے مقابلہ مین مظفر ہو کر پلٹا تو اس کے شاعر

نے آگے بڑھکر سنایا،

وكأنما راياته مشهورة يوم اقتحامه	ايد تشير الى العدو تبلمه او بانهزامه
جب اس کے علم روز جنگ لہرا رہے ہون۔ تو گویا اس ہاتھ سے مشابہ تھے جو دشمن کو صلح یا اسکی شکست کا پیغام دیتے ہون	

[1] ابن خلکان ۲-۱۰۵-۱- البدائع ۲۲۳۹۶

ایک مرتبہ المعز اپنے دار الخلافۃ سے کہین دور چلا گیا، اتنے مین عید کا دن آیا آسمان پر گھٹا چھا گئی اور پھر برسی، اس پر ابن رشیق نے کیا خوب کہا ہے[1]،

تجھم العید وانھلت مدامعہ	وکنت اعھد منه البشر والضحکا
عید نے اپنا منہ لبسور لیا اوسکی آنکھین بہنے لگین	حالانکہ مین سدا سے اسکو ہنستا دیکھتا تھا
کانما جاء یطوی الارض من بعد	شوقا الیک فلما لم یجدک بکی
گویا وہ دور دراز کا سفر طے کرکے تجھے دیکھنے آئی تھی	مگر جب تجھے موجود نہ پایا تو رو پڑی

مگر جب المعز کو سیلاب عرب کے باعث قیروان کا تخلیہ کرکے مھدیہ مین رہنا پڑا تو ان پریشانیون نے (دکمامر) اس کے مزاج مین چڑچڑاہٹ اور بوکھلاہٹ سی پیدا کردی جس کے باعث اوس کے شاعر کو اپنی ناخوشگوار رحلت اختیار کرنی پڑی،

اُس کی معاشرتی حیات

بڑا خلیق ملنسار اور باوفا تھا ہمین اپنے ابیات مین بتاتا ہو کہ وہ بد اخلاق سے بھی بد اخلاقی سے پیش آنا روا نہین رکھتا

من جفانی فاننی غیر جاف	صلة اوقطیعة فی غ ف (البیتین)

اپنے دوستون سے کہتا ہے کہ میری ظاہری پژمردگی اور ترش روئی دیکھکر کہین یہ خیال نہ کرلینا کہ دل راہِ دوستی سے منحرف ہوگیا ہے اور کیا خوب کہتا ہے،

احب اخی وان اعرضت عنه	وقل علی مسامعه کلامی
میرا دوست میرا دوست ہی رہتا ہو گو مین اس سے	بے رخی برتون یا اس کے کان مین میری باتین کم پڑین

[1] المعاہد ۲ ۱۶۲۔ الخزانۃ الحموی ۱۸۱ ۲،

ولی فی وجہہ تقطیب راغب | عما قطبت فی وجہہ المسلام
یا کبھی اسکو دیکھکر مین ترش رو ہو جاؤن | جس طرح تم شراب کو دیکھتے ہی منھ بنا لیتے ہوگے
ورب تقطب من غیر بغض | وبغض کامن تحت ابتسام

کہ بعض آدمیونکی ترش روئی اندرونی بغض کا نتیجہ نہین ہوتی۔ اور بعضونکی مسکراہٹ کے نیچے دشمنی پنہان ہوتی ہے

صفار کی گذشتہ حکایت مین آچکا ہے کہ "مجھے دیکھتے ہی خوشی سے اٹھا، میرا استقبال کیا، اور میرے ہاتھ مین ہاتھ دیکر گھر کے اندر لیچلا"، انموذج مین ایک پرلطف حکایت ہے،

مین نے ابوالحسن محمد الصرائری کو قیروان کے بازار مین ایک پھٹی ٹوٹی پوستین مین جو انکے گھٹنون کو بھی نہین ڈھانک سکتی تھی اور ایک دقیانوسی کلاہ مین کسی قصاب کی دکان پر گوشت خریدتے ہوئے دیکھا، اس پر مین فوراً چھپ گیا کہ مبادا کہین مجھے دیکھکر وہ شرمسار نہ ہون پھر اپنے گھر سے ایک جامہ دان لیکر ان کے گھر پہنچا اور دیکھا کہ وہ تو ایک پر تکلف پوشاک پہنے ہنڈیا پکا رہے ہین مین نے پہونچتے ہی سلام کیا۔ وہ میری اس غیر معمولی حالت کو دیکھکر چونک اٹھے اور بولے خیر تو ہے؟ اس پر مین نے پورا ماجری سنا دیا بولے "بھائی مجھے بازار مین عوام سے سروکار تھا اس لیے انھی کے لباس مین ان سے ملا"،

اساتذہ کے بیان مین گذرا ہے کہ وہ ان کے نام نہایت ادب اور نیازمندی سے لیتا ہے، جابجا ان کے زرین کلمات سے اپنی کتاب کو سجاتا ہے، اور اگر کسی کا قول غریب اور محتمل رد ہو تو نہایت خفی طریق سے اس پر نکتہ چینی کرتا ہے، اپنے ولی نعمت ابن ابی الرجال کا بار بار ذکر کرتا ہے، گویا اس احساس کے سامنے اس کی گردن خم اور دوش گران ہے، تاریخی مواد کے نہ ملنے کی صورت مین جو کچھ اس باب مین اس کے اشعار مین ملا وہ حسب ذیل ہے، یعنی کہ وہ اپنے کلام مین ہمین قناعت کی تلقین کرتا ہے (التعب[۱]) عوام سے احتراز کی سخت تاکید

[۱] السباط ۲۴۳ - [۲] یہ قوافی کے الفاظ مین النقد مین دیکھے جا سکتے ہین،

کرتا ہے (الاکفاء، الصوت) موت اور حشر سے ڈرتا ہے اور یوم الجزا کے ذکر تک سے گھرانے لگتا ہے (انقضاء ظلل) حقیقت اور جوہر کا طالب ہے نہ کہ جھجھ وہ ندنتہ، اور فخفخہ و طنطنہ کا (معتمد) مال کو اس کے ہاتھ مین قرار نہین جس کے باعث خود ہی اپنے ہاتھون کا شاکی ہے (جودی) نہایت منکسر المزاج ہے عمدہ[1] مین کئی قصاید کی ابتداءات دکھا کر کہتا ہے،

وقد قلت انا وان لم ادخل فی جملۃ من تقدم ولا بلغت خطتہ

اُسکی علمی حیات

غضب کا واسع الاطلاع ہے، غیر معمولی مقدار مین علمی مواد اس کے ہاتھ لگا ہے، العمدہ لکھنے سے پہلے اس موضوع کی ساری ممکن الحصول چھوٹی بڑی کتابون پر نظر ڈالی ہے، مکثرین سے گذر کر مقلین تک کے دواوین کی بھی روایت کی ہے، العمدہ[2] مین ضباب بن سبیع بن عوف الحنظلی کا جو بالکل غیر معروف شاعر ہے ایک بیت روایت کرکے کہتا ہے، ھکذا روایتہ بالحاء غیر معجمۃ وھو الصحیح و بعضھم یرویہ غمۃ بالغین معجمۃ - اسی طرح ایک[3] جگہ لکھتا ہے کہ،

یہ دو بیت صددت الکاس عنا ام عمرو الیتین جو عمرو بن کلثوم کے معلقہ مین پائے جاتے ہین فی الواقع عمرو بن عدی (ذوالطوق جذیمۃ الأبرش کے بھانجے) کے ہین، مگر عمرو نے انکو اپنے معلقہ مین ملالیا، اور یہ بات متقدمین کے نزدیک بقول ابوعمرو بن العلاء بالکل معیوب نہین،

ناچیز کہتا ہے کہ یہ قصہ تبریزی زوزنی اور ابن کیسان وغیرہم کی شروح تک مین کہین نہین ہان ابوالعلاء نے رسالۃ الغفران اور بغدادی نے الخزانۃ[4] مین اسکو روایت کیا ہے اور یہ دونون

---

[1] ۱: ۱۰۳، [2] ۱: ۱۴۹، [3] ۲: ۱۷۲، [4] مصر ۲۸، ۳: ۴۸۹،

سعتہ اطلاع و روایت مین اپنی نظیر آپ ہی ہین۔ العمدہ مین جن جن کتابون کے حوالہ دیتا ہے انھین دیکھکر بے ساختہ منہ سے یہ سوال نکلتا ہے "انی لک ھذا"، ہان مگر وہ بھی تو جواب دیگا "ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب"، اس بات کا ذکر کرنا شاید فائدہ سے خالی نہ ہو جبکہ اکثر ادبار کو اس کی جستجو رہتی ہے کہ جمہرۃ اشعار العرب ہر چند متقدمین کو نہین ملی مگر ہمارے دوست کو ضرور ملی ہے وہ لکھتا ہے[1] وقال محمد ابن أبی الخطاب فی کتابہ الموسوم بجمھرۃ أشعار العرب۔ اپنے عہد کے علمار و شعرار کا عموماً ذکر کرتا ہے مثلاً کہتا ہے[2] ونعم ابو اسامۃ فیما رأیتہ بخطہ وقد عاصرتہ وکان علامۃ باللغۃ، اسی طرح وہ ابو العلار کے علم و فضل کی اس طرح داد دیتا ہے کہ باوجود معاصرت (سنہ وفات ابو العلار ۴۴۹ھ ہے) اس کے دو بیت من غیر صنعۃ اللنذوم[3] العمدہ مین نقل کرتا ہے،

یہ سب باتین، روایت سے متعلق تھین مگر درایت مین بھی اپنی نظیر نہین رکھتا نہایت دقت نظر اور غوض فکر کے ساتھ ہر ایک قول کی جانچ پرتال کرتا ہے اگر کھرا ہو تو تائید ورنہ پھر تزییف کر دیتا ہے، علاوہ اساتذہ پر مؤدبانہ نکتہ چینیون کے الاصمعی[4]، الصاحب[5] ابن عباد، اور قاضی[6] جرجان صاحب وساطتہ پر بھی اپنی اپنی جگہ نہایت دقیق اور برمحل انتقادات کیے ہین، حالانکہ خود ہی قاضی جرجانی کی فضیلت کے متعلق لکھتا ہے[7] وھو اصح مذھباً واکثر تحققاً من کثیر ممن نظر فی ھذا الشأن۔ ایک اور[8] جگہ شعرائے عصر کو ایک طول طویل وصیت کرتا ہے کہ تمھین معقول اور حق اعتراضات پر چین بجبین نہ ہونا چاہیے بلکہ فراخ دلی سے ان کو مان لینا مگر پھر اپنے کسی معاصر کی نکتہ چینیون کی خوب ہی قلعی کھولدی ہے، جسکا کچھ حصہ عمدہ کے ذیل مین آئیگا۔ اسکی

---

[1] العمدہ ۱ × ۱۶۱، [2] ۲ × ۱۴۵ عمدہ۔ [3] ۲ × ۸۲۔ [4] ۲ × ۱۹۳۔ [5] ۲ × ۱۹۳۔ [6] ۲ × ۱۹۵، [7] ۲ × ۲۱۵۔ [8] ۲ × ۱۸۵۔

نکتہ رسی اور ژرف بینی کا اس سے کچھ اندازہ ہو سکیگا کہ متنبی[۱] کے مرثیۂ والدۂ سیف الدولہ کے ان بیت

رواق العز فوقک مسبطر وملک علی ابنک فی کمال

نقل کرکے صاحب اسمعیل کا اعتراض لکھتا ہو کہ لفظ مسبطر کا عورتون کے مرثیہ مین لانا انتہا درجہ کی بیہودگی ہے، پھر اس پر اضافہ کرتا ہے کہ لفظ فوقک کہکر اس قباحت کو اور دو بالا کر دیا اور اپنی نالائقی کا ثبوت پیش کیا، مگر ناچیز کہتا ہو کہ الوساطہ[۲] اور شرح واحدی[۳] متنبی مین بیشک فوقک ہو مگر عکبری[۴] مصر مین اسکی بجائے حولک ہی، نیز دونون شرحون مین ابوبکر الشعرانی شاگرد متنبی کا یہ قول ہو کہ اس نے پڑھتے وقت مسبطر کی جگہ مستطیل بنوا دیا تھا گویا اس طرح صاحب اور ابن رشیق دونون کے اعتراضات رفع ہوگئے

ایک[۵] جگہ جریر کے تین ابیات نقل کیے ہین جن مین وہ اپنی ایک رات کی خوبی کو بیان کرتا ہے، ان کا آخری بیت یہ ہے،

فیالک یوماً خیرہ قبل شرہ تغیب واشیہ واقصر عاذلہ

پھر اصمعی سے راوی ہے کہ جب مین شعر جریر پڑھتے پڑھتے اس بیت پر پہنچا تو میرے استاد خلف الاحمر نے کہا ویحہ ماینفعہ خیر یؤل الی شر اس پر اصمعی بولے مین نے تو ابوعمرو بن العلا سے اسی طرح پڑھا ہے، انھون نے کہا تم بھی سچے ہو اور جریر نے بھی یونہی کہا ہے مگر جریر الفاظ کی پورے طور پر چھان بین نہین کرتا تھا، پھر اس نے اس طرح بنوایا خیرہ دون شرہ اور کہا فاروہ کذلک وقد کانت الرواۃ قدیما تصلح اشعار الاوائل - ابن رشیق کہتا ہو، یہ اصلاح شاید خلاف ظاہر ہے اس لیے کہ شاعر یہ کہتا ہے کہ رات بھر محبوب سے وصال رہا اور پھر صبح کو فراق ہوگیا اس لیے خیرہ قبل شرہ بالکل صحیح ہے پھر "دون" کا لفظ قبل کے معنی مین بھی آتا ہے پھر اس اصلاح سے کیا فائدہ کہ ہنوز ابہام باقی رہیگا الخ

باب[۶] رخص الشعر مین لکھتا ہو کہ شاعر کو تقدیم و تاخیر کی اجازت ہے مثلاً،

---

[۱] ج ۲ ص ۱۲۴ [۲] العمدہ، ص ۱۸۱ [۳] ص ۲۲۴ [۴] ج ۲ ص ۱۹۲ [۵] ج ۲ ص ۲۱۳ [۶] ج ۲ ص ۵۶

وما ذاك ان كان ابن عمي ولا اخي ولكن متى ما املك الضر انفع

برفع العين یعنی کہ اصل میں ولکن انفع متی ما املک الضر تھا تاکہ انفع کے رفع کی توجیہ ہو سکے، پھر بطور نقد کہتا ہے کہ اچھا تو پھر اس میں اور (یا اقرع بن حابس یا اقرع انك) ان یصرع اخوك تصرع میں کیا فرق رہجاتا ہے، ہاں ہم اس فرق کو نہ مانیں گے ہر چند کہ ہم سے زیادہ ذہین اور فہیم علمار نے مان لیا، ناچیز کہتا ہے کہ سیبویہ تصرع کو انک کی خبر گردانتا ہے اور ان یصرع کا جواب محذوف ہو کہ تصرع خبر ان اس پر دلالت کرتی ہے، مگر مبرّد فاے جواب کو مقدر مانتا ہے گویا اس کے نزدیک اصل میں فتصرع تھا، یہ باتیں تین دلیل ہیں کہ ہمارا دوست کسی کا مقلد اعمی نہیں بلکہ حکمت کا طالب ہے، فحیثما وجدہا فهو احق بها

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بحتری المغرب محمد بن ہانی کی شاعری کے متعلق کچھ رائیں نقل کروں، ابن خلکان لکھتا ہے،

یہ مشہور ہے کہ جب ابو العلاء المعری ابن ہانی کا کلام سنتا تو کہا کرتا کہ میرے خیال میں تو یہ اس چکی کی گڑگڑاہٹ سے مشابہ ہے جو سینگ پیس رہی ہو کہ اس کے الفاظ ضرور پرشوکت ہوتے ہیں، نیز وہ کہا کرتا کہ ان شاندار الفاظ کے نیچے خلاف امید کوئی دقیق معنی پوشیدہ نہیں ہوتا، ابن خلکان کہتا ہے کہ معری کی یہ رائے کسی طرح منصفانہ نہیں شاید متنبی کی بیجا حمایت نے اس سے یہ الفاظ کہلوائے ہیں،

ابن شرف کی رائے ملاحظہ ہو

ابن ہانی کا کلام رعد ہے، منسجم اور متسلسل ہوتا ہے، بنیاد (الفاظ) پختہ ہے مگر معانی متانت سے خالی نہیں، کبھی تو وہ اس قدر تنگ ہو جاتے ہیں کہ غبار میں نقطۂ نظام سے

۱؎ الخزانۃ ۳ × ۳۹۲، السہیلی ۱ × ۱۶۰، ۲؎ ترجمہ ابن ہانی ۲ × ۵ - ۳؎ مقامۃ الانتقاد من مجموعۃ رسائل البلغاء ۱۵ × ۲ و الاحاطہ ۲ × ۱۱۳ -

تمبر لیجاتے ہین مگر جب الفاظ کے ساتھ معانی بھی پُرشان ہون تو پھر وہ گویا پھینکتا ہی جو پہاڑ تک کو اپنی جگہ سے ہلا دے،

ادھر ایک نگاہ ابن رشیق[1] پر بھی دوڑائیے وہ کیا کہہ رہا ہے،

ایک فریق ناحق شور و شغب مچاتا، اور بے سود گرگراتا اور بڑبڑاتا ہے، حالانکہ شاید ہی کبھی کوئی اچھے معنی ان کے ہاتھ لگے ہون، جس طرح ابن ہانی اور اس کے پیرو ہین ......

اس کے ہان آورد کے ساتھ آمد بھی ہے جب وہ عنان طبیعت کو ڈھیلا چھوڑتا ہی تو چیدہ شعرا مین جگہ پاتا ہے، مگر جب فخامت و جزالت الفاظ کا جن اس کے سر پر سوار ہوا اور آورد پر اپنا پوراز ورصرف کرے تو نہ صرف اپنی جان کو مبتلائے زحمت کرتا ہے بلکہ سامعین کی بھی اچھی خاصی مغز پاشی اور سمع خراشی کردیتا ہے،

اسکے کلام کا نمونہ

ابن رشیق نے چونکہ دقیقہ رس طبیعت پائی تھی، اور جس طرح ابھی بیان ہوا وہ محض ظاہری نمود یعنی تحسین الفاظ و جزالت تراکیب کا دلدادہ نہین، نیز قُراضۃ الذہب کے ذکر مین آئیگا کہ وہ سرقۂ مضامین پر اور شعرا کو سخت ملامت کرتا ہے، تو یہ امید کیسے کیجائے کہ وہ ان دونون قباحتون کا خود ہی مرتکب ہو، بنا برعلیہا اس کے کلام مین معانی دقیقہ، خیالات جدیدہ، اور اچھوت تراکیب و صنائع غیرمعمولی مقدار مین پائے جاتے ہین، مثلاً

آہ جان سوز

ان کنت تنکر ما منک ابتلیت بہ

اگر تجھے انکار ہو کہ مین نے تیری راہ مین کیا کیا بلائین جھیلی ہین،

فان برء سقامی عز مطلبہ

تو حقیقت یہ ہی کہ میرے مرض کا علاج بہت مشکل الحصول ہو رہا ہی،

[1] عمدہ ۱ ۸۱ ۱

اشر بعود من الكبريت نحو فمي

ذرا ایک دیا سلائی میرے منہ کے پاس لا

وانظر الى زفراتي كيف تلهبه

اور پھر دیکھو میری آہین اسکو کیسے سلگا دیتی ہین،

غزل

وقائلة ماذا الشحوب وذا الضنى — ایک مرتبہ اُسنے مجھ سے پوچھا یہ بدرنگی اور غیر معمولی لاغری کیسی؟

فقلت لها قول المشوق المتيم — سو مین نے اسکو وہی جواب دیا جو عاشق سرگردان دیسکتا تھا

هواك اتاني وهو ضيف أعزه — تیرا عشق جو قابل تکریم مہمان تھا میرے یہان آیا،

فاطعمته لحمي واسقيته دمي — سو مین نے اپنے گوشت اور خون سے اسکی تواضع کی

قافیہ ابیات پہلے گذر گئے ہین ان پر ایک مرتبہ اور نگاہ دوڑالیجائیے

مدح

أصح وأقوى ما سمعناه في الندى — قوی سے قوی اور صحیح سے صحیح حدیث سخاوت جو ہم نے

من الخبر المأثور منذ قديم — کبھی سے اساتذہ حدیث سے سُن رکھی ہے،

احاديث يرويها السيول عن الحيا — وہ حدیث ہے جسکو سیلاب بارش سے، بارش

عن البحر عن كف الأمير تميم — سمندر سے اور سمندر تمیم بن المعز کے فیض ہاتھ سے روایت کرتا ہے،

چونکہ گذشتہ بیتون مین صنعت سلسلۃ العنعنۃ ہے اس لیے انکی خوبی کی بہت داد دیگئی ہے،[1] وصف کے متعلق تاریخ کی صفت کے دو شعر گذر چکے ہین۔

حسن تعلیل

سألت الأرض لم كانت مصلّى — مین نے زمین سے پوچھا کہ تو سراسر پاک صاف

ولم جعلت لنا طهرا وطيبا — اور نماز ادا کرنے کے قابل کیون بنائی گئی ہو کہ جعلت لی الارض مسجدا وطہورا(حدیث)

فقالت غير ناطقة لأني — سو اس نے زبان حال سے جواب دیا اس لیے کہ

ضممت لكل انسان حبيبا — میرے ہان ہر محب کا محبوب ہے،

[1] ملاحظہ المعارف ۲۱۹

اذا ما خفت البیتین یہ بیان شیب مین آئینگے

تجمعہم العید البیتین یہ دونون بھی گذر چکے،

حِکَم و امثال

احبّ اخی وان اعرض عنہ — معارف :- (اپنے بھائی سے محبت کرتا ہون اگرچہ مین
وقلّ علی مسامعہ کلامی — اس سے بے رُخ ہون، اور اسکے کانون مین میری گفتگو کم پڑتی ہو،
ولی فی وجہہ تقطیب راض — اور اسکے روبرو میرے چہرہ مین خاموشی آدمی کیطرح ترشی ہوتی ہو،
کما قطبتَ فی وجہ المدام — جس طرح شراب کو دیکھکر (جو محبوب ہی) منھ بنا لیتے ہو،
ورب تقطب من غیر بغض — چہرہ کی ترشی اکثر عداوت کے بغیر بھی ہوتی ہے،
وبغض کامن تحت ابتسام — اور اکثر عداوت (ظاہری) تبسم کے پیچھے بھی چھپی رہتی ہو)
فی الناس من لا یرتجی نفعہ — بعض لوگون سے اس وقت تک نفع کی توقع نہین کیجا سکتی
الا اذا مس باضرار — جب تلک اونکو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔
کالعود لا یطمع فی طیبہ — جسطرح عود ہندی کہ جب تک اسکو آگ مین جلایا جائے
الا اذا اُحرق بالنار — وہ کبھی خوشبو نہین دیتی،

صنعت توجیہ مین یہ دو بیت اپنی نظیر آپ ہی ہین،

فراق

قد طال حتی خلتہ — شبِ فرقت نے کچھ اتنا طول پکڑا کہ اسکا ہر طرف

محتمل الضدین

من کل ناحیۃ وسط — وسط ہوگیا،

وتکررت فیہ المنا — بلکہ اس کے منازلِ قمر (جو ل بعلیان مین پڑکر) بار بار طلوع ہوے

زل منہ لا منّی الغلط — سو یہ غلطی رات کی تھی نہ میری یا رات کی تھی ہنین نہین بلکہ میری

شب فراق کو خطِ دائرہ قرار دیا ہی جسکا ہر حصہ وسط ہے اور چونکہ اس کا کوئی طرف یعنی سرا ہی نہین، اس لیے ختم کیونکر ہو؟، دوسرے بیت مین توجیہ ہے کہ غلطی کو چاہین رات کی طرف منسوب کرین کہ

اس نے بھول کر بار بار منازل کو اپنی مقررہ رفتارون کو طے کرنے کے بعد پھر طلوع کیا یا ابن رشیق کی طرح کہ وہ اختر شماری مین دھوکا کھا گیا،

بدیہہ گوئی مین آفت ہے جب کبھی اس سے کوئی فرمائش کیگئی ہے اس نے فوراً دو ان ان بیلعہ بدیعۃ اسکی تعمیل کردی، اس نوع کی باتین کچھ تو بغیر تفصیل کے گذر گئین اور باقی نفح مین ملاحظہ ہون یہان صرف ایک ارتجال پر اکتفا کرتا ہون:-

وہ[1] خود کہتا ہے کہ میرے ایک دوست کی فرمائش تھی کہ اگلے بیت کی صرف ایک بیت مین تضمین کرون،

فان فخرت بآباء لھم شرف — اگر تجھے اپنے اسلاف کی شرافت پر گھمنڈ ہو۔

قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدوا — تو ہم کہین گے بیشک تو سچا ہے مگر اخلاف برے ہین

تو مین نے کہا:-

اصبحت من جملة الاشراف ان ذکروا — تو شرفاء کے مابین اس کے ایک پتہ سے

کواحد الآس لا یزکو لہ عدد — مشابہ ہے جسکا ثانی کبھی وجود مین نہین آیا،

جہانتک خاکسار کی نظر ہے عربی مین چار قصیدے شہر آشوب کہے جا سکتے ہین،

(۱) صالح بن شریف الرندی کا مشہور نونیہ جو نفح الطیب وغیرہ مین ہے۔

(۲) ابن[2] الابار البلنسی الکاتب صاحب التکملہ للصلۃ کا وہ طویل سینیہ جو اس نے ابوزکریا ابن ابی حفص شاہ تونس کے دربار مین سنایا تھا جسکا مطلع ہے،

ادرک بخیلک خیل اللہ اندلسا — ان الطریق الی منجاتھا درسا

(۳) شمس[3] الدین الواعظ الکوفی کا نونیہ جس مین بغداد کی تباہی کا نقشہ کھینچا ہے، جسکا مطلع ہے،

[1] الشریشی ۲ ، ۱۱۶، [2] نفح الطیب ۲ ، ۷۰۲ مصر، [3] فوات الوفیات ۱ ، ۲۳۸ ، ۲ بولاق،

ان لم تفرح ادمعی اجفانی　　من بعد بعدکم فما اجفانی!

یہ نونیہ ابن رشیق کے نونیہ کی صدائے بازگشت ہے،

(۴) اور سب سے پہلا بلحاظ عصر ہمارے دوست کا نونیہ جو ابن الکوفی کے نونیہ کا مقتدی اور امام ہے، یہ اصل مین ۱۲۲ ابیات کا تھا جس کے ۶۷ ابیات معالم الایمان مین موجود ہین، کونسا قسی القلب ہے جو اس کے رقت آمیز ابیات کو پڑھکر جو درد مند دلون کے لیے تیر و نشتر ہین تکمیل نہ جائے دل تھام نہ لے، اور قیروان کے شرفا، علما، امرا وغیرہم کی بربادی اور خانہ براندازی کے اندوہ ناک حوادث ابن رشیق کی جادو بھری زبان سے سنکر آٹھ آٹھ آنسو نہ روئے، فخفرا اللھم!

وہ ارذل العمر مین،

ابن رشیق، المعز، اور الدولۃ المعزیۃ ان تینون کو خدائے وہاب کی طرف سے ایک ساتھ شباب اور شیخوخت عطا ہوئے، ہم نے پچھلے صفحات مین اپنے دوست کو دنیا کی ہر طرح کی چہل پہل مین حصہ لیتے دیکھ لیا، مگر اب ہم اسے بدقسمتی سے ایک ہی وقت مین دو بلاؤن مین مبتلا پاتے ہین یعنی پیری اور عسرت

وبئست الخلتان الحزن والکبر۔

وہ بڑھاپے کا ذکر علاوہ ان قوافی کے للشیب، بلق الغراب، اور عن الصواب، اپنے دو شہرۂ آفاق بیتون مین اس طرح کرتا ہے،

اذا ما خفت لعھد الصبی　　ابت ذلک الخمس والاربعونا

جب مین عہد طفلی کی باتین کرنے لگتا ہون　　تو پینتالیس (سال) مجھے رد کر دیتے ہین

وما ثقلت کبرا دطاتی　　ولکن اجر ورائی السنینا

میرا قدم بڑھاپے کے باعث بھاری نہین پڑا　　بلکہ مین تو اپنے پیچھے (پینتالیس) سالون کو گھسیٹ رہا ہون

ملہ معالم ۱/۳ ۱۶۵، ۱۶۸-

اور حرفتہ ادب کا اس طرح،

مالانت یادھر بالأھوال تفجعنا	الالمن یقرع الجلمود بالحزن البیتین
أشقی لعقلك أن تکون أدیبا	او أن یری فیك الوری تهذیبا
مادمت مستویا ففعلك کله	عوج وان أخطأت کنت مصیبا
جب تک تو سیدھا رہیگا تیرے سارے کام ٹیڑھے	رہینگے اور اگر تو ٹیڑھا بنگیا تو تیرا کام بھی بنجائیگا
کالنقش لیس یصح معنی ختمہ	حتی یکون بناؤہ مقلوبا
جس طرح مہر کا نقش، کہ جب تک وہ الٹا	نہ کھودا جائے کبھی چھپنے مین سیدھا نہین اسکتا

عزم سفر

ابن رشیق برخلاف اپنے معاصرین کے حب الوطن من الایمان پر ایمان رکھتا تھا، ہم دیکھتے ہین کہ ابوالفضل الدارمی جسنے قیروان کو ایک طرح وطن بنا لیا تھا باوجود ضرورت بھی بہت کم ٹھہرا

دمعنف لی فی المقام ضرورۃ | بالقیروان وما بہا سلطان الابیات[1]

مگر ابن شرف نے تو حد ہی کر دی کہ ہنوز المعز قیروان سے منتقل ہوا بھی نہ تھا کہ اس نے سسلی[2] کی راہ لی، الغرض جب بحکم ضرورت المعز نے قیروان کو چھوڑ دیا اور ساتھ ہی ساتھ مجد و عز نے بھی اس کا ساتھ چھوڑا تو ابن رشیق نے بھی محض حفظ ذمام کی خاطر بفحوائے حسن العہد من الایمان اپنے مولیٰ کے پیچھے پیچھے مہدیہ کا رخ کیا، مگر المعز کی پریشانیون نے اس کے دل سے ہمارے دوست کی دلجوئی کا سبق بھلا دیا تھا جس طرح ابن[3] بسام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے،

یکایک شام کے بعد مہدیہ پر رومیون کا بیڑا آدھمکا اور سمندر مین قیامت خیز طوفان بپا کر دیا، جب قریباً پو پھٹنے کا وقت ہوا تو ابن رشیق المعز کے ہان پہنچا، دیکھا وہ جانماز

[1] معالم ۳ ۲۰۲، [2] یعنی ۴۴۹ھ مین کما فی المعالم ۳ ۲۳۹، [3] مسالک الابصار صقلیہ ۶۵۱۔

پر بیٹھا ہے، عرضیان گذرانی جارہی ہین، اور شمع روشن ہے، ادھر اس نے چھوٹتے ہی اپنا بائیہ قصیدہ چھیڑ دیا جسکا مطلع ہے،

تثبت لا یخامرك اضطراب — فقد خضعت لعزتك الرقاب

المعز نے کہا بس بس: تمنے مجھے کب غیر متثبت پایا تھا، جب کلام ایسا ہی بار د ہو تو پھر ہماری طرف سے خاموش کیون نہین ہو رہتے، پھر حکماً قصیدہ والے رقعہ کو پارہ پارہ کرادیا اور اس پر ہی قناعت نہ کی بلکہ شمع کے قریب لاکر اسکو جلا ڈالا

اب رہا یہ امر کہ اس نے کس سنہ مین سسلی کی طرف رحلت کی ہے، سو ابن بسام کے پچھلے بیان مین علی ما نقل عنہ ابن فضل اللہ یہ الفاظ ہین تو ابن رشیق اندھا دھند سسلی کی طرف منھ کئے روانہ ہو گیا غیرت کا تقاضا بھی یہی تھا، کہ

وما یقیم علی ضیم یراد بہ — الا الاذلان غیر الحی والوتد

متنبی صرف اس بنا پر شام سے مصر چلا گیا تھا کہ ایک روز ابن خالویہ لغوی نے اپنا رومال لپٹا کر اس کے منھ پر کنجی مار دی اور سیف الدولہ نے مطلق حمایت نہ کی، ہرچند کہ سسلی اس لائق نہ تھا کہ وہ اندنون سخت تباہی مین مبتلا تھا مگر مہدیہ سے قریب ترین بندرگاہ ضرور تھا، مگر صاحب بساط لکھتا ہے کہ شاہان صقلیہ از آل حسن کی داد دہش کا شہرہ سنکر وہ المعز کی وفات کے بعد ۴۵۴ھ ہی مین چلا گیا، ہمارا پچھلا بیان اسکی تردید کے لیے کافی ہے، رہا سنہ رحلت سو بظاہر ۴۵۲ھ ہونا چاہیے

ہمارا بوڑھا دوست صقلیہ مین

افسوس ہے کہ سسلی کی زندگی کے حالات کے متعلق ہمارے ہاتھ مین کوئی تاریخی یا ادبی

۱؎ صاحب بساط نے یہان یہ الفاظ نقل کیے ہین ہی عہد تنی یا ندیمی لا تثبت اور باقی قصہ ندارد اور اس واقعہ کو اس بات کی دلیل گردانتا ہے کہ ابن رشیق آڑے وقتون مین المعز کا دل بہلا دیا کرتا تھا، وھل ھذا الا اختلاق،

دستاویز نہین جس کے اسباب بظاہر چند ہو سکتے ہین (۱) کہ یہان آن کر اس نے کوئی قابل ذکر علمی کام نہین کیا کہ یہ اسکا پیری اور پریشانی کا عہد تھا، (۲) یہان کے ملوک یعنی آل حسن بن علی اس سے پیشتر ہی باہمی خانہ جنگیون اور رومیون کے حملون سے زندگی کے آخری لمحے گذار رہے تھے نیز عین اس وقت تو رجار شاہ مالطہ نے سسلی کا بیشتر حصہ فتح کر لیا تھا جس طرح الشریف الادریسی نزہتہ المشتاق مین لکھتا ہے[1]،

ولما کان فی سنۃ احدی عشرۃ واربعمائۃ وثلاث وخمسین سنۃ افتتح رجار بلادھا وقھر من معہ طغاتہ ولاتہا واجنادھا الملک المعظم رجار بن تنقرید خیر ملوک الافرنجیین۔

ممکن ہے انہین پیاپے حملون مین وہ بے موت مرا ہو، (۳) حالات لکھتا تو کون؟ کہ سسلی کے ہر کلمہ گو کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور افریقیہ کے مسلمانون کو خود اپنی پڑی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ پہلے انھون نے کبھی مسلمانانِ صقلیہ کی امداد مین دریغ نکی تھی مگر شریف ادریسی جو باوجود ادعائے سیادت محض ذاتی اور چندروزہ مفاد کی خاطر اپنی آنکھون سے اپنے نانا کے کھیت کو اجڑتے دیکھتا ہے مسلم بادشاہون کو طغاۃ کا گرانقدر خطاب بخشتا ہے اور انکی تباہی پر مسیحیون کا ہمنوا ہو کر بغلین بجاتا ہے، اللھم انا نعوذ بک من شماتۃ الاعداء

اس سلسلہ مین الذخیرہ کا اگلا بیان ملتا ہے جو ابن فضل اللہ نے نقل کیا ہے[2]۔

فخرج ابن رشیق یومئذ (یوم فعل بقصیدتہ المعز ما فعل) من عندہ علی غیر طریق وکان وجہتہ الی صقلیۃ۔ وکان ابن شرف قد سبقہ الیھا وقد قدم (؟) علیھا۔ وکان قد وقع بینھما بالقیروان۔ ما وقع بین الخوارزمی وبدیع الزمان۔ فلما اجتمعا یومئذ بصقلیۃ تمنی بعضھما

لبعض - وتشرف أعلام البلد لما كان بينهما من إبرام ونقض - فقصد ابن رشیق بعض اخوانه - وقال له انتما علما الاحسان - وشیخا اهل القیروان وقد اصبحتما بحال جلاء - وبین الاعداء - والاشبه بکما ان لا تفرقا ادیکما - ولا تطعما الاعداء لحی مکما - فقال له انت ابن شرف فوجدہ اجنح للسلم - وادنی الی الحلم - بریٔ الیه من صبیه ، صعدہ فی اعطا بذلك صفقتی لسانه ویدہ - وکان ابن رشیق ربما اعترض و تعرض - وتجلب وتلمظ - واما ابن شرف فلم یحل ما عقد - ولا حال عن (ما) عهد -

معالم، المعجب[2] اور نفح الطیب[3] وغیرہ مین کم وبیش مرقوم ہے کہ ابن شرف نے ابن رشیق سے (افریقہ یا سسلی مین) کہا کہ چلو دونون اکھٹے اندلس چلین اس پر ابن رشیق نے کہا،

مما یزھدنی فی ارض اندلس　　سماع معتضد فیہا و معتمد

اسماء مملکة فی غیر موضعہا　　کالھر یحکی انتفاخا صولة الاسد

کہتے ہین اس پر ابن شرف نے یہ جواب دیا،

ان ترمک الغربة فی معشر　　قد جبل الطبع علی بغضہم

فدارہم مادمت فی دارہم　　وأرضہم مادمت فی أرضہم

مگر ناچیز کی تحقیق کے مطابق اگلے دو بیت ابن رشیق کے نہین بوجوہ ذیل:

(۱) المعتضد اور المعتمد دونون باپ بیٹون نے اس کے ساتھ کوئی برائی نہین کی تھی، بلکہ جس طرح آیندہ المعتضد تو ابن رشیق کو اندلس بلا رہا تھا، سو اگر وہ اندلس پہنچتا جس طرح

---

[1] ۳ x ۲۳۹ [2] لیدن صفحہ ۹، [3] مصر ۱ x ۹۹ لیدن ۱ x ۱۳۱

ہر دو کی خواہش تھی تو اس ہجو سے کیا معذرت کرتا۔

(۲) ابن خلکان نے یہ دو بیت ذوالوزارتین ابو بکر ابن عمار کے ترجمہ مین اوسی کی طرف منسوب کیے ہین اور ہجو کا معقول سبب بیان کیا ہے[1]،

(۳) المعتمد اس وقت تک نہ تخت نشین ہوا تھا نہ اس نے لقب المعتمد اختیار کیا تھا، کہ اسکی تخت نشینی کا سال سنہ ۴۶۱ھ[2] ہے حالانکہ ابن رشیق ایک[3] قول کے مطابق سنہ ۴۵۶ھ[4] مین اور ابن شرف[5] سنہ ۴۶۰ھ مین اندلس مین مرا ہے، بلکہ مجھے تو سرے سے ایک حد تک اس قصہ کے وقوع ہی سے انکار ہے، عربی شاعری مین اس بات کی صدہا مثالین ملینگی کہ ناواقف سامعین شاعر کی زبان سے جو شعر سنتے ہین وہ اسی کے سر منڈھ دیتے ہین، علی الخصوص لفظ انشاد کا عموم بارہا اس قسم کے دھوکے مین ڈالدیتا ہے،

رہے ابن شرف کے دو بیت سو ممکن ہے وہ بھی علی بن فضال (و فضالۃ سبق قلم) المجاشعی القیروانی کے ہون کما فی المعاہد[6]، پھر اسکو خیال ہوا ہو کہ تجنیس کی اس قسم پر جو ابو الفتح البستی کی امتیازی صنعت ہے خود بھی طبع آزمائی کرے[7] سو اسنے اگلے ابیات کہے ہون،

یا ثاد یا نی معشر قد اصطلی بنارهم ان تبک من شرارهم علی یدی شرارهم

ارترم من احجارهم وانت فی احجارهم فما بقیت جارهم ففی هواهم جارهم

وارضهم فی ارضهم ودارهم فی دارهم

مگر پھر اصل قصہ کے موضوع ہونے کا خیال قوی تر ہوتا جاتا ہے کہ علی بن فضال جسکا ترجمہ معجم الادبا کے

[1] یعنی کہ اس نے بعہد گورنری صوبہ بتدمیر پر مستبدانہ قبضہ کرلیا، اپنے ولی نعمت المعتمد کے نام گستاخانہ خطوط لکھے اور اسکی اور اسکے والد کی دو بیتون مین ہجو کی ابن خلکان ۲×۷۔ [2] ملاحظہ ہو ابن خلکان ۱×۱۳۲۔ [3] ملاحظہ ہو مقدمۂ مقامۂ ابن شرف، [4] ۲×۷۰۔ [5] صقلیہ ۶۰۸، [6] ابن خلکان ۲×۲۹

مین ہے ابن شرف کا پورا معاصر نہین،

اندلس کے ملوک طوائف کے سر مین باوجود نہایت حقیر ممالک پر قابض ہونے کے سوداے خلافت سمایا ہوا تھا مگر یہ واقعہ ہے جس سے کسی مورخ کو انکار نہین ہو سکتا کہ علی الخصوص شاعری اور علوم ادب کو جو ترقی ان کے عہد مین نصیب ہوئی وہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، جب ابو الفضل الدارمی قیروان سے سوسہ اور وہان سے دانیہ ہوتا ہوا بلنسیہ اور طلیطلہ پہنچا تو المامون بن ذی النون نے اس کو ہاتھون ہاتھ لیا اور زندگی بھر اسے ہر طرح سے مستغنی کر دیا اور مرنے کے بعد اسکا وظیفہ اس کے تلامذہ اور حلقہ نشینون پر بحال کر دیا، مگر بنو عباد ہمین علم پروری مین سب سے پیش پیش نظر آتے ہین بلا مبالغہ المعتمد ملوک طوائف مین گل سر سبد تھا، العماد الخریدہ[۱] مین اور ابن خلکان[۲] وفیات مین لکھتا ہے کہ المعتمد نے ابو العرب الزبیری الصقلی اور ابو الحسن الحصری کی طرف پانچ پانچ سو دینار بھیجے کہ وہ اندلس آئین مگر دونون نے رکوب بحر کی مذمت مین علی الترتیب لکھ بھیجا،

لا تعجبن لرأسي كيف شاب أسى	واعجب لأسود عيني[۳] كيف لم يشب
تمھین اس بات پر تعجب کرنا چاہیے کہ ہموم سے میرا سر کیون سپید ہو گیا	بلکہ تعجب تو مردمک چشم سے کرو کہ وہ کیون نہ سپید ہوا!
البحر للروم لا يجري السفين به	الا على غرر والبر للعرب
سمندر رومیون کے لیے ہے جس مین کشتیان باوجود خطرہ چلتی ہین	اور عربون کے لیے خشکی بنی ہے،
امرتني بركوب البحر اقطعه	غيري لك الخير فاخصصه بذا الداء
تم مجھے حکم کرتے ہو کہ دریائی سفر کرون	اجی بر دا این دام بر مرغ دگر نہ الخ
ما انت نوح فتنجيني سفينته	ولا المسيح انا امشي على الماء
تم نوح نہین جسکے جہاز پر مجھے نجات مل سکے	اور نہ مین عیسیٰ جو پانی پر چلون

[۱] صقلیہ ۶۰۸، [۲] ۱ : ۴۴۳ - [۳] کذا ولعلہ عینی،

مگر جب صقلیہ پر راجر کا قبضہ ہوگیا تو ابو العرب المعتمد کے یہان پہنچا، الغرض ابن رشیق بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح المعتضد کے یہان پہنچے، مگر جس طرح معلوم ہے عرب لوگ ہمیشہ دریائی سفر سے ہچکچاتے ہین یہ بھی گومگو کی حالت مین رہا جس طرح اس کے ان بیتون سے معلوم ہوتا ہے،

خلقت طینا وماء البحر یتلفہ	والقلب فیہ نفور عن مراکبہ
فالبحر خیر رفیق بالرفیق لہ	والبر مثل اسمہ بر براکبہ
البحر صعب المرام مر	لا جعلت حاجتی الیہ
سمندر بہت مشکل الحصول اور تلخ ہے	خدا مجھے کبھی اس کا محتاج نہ کرے
الیس ماء و نحن طین	فما عسی صبرنا علیہ
کیا وہ پانی نہین؟ اور ہم مٹی کے نہین	پھر بھلا ہم کب تک صبر کر سکین گے

ابن[1] بسام کہتا ہے،

مجھ سے اشبیلیہ کے ایک وزیر نے بیان کیا کہ عباد (المعتضد) نے ایک تاجر کو بہت کچھ دے دلا اور سمجھا بجھا کر صقلیہ بھیجا، ابن رشیق اگر کہین عباد کا ذکر سن پاتا تو فرط اشتیاق سے بے قابو ہو ہو جاتا، سو جب اس نے تاجر کے آنے کا حال سنا تو اس کے یہان آمد و رفت شروع کر دی اور عباد کی دید کا شوق ظاہر کیا، تاجر اسے سبز باغ دکھاتا رہا تا آنکہ جب ہوا موافق ہو گئی تو خود اکیلا چلتا بنا اور ابن رشیق کو یہین حسرت و ناکامی سے ہم کنار چھوڑ گیا، تاجر نے عباد سے مکر ابن رشیق کی ملاقات کا سارا ماجرا کہہ سنایا اس پر عباد نے اسکو کافی سزا دی اور اسکا مال و متاع بھی ضبط کر لیا، ادھر ابن رشیق نے بہت چاہا کہ تنہا سفر کرے مگر ہمت نہ ہوئی اور جھجکنے لگا،

[1] مسالک الابصار، صقلیہ ۷۵۴۔

فارسیؐ جدید کی شاعری

(۲)

از

ایم، جی زبید احمد صاحب ایم اے، پرشین لیکچرر، الہ آباد یونیورسٹی

خصوصیات شاعری فارسی جدیدہ | اگر ہمین خوف طوالت نہ ہوتا توہم اوّلاً عہد حاضرہ کی شاعری کے مختلف نمونے پیش کرتے اور پھر خصوصیات کو لیتے، لیکن نمونون کو پیش کرنے کے لیے بڑا وقت اور طول کلام چاہئے اسلیے اس وقت ہم صرف جزو ثانی کے بیان پر اکتفا کرتے ہین،

پہلی خصوصیت | فارسی کی شاعری نے عرب کی شاعری کے زیر اثر نشوونما پایا ہے، خود عجمیون کو اعتراف ہے کہ شاعری درحقیقت عرب کی شاعری ہے، چنانچہ انوری کہتا ہے، ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود   اوّل شان امرء القیس آخر شان بوفراس

عرب کی شاعری ابتداءً نیچرل شاعری تھی، اس مین سچے جوش اور فطرتی جذبات کی مصوری ہوا کرتی تھی، فارسی نے جب عرب کے سامنے زانوئی شاگردی تہ کیا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ غلامانہ تملق وخوشامد نے شاعری کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، اور اس فن لطیف کا دارمدار زیادہ تر مدحیہ وعشقیہ مضامین پر رہ گیا تھا، شاگرد ذہین، تیز طبع اور ہونہار تھا، اس غیر فطری شاعری کے میدان مین استاد سے بڑھ گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری چند مضامین کے تنگ حصار مین مقید ہو کر رہ گئی، عہد حاضرہ کا ایک ایرانی مبصر فارسیِ جدید کی چند نظمون کی تدوین کرکے دیباچہ مین لکھتا ہے،

"ہمین اساتذہ کے کمالات سے کچھ انکار نہین ان کے کلام مین لطافت ونزاکت، معانی

عالیہ، مضامین دلکش سب کچھ پائے جاتے ہین، لیکن درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہی، دیکھنا یہ ہے کہ انکی شاعری نے کیا نتائج پیدا کیے،

مبالغہ اور غلو کے استعمال کا یہ نتیجہ ہوا کہ کذب وخلاف گوئی شعراء کی طبیعت ثانی ہوگئی،

یہ مدح سرائیون اور خوشامد گوئیون کا نتیجہ تھا کہ سلاطین و حکام کو عقل ونقل کے خلاف منکرات دسیئات کے مرتکب ہونے کی جرأت ہوگئی،

ان کی صوفیانہ شاعری کا سوائے اس کے اور کیا نتیجہ ہوا کہ قوم انتہائے جمود وخمود اور کاہلی وسستی کے غار عمیق مین گر پڑی،

ان کی عشقیہ شاعری نوجوانانِ قوم کے اخلاق خراب کرنے کی ذمہ دار ہی، اسی کی بدولت ان کو سوائے شراب وکباب اور معشوقان دلبر و دلربا کے کسی اور طرف دلچسپی نہین رہی،

ان کے مطائبات، ہزلیات اور ہجوگوئی کا یہ اثر ہوا کہ بداخلاقی وبدکرداری قوم مین زیادہ ہوگئی،

اس کے بعد مؤلف ایرانی ذیل کی مثالین دیتا ہے،

"ابونواس اور اس جیسے شعراء کے قصیدے اور نظمین ہی تو اس بات کی ذمہ دار ہین، کہ خلفائے عباسیہ شراب پینے لگے تھے، اور دوپہر تک سوتے رہتے تھے،[1]

عنصری۔ رودکی و فرخی کے قصائد ہی تو دولتِ سامانیہ وغزنویہ کے بربادی کے باعث ہوئے

عراقی اور مغربی کے تصوف ہی نے حد سے بڑھ جانے والے درویشون اور نکمے آدمیون کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کردی،

انوری، ظہیر فاریابی اور رشید وطواط وغیرہ کی بیہودہ خوشامد گوئی ومدح سرائی نے بڑے بڑے ظالم وجفا پرور بادشاہ پیدا کیے،

سعدی وہمام وغیرہ کے اشعار عاشقانہ ہی نے جوانانِ ایران کے اخلاق خراب کیے،

[1] معارف: یہ دلچسپ سوال ہے کہ عیاش خلفاء نے ابونواس کو پیدا کیا یا ابونواس نے عیاش خلفاء کو؟ وغیرہ

سوزنی وغیرہ کے ہزلیات واہاجی ہی تو قوم مین بداخلاقی و بداعمالی کی ترویج عام کا باعث ہوئے، خاقانی کی لغو مشکل پسندی، لفظ بازی وچیستان گوئی ہی نے تو مرزا مہدی خان (مصنف درہ نادرہ) جیسے نقاظ اور مغلق عبارت لکھنے والے پیدا کر دئے۔

اس کے بعد مصنف فاضل۔ یورپ کی شاعری کی تعریف مین لکھتا ہے کہ "اگرچہ وہان بھی ہر قسم کی شاعری تھوڑی بہت موجود ہے، لیکن تاہم عام طور پر اونکی شاعری بالکل فطری اور عقل کے مطابق ہے، یہ دماغ مین روشنی پیدا کرتی ہے، توہمات باطلہ اور خیالات فاسدہ کی جڑ کاٹتی ہے، اس کے پڑھنے سے خواہ مخواہ نیکی کی طرف رغبت اور برائی سے نفرت پیدا ہوتی ہے، یہ قوم مین ہمدردی۔ وطن پرستی اور ایثار کے قابل تعریف جذبات برانگیختہ کرتی ہے، یہی وہ شاعری ہے جسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اِنَّ مِنَ الشعرلحکمۃ "۔

یہ غنیمت ہے کہ ہمارے نقاد و مقالہ طراز نے شاہنامہ کی کچھ تعریف کی ہے، اس تنقید مین، ظاہر ہے کہ جی کھول کر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، اور فارسی شاعری کا ایک ہی پہلو اور وہ بھی نہایت تیرہ و تاریک، مذموم و قبیح دکھلایا گیا ہے ہم تو اس سے کہان اتفاق کرین گے، پروفیسر براؤن، جو غیر ملک کے باشندہ ہونے کی حیثیت سے فارسی شاعری کا ہماری طرح طرفدار نہین ہوسکتا، لکھتا ہے کہ "جب تک فارسی زبان بولی اور لکھی جائیگی، میدان شاعری مین مولانا رومی کے نازک صوفیانہ خیالات، حافظ کے لطیف جذبات اور سعدی کی عملی حکمیات سے کسی کا کلام سبقت نہین لیجاسکتا"۔ اگرچہ مستشرق مذکور کا یہ ریمارک بالکل صحیح ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، مگر تاہم اس سے بھی کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ وطنی شاعری جسے ایرانی فاضل موصوف نے اس قدر اہمیت دی ہے، پہلے فارسی مین۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین مطلق نہ تھی، البتہ یہ جذبات وطنیت وحریت فارسی جدید کی شاعری مین پائے جاتے ہین، بس

یہی اس کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ہے، ذیل کی قومی نظم اشرف الدین رشتی کی ہے،

اے جنتِ معارف ویران شدی چرا | از رخت علم یکسرہ عریان شدی چرا
در آتشِ جہالت بریان شدی چرا | اے بے معین و مونس و بے اقربا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

اے باغ پر شگوفہ گل و یاسمن چہ شد | آن نزہت و طراوت سرو سمن چہ شد
بر عاشقان گشتہ مزار و کفن چہ شد | گریان بحال زار تو مرغ ہوا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

اے دخمۂ فریدون تاج کیان چہ شد | کشمیر و بلخ و کابل و ہندوستان چہ شد
دریائے نور و تخت جواہر نشان چہ شد | اے تخت و بخت دادہ بباد فنا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

آن قدرت و شجاعت و جوش و خروش کو | شیران جنگجو و پلنگینہ پوش کو
جمشید و کیقباد چہ شد داریوش کو | اے جائے ناز و نعمت و عزّ و علا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

اسلام رفت غیرت اسلامیان چہ شد | ناموس رفت ہمتِ ایرانیان چہ شد
دست بلند نادر گیتی ستان چہ شد | اے تیرہ بخت دست ز ہیکر جدا وطن

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن

دوسری خصوصیت | زبان صاف اور سلیس، بندش سہل اور سادہ ہے، نہ تو استعارات پیچیدہ و تشبیہات دور از کار کی بھرمار ہے اور نہ اضافت مجازی و بیانی کے استعمال مین افراط ہے سیدھی سادی باتین ہین، جو اس خوبی و کمال کے ساتھ شاعری کے سانچہ مین ڈھال دیگئی ہین، کہ دل پر

اثر ہوئے بغیر نہین رہتا، اور یہی اصلی شاعری ہے اس مصرع کو دیکھو،

بیکس وطن غریب وطن بے نوا وطن،

کتنا سیدھا سادھا ہی مگر اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھ لو کہ دل پر کتنا اثر کرتا ہے، ذیل کا بند پڑھو دیکھو زبان کس قدر سلیس اور ترکیب کتنی سہل ہی مگر دل کی حالت متغیر کرنے کے لیے کافی پر اثر ہے،

خداوندا جہان را آفریدی　　زمین و آسمان را آفریدی

مکان و لامکان را آفریدی　　تمام انس و جان را آفریدی

چرا ایرانیان را آفریدی

تیسری خصوصیت | الفاظ غیر زبان کو اس خوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہین کہ کانون کو بہت بھلے معلوم ہوتے ہین،

روز و شب از شش جہت "توپ" مسلسل در نوا　　چون کبوتر صف زدہ "ایرویلانہا" در ہوا

خرمن آتش شدہ در این زمستان ہا سوا　　برف و یخ گو یا حرارت را فزون تر می کند

ریشخندد ر دمندان فیل را خر میکند

یاد بآن دست دادن اندران عکس گروپ　　در فضائے اردبیل

وان بیاران رحیم از شوق دادن مشق توپ　　تا شود خونہا سبیل

وآن بخود رہ دادن اہرمنیان نابکار　　از پس جنگ و قرار

عکس گروپ سے مراد گروپ فوٹو گراف ہے۔

چوتھی خصوصیت | فارسی جدید کی شاعری مین جملہ اصناف نظم مین سے مسمط کا رواج زیادہ ہے اور مسمط مین بھی مخمس، ہر بند کے پہلے تین مصرع ایک قافیہ مین ہوتے ہین، اور یہ قافیہ ہر بند مین بدلتا رہتا ہے، چوتھے اور پانچوین کا اول سے آخر تک ایک ہی رہتا ہے، مخمس کی کثرت استعمال

کی ابتدا قاآنی سے ہوتی ہے۔اگرچہ اسکی مخمسات قدیم طرز پر ہوتی ہین یعنی چار مصرعہ ایک قافیہ مین جو ہر بند مین بدلتا رہتا ہی اور پانچوین کا جداگانہ جو تمام نظم مین ایک ہی رہتا ہے، اس دور مین شعر کی اس صنف نے قریب قریب غزل کی سی مقبولیت حاصل کرلی ہے، مخمس قدیم وجدید کا فرق مثال سے اچھی طرح ظاہر ہوگا، قاآنی کے مخمس کا بند ہے،

ندانداز کہ دلی شگوفہ از چہ پیر شد بخوردہ شیر عارضش چرا برنگ شیر شد
گمان برم کہ ہمچو من اسیر شد زپافگندہ دلبرش چہ خوب دستگیر شد
بیلے چنین برند دل زعاشقان نگارہا

پہلے چار مصرعہ ایک ہی قافیہ مین ہین، اور پانچوین کا جدا ہے جو تمام نظم مین۔قائم رہتا ہے آجکل کے مخمس کا طرز یہ ہے،

وا حسرتا کہ اصلاح تبدیل شد بہ افساد مہر و وفا و الفت یکدفعہ رفت برباد
قرآن و درس توحید یکبارہ رفت از یاد شرع شریف شد محو از افتراق ملت
داد از نفاق ملت داد از نفاق ملت

یہان پہلے تین مصرعے اور آخری دو مصرعے ہم قافیہ ہین۔
مخمس کے علاوہ۔مربع ومسدس بھی کثرت سے پائے جاتے ہین،
مسدس کا نمونہ یہ ہے،

وقت مغرب بسوے خانہ شدم ہمدم دلبر جانانہ شدم
چونکہ سرمست زمخانہ شدم سخنے گفت کہ دیوانہ شدم
خاک ایران شدہ ویران زسر فیل
روس فیل آنگلفیل المان فیل

مثال مربع۔

پسر گوید۔ توہم گر مروّت نداری بمن چہ بہ یزدان اطاعت نداری بمن چہ

بیک زن قناعت نداری بمن چہ اگر ہیچ غیرت نداری بمن چہ

پدر گوید۔ توہم ای پسر شب برو در محلہ خصوصاً بشب ہائے تاریک چلہ

ببین عاشقان ہر طرف گلہ گلہ اگر ہیچ عصمت نداری بمن چہ

مسمط کے بعد دوسرا نمبر مستزاد کا ہے اس نے اس عہد مین بے حد رواج پایا ہے، پہلے فارسی مین مستزاد زیادہ تر رباعی کے ساتھ مخصوص تھا، مگر اب عام ہے،

گردیدہ وطن غرقۂ اندوہ ومحن وائے اے وائے وطن وائے خیزید روید از پے تابوت وکفن وائے

اے وائے وطن وائے از خونِ جوانان کہ شدہ کشتہ درین راہ۔ رنگین طبق ماہ

خونین شدہ صحرا وتل ودشت ودمن وائے اے وائے وطن وائے کو ہمت وکو

غیرت وکو جوشِ فتوت، کو جنبشِ ملت دروا کہ رسید از دو طرف سیل فتن وائے آہ اے وطن وائے

اس دور مین مستزاد کی ایک اور صورت پیدا ہو گئی ہے یعنی مستزاد بر مستزاد جسکا نمونہ یہ ہے،

اے شہنشاہ جوان شیران جنگ آور نگر در نگر عالمے دیگر نگر

ملتے را راحت از مشروطہ سر تا سر نگر در نگر عالمے دیگر نگر

بادشاہی کن کہ دوران جہان بر کام تست رام تست شاہ احمد نام تست

در محامد خویش را ہمنام پیغمبر نگر در نگر عالمے دیگر نگر

داد خواہی کن درین مشروطہ چون نوشیروان در جہان رخش ہمت بر جہان

خویش را والا تراز دارا و اسکندر نگر در نگر عالمے دیگر نگر

ترجیع بند و ترکیب بند دونون کا بھی بمقابلہ پہلے کے استعمال زیادہ ہو گیا ہے، نسیم شمال

سے ایک ترجیع بند کا ایک بند ذیل مین نقل کرتے ہین؛

ما اگر علم و ہنر می داشتیم　　کوہ را از جائے بر می داشتیم
از جوانانِ نظامی روزِ جنگ　　صد ہزاران شیر نر می داشتیم
خطِ آہن می نمودیم اختراع　　راہ ہا در بحر و بر می داشتیم
موقعِ صلحِ جہان در کنفرانس　　احترامات دگر می داشتیم
علم اگر می شد چرا چندین گدا　　در میانِ رہگذر می داشتیم
از برائے دفع و رفعِ احتیاج　　در خزانہ سیم و زر می داشتیم

آنکہ شیران را کند روبہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

پانچوین خصوصیت، الفاظ جدید کا استعمال۔ مثلاً اوپر کی نظم مین خطِ آہن[1]۔ یا جوانانِ نظامی[2] وغیرہ،
حکومت مشروطہ پارلیمنٹری گورنمنٹ ہے، عصرِ مشعشع، سویلائزڈ پیریڈ، یعنی متمدن زمانہ

اندرین قرنِ تمدن راحت و آزاد باش　　اندرین عصرِ مشعشع بادہ نوش و شاد باش
اندرین دورِ طلائی خرم و دل شاد باش　　این تمدن طرح قوچان خاک[3] از زرمیکند

ریشخند در دندان فیل را خر می کند

چھٹی خصوصیت کچھ حد تک بلحاظ عروض۔ انگریزی شاعری کا بھی تتبع کیا گیا، روشِ قدیم کے
مطابق یہ ناممکن ہے کہ ایک بند کا آخری شعر یعنی ٹیپ کا شعر یا مصرعہ مختلف بحرین ہو، قافیہ و ردیف
کا بدل جانا تو معمولی صورت ہے مگر ایک ہی بند مین بحر کا بدل جانا نئی چیز ہے،

بزرگان جملگی مست غرورند　　خدا کے فکر ما نیست
ز انصاف و مروت سخت دورند　　خدا کے فکر ما نیست

[1] معارف: ریل [2] معارف: فوا عدوان فوج

رعیت بے سواد و گنگ و کورند   خدا کسے فکر ما نیست
ہفدۂ و ہژدۂ و نوزدۂ بیست
اے خدا کسے فکر ما نیست
فلک دیدی بما آخر چہا کرد   خدا کسے فکر ما نیست
ز خویش و اقربا ما را جدا کرد   خدا کسے فکر ما نیست
جفا بیند کہ با ما این جفا کرد
ہفدۂ و ہژدۂ و نوزدۂ و بیست   اے خدا کسے فکر ما نیست

پہلے تین مصرعے تو بحر ہزج مسدس مقصور مین ہین، لیکن آخری شعر مین بحر بدل گئی، بلکہ آخری شعر کے دونون مصرعے ایک دوسرے سے مختلف بحر مین ہین، اسی قبیل سے یہ لوری ہے،

بخواب اے دختر زیبا   بالام لاے لاے   لالام لاے لاے
میان مخمل دیبا   بالام لاے لاے   لا لا م لاے لاے
دو چشمانت بہ بندامشب   بروے من مخند امشب   بالام لاے لاے   لالام لاے لاے
کہ می بینی گزند امشب   بالام لاے لاے   لالام لاے لاے
مساجد گشتہ ویرانہ   معابد گشتہ میخانہ   وطن پرشد ز بیگانہ
بالام لاے لاے   لالام لاے لاے   بخواب ای دختر شیرین فدایت مادر مسکین
میادر یاد از قزوین   بالام لاے لاے   لالام لاے لاے
ز بے خبری درین طہران   مرا خشکیدہ بین پستان
تو بے شیری و من بے نان   بالام لاے لاے   لالام لاے لاے

اس نظم مین بحر ہزج کے رکن ہین۔ مگر بالام لاے لاے الخ اس بحر سے خارج ہے،

اس لوری کا آخری شعر ہے ملاحظہ ہو کہ کس قدر نیچرل ہے،

لولو خور خور　ننہ نیف نیف　ممہ اخ اخ　ممان تف تف

بخواب اے زادہ آمد آفت　بالام لائے لائے　لالام لائے لائے

آٹھوین خصوصیت انگریزی شاعری مین استاٹر کا جو رنگ خاص ہے وہ بہت حد تک فارسی قدیمہ مین معدوم تھا، لیکن اب عہد حاضرہ کی شاعری کی ٹکسال مین اس صنف نظم کے بھی سکے نہایت آب و تاب کے ساتھ ڈھل رہے ہین،

خطاب بفرنگیان،

ای فرنگی ما مسلمانیم جنت مال ماست　در قناعت حور و غلمان ناز و نعمت مال ماست

ای فرنگی اتفاق و علم و صنعت مال تو　عدل و قانون و مساوات و عدالت مال تو

نقل عالمگیری و جنگ و جلادت مال تو　حرص و بخل و کینہ و بغض و عداوت مال ماست

خواب راحت عیش و عشرت ناز و نعمت مال ماست

ای فرنگی کشتی جنگی دریائی ز تو　راہ آہن علم طے الارض صحرائی ز تو

در ہوا بازور زپلن عرش پیمائی ز تو　در زمین بے عاری و جہل و فلاکت مال ماست

استراحت خواب راحت عیش و عشرت مال ماست

عام طور پر یہ شکایت کیجاتی ہے کہ آجکل فارسی شاعری روبانحطاط ہے لیکن یہ شکایت بالکل واقعات کے خلاف ہے سچی فطری شاعری کا ارتقا، تو درحقیقت اب ہی ہو رہا ہے چونکہ ایران کی سیاسی و اجتماعی حالت بمقابلہ دول متمدنہ یورپ کی خراب ور دی ہی اسلیے ہماری مایوسی نے ہمین یہانتک بدظن کر دیا ہے کہ ایرانیونکی ہر بات مین تنزل محسوس کر رہے ہین لیکن جب یہ قوم میدان کشمکش زندگی مین کامیاب ہو جائیگی (اور انشاء اللہ یہ زمانہ بہت جلد آنیوالا ہے) اس وقت فارسی شاعری کی تاریخ لکھنے والے اس دور کی شاعری کو نہایت آب و تاب کے ساتھ لکھینگے، اور اسے ایرانی شاعری کے ارتقا کا ایک اہم اور استوار زینہ قرار دینگے، اصلی و فطری شاعری کی ترقی درحقیقت اسی وقت ہوتی ہے جب قوم عصبیت و ادبار مین ہوتی ہے، عہد متمدنہ و متاخرہ کی شاعری حقیقت شاعری نہین،

علامت شک و استفہام

(؟)

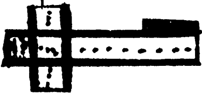
از مولوی ابوالحسنات صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ نقش علامت یورپ کی تحریری ملک ہے اور ایشیائی تحریرون مین اب اسی سے لیکر رائج کر دیگئی ہے، لیکن اسکا کوئی قطعی ثبوت دینا بہت مشکل ہے، اس خیال کے حامی اشخاص کے لیے اس سوال

"کیا موجودہ یورپین طرز تحریر کی یہ ایجاد ہے یا اس نے اپنے سلف ومی طرز تحریر سے اُسکو ورثۃً پایا ہے"

کا جواب دینا نہایت دشوار ہے کیونکہ غالباً یورپ کی تاریخ ادب و انشا اس علامت کی تاریخ سے خالی ہے، اس لیے یورپ کے علمائے ادب اسکی ابتدا کی تاریخ نہین بتا سکتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ مین اس کا استعمال بھی گذشتہ چند صدیون سے پہلے نہین پایا جاتا،

بخلاف اس کے عرب کی تاریخ ادب و انشا مین ہم اسکی ایک اصل و بنیاد پاتے ہین جس سے قیاس کر سکتے ہین کہ شاید یہ ایشیا کی چیز ہے، ادبائے عرب آج سے ہزار سال پہلے اپنی تحریرون مین شک و استفہام کے موقع پر ایک نقش علامت استعمال کرتے تھے جسکا اصطلاحی نام ضبہ تھا لغت مین ضبہ جس چیز کو کہتے ہین اسکی صورت یہ ہے،



اہل ادب کے نزدیک ضبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انکو اپنی تحریر مین جب کسی لفظ کی صحت و اصلیت کی پوری تحقیق ہو جاتی تھی تو اس پر کلمہ صح لکھ دیتے تھے یعنی یہ بالکل درست ہے لیکن جب شبہہ رہجاتا تھا تو اس پر صرف صـ لکھدیتے تھے یعنی یہ کہ اس لفظ مین مصنف کو شبہہ رہگیا۔ یاقوت مصنف معجم الادبا نے ابراہیم بن محمد بن زکریا الزہری معروف بہ ابن الافلیلی کے حالات مین اسکی یہ روایت لکھی ہے،

قال کان شیوخنا من اھل الادب یتعالمون ہمارے اہل ادب استاد یہ سکھاتے تھے کہ جب کسی حرف پر صـًا درج کیجاتا

ان الحرف اذا كتب عليه صاد وحاء ان ذلك علامة لصحة الحرف لئلا يتوهم متوهم عليه خللا ولا نقصا فوضع حرف كامل على حرف صحيح، واذا كان عليه صاد ممدودة دون حاء كان علامة ان الحرف سقيم،

صح لکھا ہو تو یہ اس حرف کی صحت کی علامت ہے تا کہ کسی کو اس مین خلل اور کمی کا وہم نہ ہو گویا حرف صحیح حرف کامل کی علامت رکھا گیا۔ اور جب کسی حرف پر صرف کھنچا ہوا صاد بغیر ح کے (صـ) لکھا ہو تو مطلب یہ ہے کہ یہ حرف مشکوک و مشتبہ ہے،

یہ روایت لکھکر خود مصنف معجم الادبا نے لکھا ہے کہ

وانما قصد والكتبهم على الحرف صح ان كان شاكا في صحة اللفظة فلما صحت بالبحث خشي ان يعاوده الشك فكتب عليها صح ليزول شكه فيما بعد، وليعلم هو انه لم يكتب عليها صح الا وقد اقتضى حجتها في تصحيحها واما الضبة التي صورتها (صـ) فانما هو نصف صح كتبه على شئ فيه شك ليبحث عنه فيما يستانفه۔ فاذا صحت له اتمها بحاء فيصير صح

کسی کلمہ پر صح لکھنے کا یہ مقصد ہوتا تھا کہ ایک ادیب کو جب کسی لفظ کی صحت مین شبہہ ہوتا اور تلاش و جستجو کے بعد اسکی صحت معلوم ہو جاتی تو اس لیے کہ اسکو دوبارہ شک پیدا نہ ہو جائے اس پر صح لکھ دیتا تھا وہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے کسی لفظ پر صح اسی وقت لکھا ہے جب اسکی تحقیق و جستجو ختم ہو چکی ہے لیکن ضبہ جسکی یہ صورت (صـ) ہے تو بے شبہہ یہ صح کا نصف ہے اور اسکو وہ صرف اسی لفظ پر لکھتا تھا جسکی بحث و تحقیق آیندہ کے لیے چھوڑ دیتا تھا پھر جب اس لفظ کے بارہ مین اسکی تحقیق ختم ہو جاتی تو اس نصف (صـ) مین حرف ح ملا دیتا تھا اور اس طرح بعد تحقیق حرف صح مکمل ہو جاتا تھا،

نصف صاد (صـ) اور علامت استفہام (؟) کی صورتون مین جو قریبی مشابہت پائی جاتی ہے کیا اسکی بنا پر یہ قیاس نہین کیا جا سکتا کہ عجب نہین یہی نصف صاد جو پہلے مستوی حالت (صـ) مین لکھا جاتا تھا بعد کو عمودی شکل (؟) مین لکھا جانے لگا ہو اور اس کے بعد کثرتِ استعمال کی وجہ سے اپنی عمودی شکل (؟) سے موجودہ صورت (؟) مین آگیا ہو ہم یقینی طور پر یہ نہین کہہ سکتے کہ واقعہ ایسا ہی ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ ان لوگون کے مقابلہ مین جو بغیر کسی استناد کے اسکو یورپ کی چیز بتاتے ہین ہمارے لیے یہ روایت اور دونون کی مشابہت صوری ایک سہارا ہے اور ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ ایشیا کی چیز ہے

تلخیص و تبصرہ

کابل مین ایک سیاسی مدرسہ کا افتتاح

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان کے دور حکومت مین اگرچہ عام طور پر کابل مین نہایت کثرت سے مکاتب و مدارس قائم ہو رہے ہین، لیکن اس سلسلہ مین ایک جدید سیاسی مدرسہ کا افتتاح خاص اہمیت رکھتا ہے،

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان نے اپنے تدبر و دانشمندی سے مختلف شعبہائے حکومت کے فرائض و اختیارات جن روشن خیال افراد کو تفویض کیے ہین، ان مین آقائے محمد ولی خان وزیر امور خارجیہ کے کارنامے کابل کی جدید تاریخ مین نہایت نمایان نظر آتے ہین، اور یہ جدید سیاسی مدرسہ بھی آقائے موصوف ہی کا ایک روشن ترین کارنامہ ہے،

اس مدرسہ کے دو شعبے ہین، پہلا شعبہ ان نوجوانون کے لیے مخصوص ہی جنھون نے اب تک کوئی سرکاری ملازمت نہین حاصل کی ہی، بلکہ دنیوی کاروبار سے بالکل آزاد ہین، اس لیے ان کو اس مدرسہ مین تعلیم حاصل کرنے کے لیے کافی وقت مل سکتا ہی، یہی وجہ ہے کہ کابل کے عام مدارس کی طرح ان کی تعلیم کا وقت بھی صبح سے لیکر ظہر تک رکھا گیا ہے، اس کا پروگرام بھی عام سیاسی مدارس کے موافق بنایا گیا ہی، البتہ اس مین یورپ کی بالکل اندھا دھند تقلید نہین کی گئی ہے، بلکہ کابل کی مخصوص ضروریات و مصالح کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے لیکن ابھی تک اس شعبہ کا افتتاح نہین ہوا ہے اس لیے اسکا پروگرام افتتاح کے وقت شائع کیا جائیگا،

اس شعبہ کی مدت تعلیم چار سال رکھی گئی ہی، داخلہ کے لیے ایک معمولی امتحان دینا پڑے گا، اور صرف اس قدر لیاقت کی ضرورت ہوگی جو ابتدائی تعلیم کے برابر ہو، ۲۰ طالب علمون کی تعداد پوری ہوجائیگی تو یہ شعبہ سال نو کے آغاز مین کھل جائیگا، اور جو لوگ فارغ التحصیل ہوکر نکلین گے، وہ سرکاری ملازمتون کے فرائض کو نہایت خوبی کے ساتھ ادا کر سکین گے،

دوسرا شعبہ اُن عہدہ دارون سے تعلق رکھتا ہی جو سر دست وزارت خارجیہ سے متعلق ہین، چونکہ یہ لوگ اپنے تمام اوقات تعلیم مین صرف نہین کر سکتے، اس لیے اونکو اپنے ضروری فرائض کے ادا کرنے کے بعد صرف دو گھنٹہ تعلیم حاصل کرنا ہوگی، اوران کے تعلیمی پروگرام مین حسب ذیل چیزین داخل ہونگی،

(۱) قانون بین الاقوام (عمومی وخصوصی)

(۲) قانون جزائی (تعزیرات)

(۳) اقتصادیات ومالیات،

(۴) تاریخ وجغرافیہ،

(۵) دفترداری،

اس شعبہ کی مدت تعلیم دو تین سال ہی، اور باستثنائے چند معذور، کبیرالسن، اور مریض اشخاص کے وزارت خارجیہ کے تمام متعلقین کے لیے ان علوم کی تعلیم لازمی کردیگئی ہی،

مدت تعلیم کے پورے ہونے کے بعد ایک عام امتحان لیا جائیگا، اور امتحان مین کامیابی حاصل کرنے کے بعد سند عطا کیجائیگی، اگرچہ یہ لوگ شعبہ اول کے طلبار سے کم تعلیم حاصل کرسکین گے، تاہم انکی خدمات سابقہ کے لحاظ سے اونکو شعبۂ اوّل ہی کے طلبار کے برابر حقوق حاصل ہوسکین گے، نہایت مختصر پیمانہ پر اس شعبہ کا افتتاح ہوچکا ہے، اور موقع افتتاح پر آقائے محمد ولی خان وزیر

خارجیہ نے جو مختصر لیکن بلیغ تقریر کی ہے اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے،

"برادران عزیز! آج کا دن ایک نہایت مقدس دن ہے کہ اس مین ایک سعادت و ترقی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جاتا ہی، مین اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت خیال کرتا ہون کہ میری وزارت کے زمانہ مین ایک سیاسی علوم کے مدرسہ کا افتتاح ہوا، آپ تمام صاحبون کو معلوم ہے کہ تمام امور سلطنت کا دار مدار واقفیت اور آگاہی پر ہے، اور وہ صرف علوم و فنون سے حاصل ہو سکتی ہے، اس بنا پر تمام امور کی بنیاد علوم و فنون پر ہے، اور ان کے بغیر ٹھیک طور پر کوئی کام انجام نہین پا سکتا، اعلیحضرت غازی (امیر امان اللہ خان) نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھکر ملک کے علوم و فنون کو ایک مضبوط بنیاد پر قایم کیا ہی، اور ہمیشہ انکی توسیع و تعمیم کے درپے رہتے ہین، آپ دیکھتے ہین کہ مختلف قسم کے ضروری مکاتب و مدارس کو وہ مناسب موقعون پر جاری کرتے رہتے ہین، اور باہر سے اساتذہ ماہرین فن کو کھینچتے رہتے ہین، انھی ضروری مدارس مین علوم سیاسیہ کا مدرسہ بھی نہایت ضروری تھا تاکہ اس کے ذریعہ سے وزارت خارجیہ اور دوسری ملکی خدمات کے لیے ہوشیار اور قابل آدمی تیار ہو سکین، اس مقصد کے انجام دینے کے لیے خود وزارت خارجیہ کے دفتر مین اعلیٰ حضرت نے ایک سیاسی مدرسہ کے قیام کا مشورہ دیا اور اس کے لیے ایران سے اساتذہ طلب کئے گیے، جن مین ایک آقائے علی اکبر خان دفتری اور دوسرے آقائے آقا خان اشرفی ہین، ان کے علاوہ اور چند اساتذہ کچھ دنون کے بعد تشریف لائین گے،،

"اس غرض سے کہ میرے عزیز بھائی تم لوگ سر دست وزارت خارجیہ سے متعلق ہو اس فیض سے کلیۃً محروم نہ ہو، اور اپنے فرائض کو علم و دانش کے ساتھ ادا کر سکو یہ مدرسہ دو شعبون مین منقسم کیا گیا ہی، ایک اُن نوجوانون کے لیے جنھون نے اب تک سرکاری ملازمت حاصل نہین کی ہی، اور دوسرا تم لوگون کے لیے، اور آج اسی شعبہ کے افتتاح کا دن ہے"

بھائیو! اعلیحضرت غازی کے اس عظیم الشان احسان کا شکریہ تہ دل سے ادا کرنے کے بعد ہمارا فرض یہ ہے کہ انکی دلی تمناؤں کو کمال خلوص اور عملی سرگرمی کے ساتھ پوری کرین، اس بات کو تم سب جانتے ہو اور تسلیم کرتے ہو کہ اقوام متمدنہ کی ترقی کا اصلی سبب صرف علم ہے، اور ہمارا تنزل جہالت کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ جب تک ہمارے ہاتھ مین وسائل تعلیم نہ تھے ہم اپنے آپ کو معذور خیال کرین، لیکن اب جبکہ اعلیحضرت غازی کی توجہ سامی سے علم کے سرچشمے ہمارے لیے کھل گئے ہین، ہمارے لیے کسی قسم کا عذر باقی نہین رہا ہے، میری خواہش ہے کہ تم سب کمال شغف قلبی اور عملی جد وجہد کے ساتھ حصول درس وتحصیل علم مین کسی قسم کا پس وپیش نہ کرو، تاکہ علم کے زیر سایہ قوم وملک کی صحیح خدمت کرسکو، مجھے توقع ہے کہ آقایان محترم (آقائے دفتری اور آقائے اشرفی) تمھاری تعلیم اور تمھارے مقاصد کے حصول کے لیے خاص طور پر توجہ مبذول کرینگے،"

اس مدرسہ کے تمام اساتذہ جو سردست دوسرے شعبہ مین تعلیم دے رہے ہین حسب ذیل ہین،

(۱) آقائے علی اکبر خان دفتری مشیر قانونی وزارت خارجیہ معلم قانون بین الاقوام

(۲) آقائے آقا خان اشرفی معلم قانون جزائی ومالیات واقتصادیات ودفترداری جو اس مدرسہ کی پروفیسری کے لیے خاص طور پر ایران سے طلب کیے گیے ہین،

(۳) چیف اڈیٹر امان افغان معلم تاریخ وجغرافیہ، جنھون نے دوسرے پروفیسر کی تشریف آوری تک کے لیے اعزازی طور پر یہ خدمت قبول کی ہے،

آقائے علی اکبر خان دفتری اور آقائے آقا خان اشرفی اہل کابل کے ہم نسل وہمزبان ہین، اور افغانستان کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہین اور قانون کے انتہائی درجہ کی سند حاصل کر چکے ہین، یقین ہے کہ ان کے شوق وشغف اور جد وجہد سے یہ مدرسہ غیر معمولی ترقی حاصل کر سکے گا،

امان افغان ۹ رشعبان ۱۳۴۶ھ،

برٹش لیبر پارٹی

اشتراکیت صنعتی عہد کی پیداوار ہے، اس خیال کو اسی ملک مین سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے، جہان کا اوسط طبقہ زیادہ تر صنعت پیشہ ہو، اور مزدور اور کاریگر اخبارات اور رسائل پڑھ سکتے ہون، دول عالم مین مین صنعتی حیثیت سے سب سے ترقی یافتہ سلطنت انگلستان ہے اس لیے سب سے پہلا ملک انگلستان ہی ہے جہان اشتراکیت نے اپنی ابتدائی نشو و نما حاصل کی،

انگلستان کے مزدور قریباً ۸۰ برس سے دارالعوام مین نیابت کے لیے کوشان ہین، سب سے پہلے ۱۸۴۷ء مین کوئلہ کی کانون کے مزدورون کا ایک شخص مجلس عوام کا رکن منتخب ہوا، ۱۸۸۱ء مین ایک معمار کا انتخاب ہوا، اور ۱۸۹۲ء مین منتخب شدہ مزدورون کی تعداد ۱۴ تک پہنچی، لیکن یہ لوگ اب تک مزدورون کی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے نہین منتخب ہوئے تھے، بلکہ لبرل پارٹی مین داخل تھے، دارالعوام مین لیبر پارٹی کی کوئی شخصیت نہ تھی، اس وقت اشتراکی تحریک کے متعلق ممبر اپنے خیالات ظاہر کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکتے تھے، کیونکہ اس وقت ان کو انتخاب مین لبرلون کی مدد سے مایوس ہو جانا پڑتا

۱۸۸۷ء مین لندن مین وب کے پیروون کی ایک جماعت قائم ہوئی اس جماعت نے کتابون اخبارون، رسالون اور تقریرون کے ذریعہ سے اپنے خیالات کی اشاعت شروع کی تو ۱۸۹۳ء مین لبرل پارٹی سے الگ مستقل لیبر پارٹی کی بنیاد پڑی، اور اس سال کے انتخاب مین مسٹر کیر ہارڈی لیبر پارٹی کا ایک مشہور لیڈر کامیاب ہوا،

۱۸۹۹ء لیبر لیگ کا انعقاد ہوا، جس مین ہر طبقہ کے مزدورون کے نائب شریک ہوئے، اور اس لیگ نے بعض عمال (مزدورون) کو چند حلقون مین کامیاب بنانے کی کوشش کی اور کامیابی حاصل

کی، اس وقت لیگ کے سکرٹری مسٹر رامزے مکڈانلڈ تھے، جو آج کل انگلستان کے وزیر اعظم ہین، یہی لیگ انگلستان کے موجودہ جماعت مزدوران کا تخم وجود تھی، ذیل کے نقشہ سے ان کے سالانہ ارتقار اور مقبولیت کا پتہ چلے گا،

سنۂ انتخاب	مرکز	منتخب ارکان	مزدورونکے ووٹ
۱۹۰۰	۱۵	۲	۶۲۹۶۸
۱۹۰۶	۵۰	۲۹	۳۲۳۱۹۵
۱۹۱۰ جنوری	۷۸	۴۰	۵۰۵۶۹۰
۱۹۱۰ دسمبر	۵۶	۴۲	۳۷۰۸۰۲
۱۹۱۸	۳۶۱	۵۷	۲۲۴۴۹۴۵
۱۹۲۲	۴۱۴	۱۴۲	۴۲۳۶۷۳۳
۱۹۲۳	۴۲۷	۱۹۱	۴۳۴۸۳۷۹

لیبر پارٹی محض مزدور ارکان ہی پر مشتمل نہین ہے بلکہ اس پارٹی مین علما فضلا، مذہبی اشخاص اور ارباب دولت بھی شریک ہین، مگر چونکہ قوم مین ووٹرون کی اکثریت مزدور پیشہ ہے، اس لیے طبعًا پارٹی مین بھی مزدورون ہی کی اکثریت ہے:-

تھوڑے دن ہوئے کہ پارٹی نے اپنے ابتدائی مقاصد کا اعلان کر دیا ہے، جن مین سے چند باتین حسب ذیل ہین،-

جسمانی اور دماغی ہر قسم کے محنت کرنے والون کو پورا معاوضہ دلانا اور انکی محنت کے ثمرون کو جہان تک ہو سکے ملکیت مشترک کے اصول پر مفید کامون مین لگانا اور ہر نوعیت کے کام اور محنت کی تنظیم اور اسکی نگرانی،

یہی چند امور ہین جن پر انگلستان کی اشتراکیت کی عمارت قائم ہے، مسٹر سڈنی وب نے جو اب سلطنت برطانیہ کے ایک وزیر ہین، پارٹی کے برسر حکومت آنے سے کچھ دنون پہلے ایک مضمون مین ذیل کے خیالات ظاہر کیے،

"مزدور چاہتے ہین کہ رفتہ رفتہ تمام شخصی املاک کو ملکیت مشترکہ بنا دیا جائے، اس کے لیے وہ میونسپلٹی کے فرائض مین توسیع چاہتے ہین، جس طرح شہری پور و صفائی اور روشنی کا انتظام کرتے ہین، اسی طرح ان کو حق ہونا چاہئے کہ وہ مکانات بھی تعمیر کرسکین، اور شہر کے لوگون کے ہاتھ بیچا کرین اس مقصد کے اتمام کے لیے عمال تعاونی جماعتون (کواپرٹو سوسائٹی) پر اعتماد رکھتے ہین ہین، انگلستان مین اس قسم کی تعاونی جماعتین بہت ہین جو معمولی پونجی سے زیادہ منافع حاصل کر رہی ہین، ایک زمانہ آئیگا جب یہ جماعتین "املاک شخصی" کے اصول کو فنا کردینگی، حزب العمال کسی کی ملکیت کو جبری طور پر ملک عام بنانا نہین چاہتا، بلکہ چاہتا ہے کہ ان ملکیتون کا معاوضہ دیکر وہ اُنکو ملک عام بنا دے، اسی مقصد کے حصول کے لیے حکومت کو سرمایہ اور غیر مکتسب مدخل پر بندشین عاید کرنا چاہئے"

"یہ سب کچھ رفتہ رفتہ بتدریج ہوسکتا ہے مگر بعض ابتدائی باتون کے بغیر کام چلنا دشوار ہے مثلاً یہ کہ ریلوے لائنین اور کانین حکومت کی ملک قرار دی جائین، اور مقامی مجالس (لوکل بورڈون) کے اختیارات مین وسعت دیجائے، اور کارخانہ دار اس بات پر مجبور کیے جائین کہ کارخانون کے متعلق تمام ضروری معاملات مین خصوصاً مزدورونکی تعداد اور انکی اجرتون کے متعلق کمی اور بیشی کے متعلق جو کچھ فیصلہ کرنا ہو اس مین مزدور بھی برابر کے شریک ہون"

(الہلال)

مراکش

شمالی افریقیہ کا سب سے بڑا آخری اور سرزمین یورپ سے قریب تر ملک مراکش ہے، مراکش والے تو اپنی آبادی ڈیڑھ کرور بتاتے ہین، مگر اہل یورپ کی نگاہ مین انکی آبادی تقریباً ۶۰ لاکھ ہے،

اصلی باشندے عرب اور قدیم بربر ہین، ساحلی مقامات پر بعض یورپین اور اسپین کے تارکان وطن آباد ہین، بندرگاہون اور داخلی شہرون مین یہود بھی بکثرت ہین،

سنہ ۱۹۱۲ء مین مراکش کا ایک بڑا حصہ فرانس کی حمایت مین داخل ہوگیا، اور رباط کو وہان کا دارالحکومت قرار دیا گیا، یہی شہر فرانسیسی ہائی کمشنر کا مرکز بھی ہے حکومت کا نظام وطنی ہی، ملازمین اور بڑے بڑے افسر وطنی ہوتے ہین، مگران افسرون کے لیے فرانسیسی مشیر مقرر ہین، یہی مشیر و فرنگی نگرانی کرتے ہین، صرف فوج براہ راست فرانسیسی ہائی کمشنر کی ماتحتی مین ہی،

مراکش کے شمالی کوہستانی حصہ پر جسکو ریف کہتے ہین، دول یورپ کی رضامندی سے، پہلے اسپین کا تسلط تھا، اور اب پانچ برس سے امیر عبدالکریم کے زیر قیادت آزادی کی جنگ برپا ہے، اس حصہ مین سبتہ اور ملیلہ وغیرہ خاص شہر داخل ہین، ریف کے باشندے تقریباً ۵ لاکھ ہین اور فرانسیسی دائرۂ اثر کے باشندے ۵۵ لاکھ کے قریب ہین، فرانسیسی علاقہ کے لوگ سیاسی حیثیت سے اب امن پسند ہوگئے ہین، مگر شمالی حصہ کے لوگ ابھی پرجوش ہین، انکی رگون مین اب تک بربری خون موجود ہے، اور ہسپانوی حکومت کو ہمیشہ ان کے ہاتھون سے تکلیفین اٹھانی پڑتی ہین،

مراکش ایک زرعی ملک ہی، جنوبی فرانس اور اسپین سے وہ ملتا جلتا ہے، تقریباً ہر قسم کی مروجات یہان پیدا ہوتی ہین بارش کثرت سے ہوتی ہے، اور سنہ ۱۹۲۰ء مین، ۲ کرور فرانک کا مال دوسرے ملکون مین گیا اور تقریباً سٹو کرور فرانک کا مال باہر سے آیا، اہل مراکش نے تجارت مین خاصی ترقی کی ہے، چنانچہ فاس اور رباط کے بعض تاجرون کے ایجنٹ مانچسٹر اور پیرس مین رہتے ہین اور براہ راست انکی تجارت یورپ سے ہے، ملک مین تقریباً ہزار میل ریلوے لائنون کا سلسلہ ہے اور تقریباً دس ہزار میل تار کا انتظام ہے، فرانس کے شہر تولوز اور رباط کے درمیان ہوائی آمد و رفت کے خطوط بھی قائم ہوچکے ہین،

مذہبًا اہل مراکش کے زیادہ تر باشندے سنی مسلمان اور مالکی فقہ کے پیرو ہین، ۸۰ ہزار آبادی

کا مذہب مسیحیت ہے، تعلیم مین بہت پست ہین، فرانسیسی دائرہ مین ۲۰۰ سے زیادہ مدارس نہین ہین،

(الہلال)

مشرق اردن مین ایک مجمع علمی

شام اور حجاز کے مابین ایک چھوٹا سا درمیانی علاقہ ہے جو دریاے اردن کے پار ہے، اور اس لیے اس کو اب شرق اردن کا خطاب ملا ہے اور اس پر امیر عبداللہ کی براے نام حکومت قائم کیگئی ہے، یہ علاقہ شام پر رومیون کے تسلط کے زمانہ مین بھی رومیون کے ماتحت عرب عسانی امراء کی حکومت تھی، اسی علاقہ مین بصری کا شہر آباد تھا، جہان آنحضرت صلعم تشریف لے گیے تھے، اب اس کا دارالحکومت شہر عمان بنایا گیا ہے، شریف حسین کے بیٹون مین امیر عبداللہ سب سے زیادہ بلند حوصلہ ہے، چنانچہ انہون نے عمان مین ایک مجمع علمی کی بنیاد ڈالنے کا فرمان نافذ کیا ہے، اس مجمع کا کام عربی زبان کا احیاء، مدارس کا قیام، عربی تصنیفات کی اشاعت ہوگی، یہ مجمع عنقریب علمی خطبون اور ایک کتبخانہ کی تاسیس کا انتظام کریگا، اور بہت جلد اس مجمع کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ بھی نکلا کریگا، عمان سے آج بھی الشرق العربی کے نام سے ایک اخبار نکلتا ہے، جس نے شریف حسین کی خلافت کے سلسلہ مین شہرت حاصل کرلی ہے شیخ سعید الکرمی وکیل امور شرعیہ اس مجمع کے صدر منتخب کیے گئے ہین اور فضلا ے ذیل اس مجمع کے ارکان ہین،

(۱) مشہور ترکی فلسفی رضا توفیق بے، (۲) شیخ مصطفےٰ غلایینی

(۳) محمد بک شریقی مدیر جریدۂ الشرق العربی (۴) احمد ذکی پاشا، مصر کے نامور محقق

(۵) سید محمد کرد علی صدر مجمع علمی دمشق (۶) شیخ احمد عباس الازہری،

(۷) الاب انستاس الکرملی (عیسائی) (۸) سید اسعاف النشاشیبی

ابھی تک تو یہ تجویز مین ہے، دیکھیے آگے کیونکر کام انجام پائے،

(المجمع العلمی العربی)

اخبار علمیۃ

افریقہ کا بزرگ ترین صحرا آج کل فرانس کے قبضہ مین ہے، وہ وہان ریل جاری کرنا چاہتا ہے، لیکن کوئلہ، پانی، اور تیل کی کمی نے اسے مجبور کر رکھا ہے، لاچار وہان کے انجینیرون نے طے کیا ہے کہ مقامی درختون کے پتون سے تیل نکال کر موٹر نما گاڑیان چلائی جائین اور ان پتیون کے دائمی حصول کے لیے دونون جانب اُن کی کاشت کیجائے،

کتابون کی جلد بندیون اور اس قسم کے دوسرے کامون کے لیے یورپ مین مصنوعی چمڑا تیار کیا گیا ہے، یہ چمڑا ربڑ، برادہ، چمڑون کے ٹکڑون، اور دوسری ایسی ہی بیکار چیزون سے بنایا گیا ہے، مزید بران ارزانی و دیرپائی مین، اصل چمڑے پر فوقیت رکھتا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ بہت جلد چمڑے کی ایسی ضرورتون سے دنیا کو بے نیاز کر دیگا،

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کا چھٹا اجلاس ۱۰ و ۱۱ جنوری کو مدراس مین منعقد ہوا، قلمی کتابون اہم کاغذات اور قدیم دستاویز کی نمائش بھی کیگئی تھی، اس اجلاس مین حسب ذیل اصحاب نے اپنے مضامین پڑھے

(۱) کلائیو اور اسٹریچی خاندان،	آنریبل مسٹر ایچ، ای، اے، کاٹن،
(۲) شیواجی مدارس مین (فرانسیسی غیر مطبوعہ کاغذات سے)	پروفیسر جدو ناتھ سرکار،
(۳) جازف کلاٹ کے ذاتی خطوط،	مس کلاٹ فیلو آف دی لندن یونیورسٹی کالج
(۴) جنوبی ہند کے متعلق عرضہ (کاغذات)	راؤ بہادر ڈی بی پرسنس،

(۵) مرہٹہ حکومت کے تاریخی کاغذات — مسٹر آر، کے، رام دیو،

(۶) لارڈ ہیسٹنگز کی بعض مالی اصلاحات — مسٹر جے، سی سنہا،

(۷) ۱۵۰ سال قبل مدراس مین امداد قحط — ایس، دی، چری،

(۸) شاہی محافظ خانہ کے فارسی خطوط کی تاریخی اہمیت — پروفیسر کے، آر، قانون گو،

(۹) بیگم سومبرو کی سوانح کیلئے بعض اہم ذرائع — مسٹر بی، این، بنرجی،

(۱۰) نواب مہدی علی خان بہادر کا وصیت نامہ — مسٹر رام پرشاد ترپاٹھی

۱۱- بنگال پر برگیون کا حملہ — پروفیسر جے این، سماوار،

۱۲- بانو بیگم کا آخری وصیت نامہ، — مولوی عبدالعلی صاحب ایم، اے،

فنِ طباعت ۱۴۵۵ء مین اکثر ممالک مین متحرک ٹائپون کی صورت مین رائج ہوا تھا، اُس وقت سے اب تک جتنی کتابین زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہین ان کے متعلق مختلف اندازے لگائے گئے ہین، ایک مستند ماہر کا خیال ہے کہ پندرھوین صدی مین ۴۰۰۰۰، سولھوین صدی مین ۵۲۰۰۰۰، سترھوین مین ۱۲۵۰۰۰۰، اٹھارہوین مین ۲۰۰۰۰۰۰، اور انیسوین صدی مین ۸۲۵۰۰۰۰۰ کتابین چھپی ہین، ان تمام کی مجموعی تعداد ۱۲۱۱۰۴۰۰۰ ہوتی ہے، ان کے علاوہ ۵۰۰۰۰۰۰ رسائل بھی ہین،

بیسوین صدی مین ہر سال ۲۰۰۰۰۰ کتابین چھپتی رہین اور گذشتہ ۲۲ سالون مین ۴۴۰۰۰۰۰ کتب چھپین، ان تمام کتابون کی مجموعی تعداد اب ۱۶۵۰۰۰۰۰۰ ہوگئی ہے، قلمی کتب، سرکاری رپورٹ، اور وقتی رسائل الگ ہین،

لیڈن کی مجلس تعلیم اور یونیورسٹی نے گذشتہ ماہ طے کیا ہے کہ دوسرے امتحانات کے ساتھ، فن طباعت کا امتحان بھی ہو، اور اس کے لیے ایک سند (ڈگری) مقرر کی ہے، اگرچہ خود جامعہ کے پاس کوئی اپنا مطبع نہیں ہے، لیکن اس نے عملی تعلیم کے لیے لیڈس ٹکنیکل اسکول پرنٹنگ ڈیپارٹمنٹ کے جو عمارت جامعہ سے چند منٹون کی مسافت پر واقع رہے، خدمات حاصل کرلی ہین،

سویڈن کی ایک مصنوعی دھات "ڈیزی گولڈ" کے متعلق دعوی کیا جاتا ہو کہ وہ رنگ اور چمک مین سونا ہی، اور سختی اور دیرپائی مین لوہا، نیز تیزابون کا اس پر بہت کم اثر ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس مین تانبا اور ٹین کے اجزار ۹۰ فیصدی حصہ موجود ہین، اس کے متعلق خیال ہے کہ جرمن سلور کا نعم البدل ہے، موخر الذکر دھات جستہ، تانبا، الومنیم اور زنگ سے مرکب ہوتی ہے،

مسٹر بلچر نے کلکتہ کے ایک کلب کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ڈیلی میل جیسے اخبار کے نکالنے کے لیے کم ازکم دو کروڑ روپیون کی ضرورت ہو، ایک ناظم اخبار کو، طباعت، کاغذ، مقامی و بیرونی مضامین، علمی و لھوی مقالات اور تمام دنیا کی خبرون کے لیے کافی رقوم ادا کرنی پڑتی ہین، اس کے علاوہ اسے ایک عملہ رکھنا پڑتا ہے، جس کا خرچ ۲۵۰۰۰ پونڈ سے کسی صورت سے بھی کم نہین، لندن مین ایک اخبار کا ادارتی عملہ تقریباً ۲۵۰۰۰ پونڈ چاہتا ہے، کیا ہندوستان کے حشرات الارض اخبارات اس پر غور کرین گے،

ایک عجیب واقعہ نے طبی حلقہ مین عام اختلاف پیدا کر رکھا ہے، لیکن چونکہ واقعہ ناقابل تردید ہے اس لیے کسی کو انکار کی گنجائش بھی نہین، ایک نوجوان لڑکی کپڑا سی رہی ہے، وہ اتفاقاً سوئی کو

لبون سے دباتی ہے، اُسے چھینک آتی ہے، اور اضطراری طور سے وہ اس سوئی کو نگل جاتی ہے، تین ماہ بعد اوسکی شادی ہوتی ہے اور شادی کے دس ماہ بعد اُسکے لڑکا ہوتا ہے، لڑکے کے کاندھے پر وہ سوئی کی نوک دکھیتی ہے اور وہی سوئی جو تین مہینے پہلے عورت نگلی تھی، بچے کے کاندھے سے برآمد ہوتی ہے،

بحر اطلانٹک کے ایک ٹن پانی سے ۸۱ پونڈ (تقریباً ۱۵ سیر) نمک نکلتا ہے اور بحر المیّت کے اتنے ہی پانی سے تقریباً ۱۸۰ پونڈ،

امریکہ کے جنوبی اطلانٹک ساحلون اور ریاستہائے خلیج مین ایک قسم کی پتیان بکثرت پیدا ہوتی ہین، جو چائے کی طرح پانی مین ڈال کر پی جاتی ہین، ان پتیون مین نقصان دہ اجزا بہت کم ہین، خاصیت مین قہوہ کے مطابق ہین،

ماہر مصریات پروفیسر فلنڈرس پیٹری نے ایک خطبہ مین یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اب سے ۷۰۰۰ سال پہلے کے ململ اور باریک کپڑون اور موجودہ بہترین کلون کے بنائے ہوئے کپڑون مین مطلقاً کوئی فرق نہین ہے، بلکہ نرمی اور ملاحت مین انکی کا درجہ بڑھا ہوا ہے،

ریاستہائے امریکہ مین سالانہ .... ۹۹ پونڈ دودھ خرچ ہوتا ہے، اس مین سے ۴۹ء۳ وان حصہ ملائی کی برف بنانے مین کام آتا ہے،

ادبیات

خیالاتِ حسرت

پنہان شد نش دو گونہ شد خوب — ای روئے تو بے نقاب محجوب

پیشت چہ شود، گرم شمارند — در زمرۂ بندگانِ معیوب

ما گام زنِ صراطِ مستقیم — دور از رہِ ضالین و مغضوب

ق

یا بے خبران ہوشیاریم — منجملۂ سالکان مجذوب

منت کشِ دیگران مخواہش — آنرا کہ تو بودہ است منسوب

بوسید کفِ تو گشت لرزان — از من بہوائے شوق مکتوب

حسرت بہ غزل چو شمس تبریز — باشد سخن تو نغز و مرغوب

انوارِ منیر

محمد اختر منیر سیاح ایران و عراق (از بغداد)

(مرسلۂ ڈاکٹر اقبال)

جہانِ من پُر از سامان، و سامانے نمی بینم — چہ درمانہا ز بہر درد، و درمانے نمی بینم

دلِ وحشی چو آہو دشت پیمائی ہوس دارد — ولیکن بہر جولانش بیابانے نمی بینم

مرا شوقِ غزلخوانی کشد در دامنِ صحرا — کہ در خورد نوائے خود گلستانے نمی بینم

سکوتِ مرگ بگرفتہ است آوازِ شتربانان بسے گشتم بصحرا یک حدی خوانے نمی بینم
خدا بینم بہ شہر و کوہ و دشت و باغ و بحر و بر بلب بر سید جانِ من کہ انسانے نمی بینم
ہمہ بے بال و پر گشتند چون مورانِ دانہ چین چہ شد آخر کہ یک مرغ سلیمانے نمی بینم
ہنوز از نعرۂ تکبیر اندام زمین لرزد ولیکن در ہمہ عالم، مسلمانے نمی بینم
ہنوز از قطرۂ خونِ شہیدان لالہ می روید و لے در عاشقان آن نورِ ایمانے نمی بینم
منیر از کہ بجز اہم دادِ شعر خود کہ در بغداد سخن فہمے نمی دانم سخندانے نمی بینم

مجاز و حقیقت

از مولوی محمد سعید خان ندوی، ایم اے، ہیڈ ماسٹر دار العلوم ندوہ

پھر دیدۂ پرنم مین ہے خون نابہ فشانی پھر آبلۂ دل مین جھلکنے لگا پانی
پھر نالۂ دل کہنے لگے غم کی کہانی پھر مجھ کو نظر آنے لگا خواب جوانی
پھر فتنۂ خوابیدۂ وحشت کو جگاؤن
پھر قصۂ پارینۂ الفت کو سناؤن

پروانہ ترے شعلۂ رخسار پہ قربان بلبل تری شیرینیِ گفتار پہ قربان
طاؤس تری شوخیِ رفتار پہ قربان عشاق تری گرمیِ بازار پہ قربان
ہان دامن یوسف تری چادر پہ تصدق
ہان فتنۂ محشر تری ٹھوکر پہ تصدق



سنتے ہین کہ چلتا نہین اب حسن کا جادو اب دل نہین ہوتے قدر انگن سے ترازو
شمشاد کی تصویر نہین قامتِ دلجو دنبالۂ ابرو نہین نقشِ رمِ آہو

گفتار مین اگلی سی حلاوت نہین باقی
رفتار مین وہ شورِ قیامت نہین باقی
اچھا ہے نہین گیسوے جانان مین درازی
اچھا ہے نہین آنکھون مین وہ سحر طرازی
اچھا ہے نہین اب کوئی ابرو کا نمازی
اچھا ہے کہ دنیا سے اُٹھا عشق مجازی
اچھا ہی نہین کوئی گرفتارِ محبت
اچھا ہی نہین گرمی بازارِ محبت

اب عشق حقیقی کی بیان کیا ہو حکایت
اب رازِ محبت کی نہ کچھ حد ہی نہ غایت
وہ عشق ہے اب جسمین اشارت نہ کنایت
وہ عشق ہے اب جس مین نہ شکوہ نہ شکایت
اب وصل کی شب ہے شبِ ہجران کے برابر
معشوق ہے اب[1] میری رگِ جان کے برابر

فکرِ مغموم

از جناب سیٹھ محمد اسمٰعیل صاحب مغموم مدراسی

جو لوگ اردو کی عالمگیری پر ایمان نہین رکھتے وہ اس مدراسی شاعر کے لطف زبان اور حسنِ خیال کو ملاحظہ کرین، "اڈیٹر"

حُسنِ عمل پہ کس نے کہا کہ ناز کر
طاعت مین خود سری ہو تو ترکِ نماز کر
گر ہی نیاز، رخ تو سوے بے نیاز کر
بندہ اگر ہے، خدمتِ بندہ نواز کر

---

[1] نحن اقرب الیہ من حبل الورید،

بیتاب ہوکے شمعِ صفت دل گداز کر
ہجرِ نبی مین قصۂ الفت دراز کر

آئینۂ دل بنا کہ حقیقت ہو بے نقاب
حسنِ طلب مین دیدۂ دل اپنا باز کر

سرعت سے کر تمام تو انفاسِ زندگی
الفت کا ختم مرحلۂ سوز و ساز کر

کس نے کہا کہ حالتِ رنج و فراق مین
نامحرمانِ عشق سے افشاے راز کر

محمودِ دو جہان کی غلامی کے شوق مین
پیدا تو اپنی طبع مین شانِ ایاز کر

حق کی طلب مین نقش کو اغراض کے مٹا
عشق اور ہوس کی راہ مین کچھ امتیاز کر

مغموم ہون اُمیدِ لقاے رسول مین
پورا یہ مدعا مرا اے کارساز کر

کلامِ راغب

ازمولنا راغب بدایونی

جاتے ہو کہان پھیر کے رُخ میری نظر سے
دیکھو یہ نظر ڈھل چلی دیدۂ تر سے

ہر چند بہا گریہ مین دل کا ہر اک شوق
ٹپکی، مگر الفت نہ گری دیدۂ تر سے

محرومیِ جاوید ہوئی ہمتِ عالی
اونچا ہی رہا دستِ دعا بامِ اثر سے

صد ننگ ہے تقلید یہان اہلِ نظر کی
مرجائین جو لین کام نظارہ مین نظر سے

سر دے کے ہوئی قطع رہِ عشق مگر شوق
کہتا ہے کہ چلنا ہے ابھی پھر نئے سر سے

یہ جدتِ تخئیل یہ مضمون کی نزاکت
راغب مجھے پہنچی ہے وراثت مین شرر[1] سے

---

[1] مولنا علی بخش مرحوم شرر بدایونی،

مطبوعات جدیدہ

بستان العارفین، جناب صوفی سید محمد عابد میان صاحب عثمانی نقشبندی جن کا وطن گجرات مین ہے آج کل نٹال (جنوبی افریقہ) مین وہ مسلمانون کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے ہین، انھون نے، اسلام کی روحانی تعلیمات پر اردو اور گجراتی مین کئی کتابین تصنیف کی ہین، ان مین سے ایک اردو کتاب بستان العارفین ہے، جو حال مین خلافت پریس بمبئی مین چھپی ہے، جناب صوفی صاحب نے محض کرامت نامہ نہین لکھا ہے، بلکہ اس کتاب مین، بزرگون کے حالات اور انکے ملفوظات کی چاشنی کے ساتھ تصوّف کے مسائل کو سہل اور شیرین انداز بیان مین ادا کیا ہے، قیمت معلوم نہین، پتہ انگریزی مین لکھنا چاہئے، M.M.AMOD.P.O.BOX NO 47 LADY SOUTH, NATAL SOUTH AFRICA

مکمل شرح دیوان غالب، غالب مرحوم کے دیوان کی شرح لکھنا کبھی کمال علمی کی دلیل سمجھی جاتی تھی، اور اب یہ متعدی مرض بنگیا ہے، اور ہر نومشق اپنی کمال کی سند مین غالب کی سخنوری کی داد کو کامل شہادت سمجھتا ہے، چنانچہ اب تک دیوان غالب کی متعدد شرح ملک کے سامنے آچکی ہین، تاہم دیوان غالب وہین ہے جہان پہلے تھا، حال مین مولوی عبدالباری صاحب آسی الدنی سکریٹری انجمن "خاصان ادب" لکھنؤ نے بھی دیوان غالب کی ایک شرح تصنیف کی ہے، جو ضخامت کے لحاظ سے ۴۰۲ صفحات پر تمام ہوئی ہے، شرح تو معمولی ہے مگر اس مین ایک خاص بات یہ کی ہے کہ اہتمام کے ساتھ دوسرے شعراء کے قریب تر اور مماثل اشعار کے ساتھ غالب کے شعرون کا مقابلہ کیا ہے، اور اسی لحاظ سے یہ مفید کہی جا سکتی ہے، طباعت بہت زیادہ قابل تعریف نہین، کاغذ کم از کم اتنا دبیز ہونا چاہئے کہ دوسری پشت پر کے حروف نہ جھلکین، قیمت قسم اول سے قسم دوم عہ پتہ منیجر صدیق بکڈپو، امین آباد لکھنؤ

التبلیغ والجہاد، یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے، جس مین جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب (کارکن جمعیتہ دعوت و تبلیغ) نے اسلامی طرز تبلیغ کی مختصر تشریح کی ہے، اور اسلامی جہاد اور ویدک طریق جنگ، اور مقاصد جنگ کا مقابلہ کیا ہے، ہم نے رسالہ کو پورے وفورِ شوق سے پڑھا اور نہایت پسند کیا، لائق مصنف کی محنت قابل داد ہے، قیمت ۳؍ پتہ الہلال بک ایجنسی شہرانوالہ لاہور:

الوصیتہ الکبریٰ، ہم اسکو اردو کی خوش قسمتی سمجھتے ہین کہ جناب محمد شریف عبد الغنی صاحبان تاجران کتب لاہور نے علامہ ابن تیمیہ کی عربی تصنیفات کو اردو کا جامہ پہنانے کی خاص خدمت اپنے سر لی ہے، جسکی پہلی قسط الوصیتہ الکبریٰ انھون نے شایع کی ہے، ترجمہ قابل اعتماد ہے، لیکن مترجم صاحب نے عنوانات کے بنانے اور تقسیم کرنے مین ذرا تکلف سے کام لیا ہے، جو لوگ امام ممدوح کے لٹریچر کے قدردان ہین، اور کتاب وسنت کے مطابق اپنے عقاید کی تصحیح ضروری سمجھتے ہین وہ اس رسالہ کو پڑھین قیمت ۸؍ پتہ محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب لاہور، شہرانوالہ

نازنین مراکش، محمد مبین صاحب نازش بدایونی نے مراکش کے بہادر بربون اور فرانسیسیون کی آویزش کے صحیح واقعات کو پیش نظر رکھ کر، یورپین طرز ملک گیری اور انکی عیارانہ چالون کو دلچسپ انداز مین، بیان کیا ہے، قیمت ۸؍ پتہ منیجر صدیق بکڈپو لکھنؤ،

قوم پرست، یہ ناٹک، ایک بنگالی صاحب قلم ڈی۔ال رائے کی تصنیف ہے، جس مین ہندوستانیون کے جذبۂ حبِ وطن کو خاص طور پر نمایان کیا گیا ہے، مصنف کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ ہیروین یعنی تارا کو مظلوم ثابت کرتا ہے، مگر اس کے شوہر پر صرف فرشتہ صفت نہ ہونے کا الزام آسکتا ہے، پنجاب کے افسانہ نویس جناب سدرشن نے اسکو بنگالی سے اردو کیا ہے، قیمت عمر پتہ: منیجر رام کیتا بک ڈپو لاہور،

ماہِ نو، ایشیا کے مایۂ ناز شاعر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کے مجموعۂ نظم شیشو کا ترجمہ ہے جس مین

ڈاکٹر صاحب نے بچون کے متعلق اپنے مخصوص انداز کی چند نظمون کو جمع کیا تھا، جہان یہ خوشی کی بات ہے کہ اردو کے قدر دانون مین ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس نے اردو خوان لوگون کو ٹیگور سے روشناس کرنا شروع کر دیا ہے وہان یہ امر قابل افسوس ہے کہ ٹیگور کو اردو بولنا سکھانے والے اکثر بے معنی مجموعۂ تراکیب کا نام ٹیگور کا کلام سمجھانا چاہتے ہین، اس حیثیت خاص سے جناب حامد اللہ صاحب افسر بی اے نمایان امتیاز رکھتے ہین کہ انھون نے ماہِ نو کو اردو کرتے وقت ٹیگور کو پہلے اچھی طرح سمجھ لیا، قیمت ۱۲؍ پتہ: انڈین بکڈپو میرٹھ،

بنگالی کیٹلاگ، انڈیا آفس لائبریری کی فہرست کتب جلد دوم حصۂ چہارم (ضمیمہ) جس مین صرف اُن کتابون کے نام ہین جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۰ء تک بنگالی مین چھپی ہین، کتابون کی تشریحی فہرست حرف وار ہے جو ۶۰۳ صفحات پر ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد ۷۴۱ صفحہ تک اشخاص کی اہم وار فہرست ہے، جس مین مصنفین کے علاوہ اُن اشخاص کے نام بھی ہین جن کے متعلق وہ کتابین لکھی گئی ہین، اس کے بعد کتابون کی فن وار فہرست شروع ہوتی ہے، زیادہ تر کتابین ڈرامہ، شاعری، تاریخ، اور سوانح عمریان ہین اس فہرست کو دیکھکر افسوس ہوتا ہے، کہ مذہبی کتابین بنگال مین مسلمانون نے صرف چند شایع کین، ہندوؤن نے اس میدان مین بھی ہمارے بنگالی مسلمان اہل قلم کو شکست دی، انڈیا آفس لائبریری کی ہندوستانی کتابون کے کیٹلاگر پروفیسر جی، ایف برو جھارٹ ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، جنھون نے ہندوستان کے ایک صوبہ کے ادبیات کا ایک اندازی سرمایہ ہم کو بتایا ہے، دیکھئے اردو ذخیرہ کی نوبت کب آتی ہے،

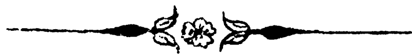
آئینۂ اسلام، یہ پادری صفدر علی کے نیاز نامہ کا جواب ہے جسے ہمارے محترم بزرگ مولانا سید محمد علی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلما نے لکھا تھا، ہم مشن اسکولون کے مسلمان مدرسون سے امید رکھتے ہین کہ وہ اس قسم کی کتابون سے اپنے طلبہ کو ضرور روشناس کرینگے، قیمت ۸؍ پتہ:۔ خانقاہ رحمانیہ مونگیر،

مجلد سیزدہم	ماہ شوال ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۴ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

ایک انگریز پرست دوست نے لکھنؤ مین اثنائے گفتگو مین اردو اور انگریزی زبان کا باہم مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ دیکھئے اردو زبان اس قدر ذلیل اور فرمایہ ہے کہ اسکے ذخیرہ مین گالیونکا اتنا سرمایہ ہے کہ شاید ہی کوئی مہذب آدمی اس سے بچ سکے، اسکے برخلاف انگریزی مین گالیون کے لیے مطلق الفاظ ہی نہین ہین، مین نے کہا اسکی وجہ تو یہ ہے کہ آپ ہندوستان مین پیدا ہوئے، انگلستان مین پیدا نہین ہوئے، آپ نے اردو کی مادری، اور انگریزی کی علمی اور کتابی زبان سیکھی، علوم و فنون کی تصنیفات اور اہل قلم کی تحریرون مین یہ الفاظ کیونکر آسکتے ہین، انھون نے کہا آخر انگریزی ناولون مین جنمین بازاری بول چال بھی ہوتی ہے ایسے الفاظ نہین ملتے، مین نے عرض کی، کاغذونکی شکل مین جو بازاری بول چال ہے، وہ تو پھر بھی اہل قلم کے نتائج فکری ہین. اس بازاری بول چال کو بازارون ہی مین کھڑے ہوکر سنتے تو فیصلہ کرسکتے، مگر بہرحال وہ میری تقریر سے خاموش نہین ہوے، اور مجھے ندامت ہوئی کہ مین انکے سامنے کوئی مسکت دلیل پیش نہ کرسکا،



اس واقعہ پر کئی مہینے گذر چکے ہین، کہ یکایک حکم الہی ہوا، کہ انگلستان کی سب سے بڑی "مہذب مجلس" یعنی پارلیمنٹ مین لکھنؤ کی خاموش گفتگو کے لیے ثبوت بہم پہنچائے جائین،

چنانچہ اپریل ۱۹۲۴ء کی دو نشستوں مین پارلیمنٹ کے ارکان مین باہم سب و شتم اور گالیون کا وہ مناظرہ ہوا، کہ اگر اسکی آدھی باتین بھی ہندوستان کی کسی بڑی مجلس مین ہوتین تو اینگلو انڈین اخبارات مین نیم مہذب ہندوستانیون کے عدم قابلیت پر بیسیون مضامین لکھے جاتے، ہمارے دوست کو اب نظر آیا ہوگا کہ انگریزی زبان بھی جو سب سے زیادہ دولتمند قوم کی زبان ہے، اور جس کا دنیا کے بازارون پر قبضہ ہے وہ بازاری طرزِ تخاطب کے سرمایہ سے تہیدست نہین،

تیسری صدی ہجری کے ایک محدث ابن جارود تھے، انھون نے حدیث مین ایک مسند لکھی تھی، خیال مین بھی نہ تھا کہ یہ کتاب ہندوستان مین چھپی ہوگی، لیکن یکایک ڈاک مین حیدرآباد سے اسکا ایک نسخہ موصول ہوا جو ۱۳۱۵ھ مین یعنی آج سے ۲۷ برس پہلے حیدرآباد کے ایک مطبع مین چھپا تھا، کتاب نہایت خوشخط، با اعراب اور اچھی چھپی ہے، حاشیہ پر اس کی ہر ایک روایت حدیث کی جو دوسری کتابون مین مذکور ہے، اسکے حوالے بھی ہین، زیادہ تر اس مین سنن ہین، اور اسکو درحقیقت سنن ہی کی کتاب سمجھنی چاہئے، معلوم نہین یہ کتاب اب تک کس گوشہ مین پڑی رہی کہ کسی مصنف اور صاحب علم کے حوالون مین اس کے مطبوعہ نسخہ کا ذکر نہین سنا، یہ بھی نہین معلوم کہ اسکے اور نسخے موجود ہین، یا نہین، ہمارے پاس یہ کتاب محکمہ امور مذہبی سے غالبًا آئی ہے،



مقالات

ہندوستان مین اسلام کیونکر پھیلا؟

افسوس ہے کہ یہ ضروری سلسلہ ایک نمبر کے بعد بند ہو گیا، جسکی وجہ زیادہ تر خود ذاتی پریشانیان تھین، یہ لکھنا بھول گیا تھا کہ یہ ضروری مضمون محبی جناب خواجہ حسن نظامی کی تحریک سے لکھنا شروع کیا گیا تھا، الحمد للہ کہ اسکا پہلا نمبر تمام ہندوستان مین قبولیت کے ساتھ پڑھا گیا، اور خواجہ صاحب نے اسکی کئی ہزار کاپیان چھپوا کر سلسلۂ تبلیغ شایع کین، جزاہ اللہ خیر الجزاء، دعا ہے کہ اس کے آیندہ نمبر بھی قبول عام روزی پائین،

پہلے نمبر مین یہ بتایا گیا تھا کہ اسلام ہندوستان مین تین راستون سے داخل ہوا، جن مین سے مضمون سابق مین صرف پہلے راستہ یعنی سواحلِ مدراس و بمبئی و بنگال اور جزائرِ ہند کا ذکر آیا تھا، اس نمبر مین دوسرے راستہ یعنی سندھ کا ذکر ہے،

ہندوستان مین اسلام کے داخلہ کا دوسرا راستہ سندھ ہے، پہلی صدی ہجری یا ساتوین صدی عیسوی مین شمالی ہندوستان پر تین سلطنتین محیط تھین، سندھ جسکی ایک حد سمندر تھی اور دوسری حد بلوچستان، اور تیسری پنجاب کے اندر ملتان کے بعد تک، اور چوتھی موجودہ صوبہ متحدہ کے کنارون تک ملتان کے کچھ بعد پنجاب کا جو علاقہ رہجاتا تھا، اسکا نام عربون کی اصطلاح مین چھوٹا کشمیر تھا اور اس کے

بعد موجودہ پرا کشمیر تھا، اور ادھر موجودہ صوبۂ متحدہ مین قنوج (اودھ) کی سلطنت شروع ہو جاتی تھی، غرض اس حدبندی سے یہ واضح کرنا ہے کہ سندھ کا علاقہ اس زمانہ مین موجودہ سندھ سے بہت وسیع تھا، عرب جغرافیہ نویسون اور سیاحون نے اپنے زمانہ کے سندھ کی حدبندی یہ کی ہے، کہ اوس کے ایک طرف سمندر، دوسری طرف بلوچستان تیسری طرف کشمیر اور چوتھی طرف قنوج کی حکومت ہے،

اس قطعۂ زمین مین جو قومین آباد تھین، ان کے حسب ذیل نام تھے،

(۱) **میدہ**، یہ قوم دریائے سندھ جسکو عرب نہر مہران کہتے تھے، کے اُس کنارہ پر آباد تھی، اس قوم کا نشان سندھ مین اب تک ہے،

(۲) **جاٹ**، جسکو عرب زُطّ کہتے تھے، یہ دریا کے اس کنارہ پر بستے تھے، یہ دونون قومین آپس مین ہمیشہ دست و گریبان رہتی تھین،

(۳) **ٹھاکر**، جنکو عرب اپنے تلفظ مین تاکر، اور جمع کی صورت مین تکاکرہ بولتے تھے، یہ راجپوت تھے اور سلطنت کے امرار اور فوج کے سپہ سالارون مین انکا شمار تھا،

ان کے علاوہ برہمن تھے، بھاٹیہ اور سومری، وایرسی، اور سودھا قومین آباد تھین،

ہم اس حقیقت کا پہلے نمبر مین اظہار کر چکے ہین، کہ جس وقت مسلمان ہندوستان مین آنے لگے ہین، اس ملک کا تنہا مذہب ویدک دھرم یا برہمنی نہ تھا، بلکہ زیادہ تر بودھ مت تھا، اس لیے آجکل کے آریہ سماجی دوستونکا شور وغل اور ہنگامہ و فریاد اور اپیل واقفکار اور اہل علم اصحاب کی نظرون مین، مضحکہ انگیز ہے، اس نمبر مین ہم، اس سے بھی زیادہ ایک دلچسپ نظریہ کا اظہار کرنا چاہتے ہین بودھ مت کے خلاف سب سے زیادہ پرجوش جہاد جس نے کیا، وہ نوین صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) کے **شنکر اچاریہ جی** ہین، لیکن ہم بتا سکتے ہو کہ بودھ مت کی بت پرستی کے خلاف اس ہندی مجدد مین یہ جوش و ولولہ کہان سے آیا؟ شنکر اچاریہ جی جنوبی دکن مین پیدا ہوئے،

علیبار مین نشو و نما پائی اور یہ وہ مقامات تھے جو اسلام کے نعرۂ توحید سے گونج رہے تھے اور جہان بت پرستی کے خلاف مسلمان واعظین کی آوازین بلند ہو رہی تھین، اس بنا پر جس طرح شمالی ہندوستان مین کبیر داس اور گرو نانک وغیرہ پہلے اور دیانندجی بعد کو پیدا ہوئے، جنھون نے اسلام کی توحید سے بت شکنی کا سبق سیکھا، ٹھیک اسی طرح تیسری صدی ہجری کے عرب تجار اور واعظین سے جو اس علاقہ مین اس وقت پھیلے ہوئے تھے، شنکراچاریہ جی نے بت شکنی کا فیض حاصل کیا،

سندھ، مین مسلمان پہلی صدی کے آخر مین، یعنی آٹھوین صدی عیسوی کے بالکل شروع مین آئے اور ہندوستان سے بدھ مت کا پورا زوال نوین صدی مین اور اس کے بعد ہوا ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان مین بدھ مت کا زوال، ویدک دھرم کے پرچار سے زیادہ اسلام کی فتوحات اور اس کی تبلیغ و اشاعت سے ہوا ہے، مسلمان جب بنگال پہنچے ہین تو وہان ویدک دھرم نہین، بودھ مذہب تھا، اور اسی طرح سندھ کا وسیع علاقہ مسلمانون کے داخلہ کے وقت برہمنون کا نہین، بودھ مت کا پجاری تھا، ہمکو وہان بودھ پور[1] نام ایک شہر ملتا ہے، نودہیار[2] نام ایک خانقاہ یا معبد ملتا ہے جو خاص بودھ لوگون کی خانقاہ اور دارالتعلیم کو کہتے ہین، اونکے پجاریون کا نام ہم سمنی سنتے ہین جو خاص بودھ علماء کا لقب تھا اور جو برہمن کے حریف بمقابل تھے، ایلیٹ صاحب بھی اپنی تاریخ ہند مین لکھتے ہین:-

"چونکہ بودھ مت سندھ مین اسوقت مسلمہ طور پر رائج تھا، جب مسلمانون کو پہلے پہل ہندوستانی توہم پرستی سے سابقہ پڑا، اس لیے لازمی طور پر اس نام (بد) کا ماخذ لفظ بودھ ہو نہ کہ فارسی لفظ بُد (بُت) جو کہ غالباً خود بھی خود لفظ بودھ کی محرف شکل ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہت سے آثار اس بات کے موجود ہین کہ بودھ مت اس عہد مین وادی سندھ مین پھیلا تھا، نہ صرف مخصوص طور پر چینی سیاحون کے تذکرے اور ابن خردازبہ کا بیان اسکی تائید کرتا

[1] چچ نامہ ترجمہ ایلیٹ صفحہ ۱۳۸ [2] چچ نامہ ترجمۂ ایلیٹ ۱۵۰،

بلکہ عرب مصنفین کے چند ضمنی اشارات و تلمیحات بھی ہین، جن مین خاص طور پر کوئی تذکرہ
برہمنون اور بودھون کا بحیثیت ایک دوسرے کے حریف ہونے کے نہین ہے، کیونکہ
ان دونون کا امتیاز باہمی (خصوصاً، طرز عبادت، ایصالِ ثواب) قصص مذہبی، عام طور پر
اس قدر نازک ہے کہ ناواقف اور مغرور بدیسیون کی توجہ مشکل سے ادھر منعطف ہوسکتی تھی
چنانچہ جہان کہین پجاریون کا تذکرہ ہے عموماً اونکو "شمنی" کہا گیا ہے، سلطنت کا ہاتھی سپید
ہوتا تھا، جو ایک نہایت معنی خیز بات ہے، ایک ہزار برہمن (پجاری) جس نام سے کہ اونکا
عربی کتابون مین تذکرہ ہے، اور جو چاہتے تھے کہ اپنے قدیم مذہبی معتقدات اور رسم و رواج
کو قائم رکھین اونکو محمد بن قاسم نے خلیفۂ وقت کی اجازت سے فرمان دیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھون مین
مین کچکول لیکر ہر صبح کو در بدر پھر کر اپنی روزی حاصل کرین، اور یہ ایک مخصوص مذہبی رسم ہے
جو بدھ پجاریون مین جاری ہے، اور سب سے آخر یہ کہ مجسّمے بنا کر یا کسی اور طور پر اپنے فاتحون
کی جسمانی یادگار قائم کرنا، یہ تمام امور بودھون کے خصائص طبعی کی طرف اشارہ کرتے
ہین، نہ کہ برہمنون کی، ان اثباتی دلائل کے علاوہ، منفی شہادت بھی اس امر سے پیدا
ہوتی ہے کہ کوئی تذکرہ ستی، جنیو، گئو پوجا، اشنان (یا نہان) ہون پجاریون کے
ہتھکنڈون، اور دوسرے پیشوایانہ تحکمات، جوگیانہ نفس کشی یا دیگر رسوم و اعمال کا جو
برہمنی مذہب کے خصوصیات ہین، ان تحریرات مین نہین ہین[1]،

اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگا کہ اہل سندھ اس قدر روادار، بے تعصب، علوم و فنون مین ماہر،
سیر و سیاحت اور دوسری قومون سے ملنے جلنے مین کیون اس قدر آزاد تھے، بغداد کے دربار مین جو
حکما رہتے وہ یقیناً بھی سندھ کے بودھ مت والے تھے، اور بھی ایران تک سندھ اور ایران، بری اور

[1] جلد اول، صفحہ ۵۰۶- ۵۰۷، ۱۲۶۶ء

بحری دونوں راستوں سے باہم قریب قریب ہم سرحد ہیں، اسی لیے سندھ کے راجاؤں اور ایران کے بادشاہوں میں آپس میں لڑائیاں جاری رہتی تھیں، کبھی یہ ان پر حملے کرتے رہتے تھے اور کبھی وہ ان پر حملہ آور ہوتے تھے، کبھی بلوچستان اور مکران کے علاقے سندھ میں شامل ہو جاتے تھے اور کبھی سندھ کی سرحدیں سلطنت کسریٰ کے حدود میں آجاتی تھیں، اس تعلق سے ایران کی فوج میں سندھ کی متعدد قومیں سپاہیانہ خدمات انجام دیا کرتی تھیں، ان میں تین قوموں کے نام آتے ہیں، اساورہ سیابچہ[1]، اور زط، زط تو جاٹ ہے، اساورہ شاید کہ سوار کی جمع ہو، اور سیابچہ، سیاہ بچہ (کالا) کی شاید خرابی ہو، بہرحال اساورہ کی قومیت کا حال یقینی طور سے نہیں معلوم، مگر سیاہ بچہ اور جاٹوں کے ساتھ اونکے میل جول اور خلا ملا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی شاید سندھ ہی کے رہنے والے ہوں، اور خصوصاً اس بنا پر کہ یہ عربوں اور ایرانیوں کی لڑائی میں یہ ایرانیوں سے الگ ہو کر مسلمانوں کے شریک حال ہو گئے تھے،

بہرحال سندھی قوموں میں سب سے پہلے جاٹوں میں اسلام پھیلا ہے، یہاں تک کہ صحابۂ کرام کے زمانہ میں نومسلم جاٹ اپنا بودھ مذہب چھوڑ کر عراق جا کر بسنے لگے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود جو کوفہ میں رہا کرتے تھے، وہ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ "میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو صورت شکل میں بالکل جاٹ معلوم ہوتے تھے[2]" حضرت عبداللہ بن مسعود نے غالباً ۳۲ھ کے قریب میں وفات پائی ہے، یہ قبائل چونکہ یزدگرد شاہ ایران کی فوج میں تھے، اس لیے اونکو مسلمانوں کے دیکھنے اور ملنے کا کثرت اتفاق ہوا ہوگا، یزدگرد کے مقابلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری مسلمانوں کی فوج لیے پڑے تھے، کہ سیاہ (کالا، شاید ہندوستانی پہلے بھی کالے کہلاتے ہوں) نے جو اسواری تھا اور اپنی جماعت کا سردار تھا، اسلام کی کامیابی اور کمک کو دیکھکر حضرت ابوموسیٰ کو یہ پیغام بھیجا کہ "ہم لوگ بھی تمہارے

[2] ترمذی، ابواب الامثال، [1] بلاذری، ذکر اساورہ،

مذہب مین داخل ہونا چاہتے ہین، مگر اس شرط پر کہ ہم تمھارے دشمن ایرانیون سے تو تمھارے ساتھ ملکر لڑینگے لیکن اگر تم مین خود باہم لڑائی ہو تو فریقین مین سے کسی کا ساتھ نہ دینگے اور اگر عرب ہم سے لڑین تو ہماری حفاظت تمپر فرض ہو گی، اور ہم کو مدد دینی ہو گی، نیز ہمکو اجازت ہو گی کہ ہم جہان چاہین، قیام کرین، اور جس قبیلہ سے چاہین اتحاد کرلین، اور ہمارے وظائف درجۂ اعلی کے ہون "

حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا کہ ہم نومسلمون کے لیے صرف ایک ہی شرط جانتے ہین کہ" ان کے اور تمام مسلمانون کے حقوق ہرطرح برابر ہونگے" لیکن انھون نے اس مجمل شرط کے قبول کرنے سے انکار کیا، حضرت عمر کو خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ" انکی یہ سب شرطین مان لیجائین" چنانچہ اس کے بعد یہ لوگ مسلمانون کے ساتھ آکر مل گیے اور انھین کے ساتھ سیاہ بچہ اور جاٹ لوگ بھی شریک ہو گئے یہ لوگ عراق مین آکر عرب قبائل کے ساتھ ملکر آباد ہوئے اور یہ سندھی قومون مین اسلام کا پہلا داخلہ تھا، اس کے بعد اس قبیلہ کے اور لوگ جو سواحل پر مویشی چراتے تھے، وہ مسلمان ہو گیے،

یہ سندھی قومین چونکہ بہادر اور جنگجو تھین اس لیے اسلامی فوجون مین انکو خاصہ درجہ حاصل ہو گیا اور اکثر امانت اور اعتماد کی جگہون پر انکا پہرہ بٹھایا جاتا تھا حضرت علی کے عہد مین بصرہ کا خزانہ انھین سپاہیون کی نگرانی مین تھا، اور وہ حضرت علی کے طرفدارون مین تھے، (دیکھو طبری) ان لوگون نے مسلمان ہوکر اپنے اسلامی نام رکھ لیے تھے، بصرہ کی اس محافظ فوج کے سردار کا نام **ابو سلمہ** جاٹ تھا، اور نہایت صالح تھا، امیر معاویہ نے غالباً رومیون کے مقابلہ کے لیے عراق سے بہت سے جاٹون اور سیاہ بچون کو لیجاکر شام کے ساحلی شہرون مین اور انطاکیہ مین بسایا تھا اور اسی طرح ولید بن عبد الملک اموی نے بھی اپنے عہد مین ان جاٹون کو انطاکیہ مین لیجاکر آباد کیا تھا[1]،

عراق مین آبادی اور عربون سے میل جول کے بعد جاٹ مسلمان نہ صرف سپاہی ہی رہے،

---

[1] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان بلاذری باب امر الاساورہ والزط مین مذکور ہے

بلکہ ان مین سے بعض خاندانون نے علمی ترقیان بھی کین، اس حقیقت کے اظہار مین کوئی شرم نہین بلکہ یہ اسلام کے فخر کا نشان ہے کہ حضرت امام **ابو حنیفہ** جنکے پیرو کار آج اسلام کے بیشتر ممالک مین ہین اور جنکی فقہ پر آج مصر و ترکی اور افغانستان کی سلطنتون کا دار مدار ہے وہ ایک **جاٹ**[1] تھے، کیا دنیا کا کوئی مذہب اس مساوات اور رواداری کی مثال پیش کر سکتا ہے، اور اپنے نو معتقدون کو یہ رتبہ اور یہ اعزاز بخش سکتا ہے کہ وہ **امام اعظم** کا لقب حاصل کر سکے، امام ابو حنیفہ کی ولادت ۸۰ھ مین ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا خاندان فتح سندھ سے پہلے اسلام لا چکا تھا، بعض مورخین نے یہ لکھا ہے، کہ یہ خاندان کابل سے آیا تھا،

مسلمانون نے سندھ پر باقاعدہ حملہ ۹۳ھ مین شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب عراق مین حجاج بن یوسف ثقفی کی گورنری تھی، اور اس کے ماتحت ایران مین اوسکا ہفدہ سالہ بھتیجا محمد بن قاسم ثقفی والی تھا، پہلے نمبر مین گذر چکا ہے کہ عراق اور جزائر ہند کے درمیان عربونکی تجارت قائم رہتی اور ان کے جہازات سوداگری کے مال و اسباب سے لدے ہوئے آتے جاتے رہتے تھے، سندھ کے سواحل بیچ کے رہگذر تھے، ان سواحل پر خانہ بدوش قبائل آباد تھے جو بحری ڈاکے ڈالا کرتے تھے، مالدیپ مین بعض مسلمان تاجر تھے، جو مع اہل و عیال وہان رہا کرتے تھے، اتفاق سے ان تاجرون نے وفات پائی، مالدیپ کے راجہ نے مناسب سمجھا کہ انکی بیوی بچون کو عراق بھیجدیا جائے، چنانچہ یہ مسلمان خواتین ایک جہاز پر سوار کرا کے بھیجی گیئن، جب یہ جہاز سندھ کے کنارون مین پہنچا، تو سندھ کے دریائی ڈاکون نے اس کو لوٹ لیا اور مسلمان خواتین کو نہایت بیرحمی سے چرا کر لیگئے، انھین خاتونون مین سے کسی معصوم کی زبان سے یہ دردبھری چیخ نکلی "اے حجاج! مدد!!" بچے کھچے مسافر جب عراق پہنچے تو اس سانحہ کا حال حجاج کو معلوم ہوا اس نے اسی وقت دیوانہ وار

[1] ابن خلکان، ترجمۂ نعمان بن ثابت،

پکار کر کہا، "اے خاتونو ٹھہرو مین آیا"،

اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی سامنے رکھ لو، سندھ کا برہمن راجہ چچ جو ایک بلند حوصلہ راجہ تھا، بلوچستان اور مکران پر اس نے پے بہ پے حملے کیے تھے یہ اسلام سے کچھ پہلے کی بات ہے، اسلام کے بعد مسلمانونکی طرف سے ان حدود مین جو فوج متعین تھی، اس مین سے ایک عرب سردار محمد علافی یا علافی نام پانچ سو عربون کے ساتھ ایک مجرم کی حیثیت سے اسلامی فوج سے نکلکر راجہ چچ کے ساتھ ہوگیا تھا، اور اکثر معرکون مین اس کے ساتھ رہا، اور اس وقت بھی جب اسلامی فوج سندھ کے قریب آچکی تھی اور اب راجہ چچ کا بیٹا راجہ داہر حکمران تھا، وہ برابر اسکے ساتھ رہا،

غرض یہ آتشگیر مسالہ تو پہلے سے موجود تھا، ان مسلمان خواتین کے لوٹے جانے کے واقعہ نے حجاج ثقفی کو برافروختہ کر دیا، اس پر بھی اس نے ملائمت کے ساتھ راجہ داہر کو لکھا کہ "ان مسلمان خواتین کو عزت اور حرمت کے ساتھ واپس بھیجدو" راجہ نے یہ کہکر ٹالا کہ "ان ڈاکوؤن پر میرا قابو نہین" ناچار مسلمانون کو خود براہ راست ان ڈاکوؤن کی تنبیہ کرنی پڑی، حجاج نے ایران سے محمد بن قاسم کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اور ادھر سمندر کی راہ سے اسلحہ اور سامان روانہ کئے، **ہندوستان** پر مسلمانون کے ابتدائی حملہ کے یہ اسباب ہین، ان مین کوئی چیز ایسی نہین ہے کہ جسکو اس جذبہ سے موسوم کیا جائے کہ وہ دیوانہ وار تلوارین سونت سونت کر ہندوستان کی سرحد پر اس لیے بڑھ آئے کہ وہ ہندوونکو بزور شمشیر مسلمان بنا ڈالین!

گو الیٹ صاحب کو نظر نہین آتا مگر کم از کم مجھے تو سندھ کی سب سے پہلی پرانی اسلامی تاریخ جو عام طور پر چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے (اور جس کے دوسرے نام تاریخ الہند والسند اور منہاج المسالک ہین) کے مطالعہ سے یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سندھ مین بودھون اور برہمنون کے درمیان اختلاف اور مخاصمت برپا تھی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون مذہب بعض گھرانون

مین اس طرح بھی پھیلے ہوئے تھے کہ ایک بھائی ہندو ہے تو دوسرا بودھ ہے، اسی بنا پر سندھ کے راجاؤن کے حالات پڑھکر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ راجہ چچ ہندو برہمن تھا، اس نے چھوٹے بودھ راجاؤن کو لڑبھڑ کر مٹادیا، یا باجگذار بنالیا تھا[1]، یہ راجہ آغاز ہجرت کے وقت سندھ مین فرمانروا تھا، اس کے بعد راجہ چندر اوسکا بھائی راجہ ہوا، یہ بودھ مت کا پرجوش پیرو تھا اور جن لوگون نے اپنا مذہب پہلے چھوڑ دیا تھا انکو بزور اس نے بودھ بنایا[2] ہندو برہمنون نے یہ دیکھکر سر اُٹھایا، ناچار وہ معرکون مین نکلا مگر کامیاب نہین ہوا، اس کے بعد چچ کا بیٹا راجہ داہر اوسکی جگہ بیٹھا، یہ مجھے ہندو برہمن معلوم ہوتا ہے،

تاریخی قیاسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت جب مسلمان سندھ کی سرحد پر تھے ملک مین ان دونون مذہبون کے اندر جنگ برپا تھی، اور بودھ برہمنون کے مقابلہ مین اپنے کو بیدست و پا پاکر مسلمانون کی طرف صلح و محبت کا ہاتھ بڑھا رہے ہین، ہم دیکھتے ہین کہ عین اس وقت جب محمد بن قاسم کی فاتح فوج شہر بیرون یا نیرون مین پہنچی ہے تو وہان کے لوگون نے اپنے سمینون (بودھ پجاریون) کو پیش کیا اور معلوم ہوا کہ "انھون نے اپنے سفراء عراق مین خاص حجاج کے پاس بھیجکر امان حاصل کرلی ہے، چنانچہ نیرون کے لوگون نے محمد کا شاندار استقبال کیا، اسکے لیے رسد کا انتظام کیا، اور اپنے شہر مین داخل کیا، اور صلح کی پوری پابندی کی"[3] اسکے بعد جب اسلامی فوج نہر سند کو عبور کر کے ہندوستان پہنچی ہے تو پھر سمنیہ[4] بودھ لوگ صلح کے قاصد بنتے ہین[5]، اسی طرح سیوستان مین ہوتا ہے کہ سمنی لوگ (بودھ

---

[1] چچ نامہ الیٹ ج ۱ ص ۱۴۲ و ۱۵۰، [2] ایضاً ص ۱۵۲ و ۱۵۳، [3] یہان پہنچکر ذرا ہمکو لفظ سمینہ پر ایک لحظ ٹھہرنا ہے، سب سے پہلے یہ لفظ مجکو علم کلام کی کتابون مین نظر آیا، ذکر المعتزلہ زبیدی، ملل و نحل شہرستانی، کتاب البدء والتاریخ للبلخی او للمقدسی مین یہ لفظ ملا، لیکن اسکی حقیقت سے ناواقف رہا، اسکے بعد جب سندھ کی تاریخ پڑھی تو اس مین یہ لفظ بار بار آیا، اور معلوم ہوا کہ یہ عربی زبان مین بودھ مت کے پیروؤن کا نام ہے، اصل مین یہ سنسکرت لفظ ہے، الیٹ صاحب کہتے ہین کہ یہ سنسکرت لفظ "سرامنا" ہے جسکے معنی پجاری، جوگی، یا زاہد کے ہین اور خاص طور بودھ مت کے معتقدون پر اسکا اطلاق ہوتا ہے اور قریب قریب اسی نام سے یونانی مورخون اور جغرافیہ نویسون نے بھی انکا تذکرہ کیا ہے، (ج ۱ صفحہ ۵۰۶)

بجھے رائے اپنے راجہ کو چھوڑ کر بخوشی مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہین اور انکو قبول کرتے ہین، کاکا کوئی مشہور عقلمند اور سیاست دان تھا، جاٹ رؤسا اس کے پاس جاکر مشورہ کرتے ہین کہ کیا مسلمانون کی فوج پر شبخون مارا جائے وہ جواب مین کہتا ہے "اگر تم ایسا کر سکو تو بہتر ہے، مگر سنو کہ ہمارے پنڈتون اور جوگیون نے جنتر دیکھکر یہ پیشینگوئی کر دی تھی کہ اس ملک کو ایک دن مسلمان فتح کر لینگے، لوگ اسکی بات نہین مانتے اور نقصان اٹھاتے ہین، کاکا نے کہا "تم خوب جانتے ہو کہ میرا ارادہ اور عزم مشہور ہے، لیکن بودھون کی کتابون مین پیشینگوئی پہلے ہی لکھی جا چکی ہے کہ ہندوستان کو مسلمان فتح کرینگے، اور مین بھی یقین رکھتا ہون کہ درحقیقت ایسا ہی ہونے والا ہے" اسکے بعد کاکا محمد بن قاسم کے پاس چلا جاتا ہے اور جاٹون کے ارادون سے اسکو آگاہ کرتا ہے، اور اپنی کتابونکی پیشینگوئی اسکو سناتا ہے، محمد بن قاسم اسکو بعزت تمام لیتا ہے اور اسکو اور اسکے ساتھیون کو انعام و اکرام اور خلعت سے سرفراز کرتا ہے، اور راجہ داہر کے بہت سے مخالف افسر (غالبًا بودھ) خود آکر اطاعت کرتے ہین[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے بودھون نے ایک طرف مسلمانونکو اور دوسری طرف برہمنونکو تولا، تو ان کو مسلمان بہتر نظر آئے اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے ترکستان و افغانستان کے بودھون کے ساتھ مسلمانون نے جو حسن سلوک کیا، اور ان لوگون نے جس کثرت اور سرعت کے ساتھ اسلام کو اختیار کیا اس کا اثر اس ملک کے بودھون پر بھی پڑا،

محمد بن قاسم ایک شہر کو فتح کرتا جاتا تھا اور نقبائے اسلام لوگونکو اسلام کی دعوت دیتے جاتے تھے، محمد بن قاسم نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جو چاہے اسلام قبول کرکے ہمارا بھائی بنجائے اور ہمارے برابر حقوق حاصل کرے اور جو چاہے اپنے کیش و مذہب پر قائم رہکر اطاعت اختیار کرلے، لوگ جوق جوق آرہے تھے اور اپنی خواہش کے مطابق یا مسلمان ہو رہے تھے یا ذمی بن رہے تھے، خود محمد بن قاسم کی فوج مین

[1] صفحہ ماقبل، بلاذری صفحہ ۴۳۴ و ۴۳۸ یورپ مین واقعے آہین بہلا واقعہ چچ نامہ مین بھی ہے، [2] چچ نامہ الیٹ جلد اول، صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲

اس وقت چار ہزار نومسلم جاٹ تھے[1] بودھی مان ایک سردار اکرامان اور منصب پاتا ہے[2] نیرون مین بدھ معبد کے مقابل نومسلمون کے لیے جامع مسجد بنتی ہے اور ایک امام مقرر ہوتا ہے[3]، سیوستان اور سیسام کے قلعے جب فتح ہوتے ہین تو وہان کے لوگ اسلام قبول کرتے ہین، بتخانون کی جگہ مسجدین تعمیر ہوتی ہین، امام و مؤذن مقرر ہوتے ہین خطبے پڑھے جاتے ہین[4]،

اب ٹھاکر بھی اسلام کی اطاعت کی طرف مائل ہوتے ہین، محمد قاسم انکی پوری عزت کرتا ہے، انکو اکرام وانعام وجاگیر سے خوش کرتا ہے، موکا نام ٹھاکر آتا ہے تو اسکو وہ راجگی کا چتر دیتا ہے یہ پہلا چتر ہے جو مسلمان کسی ہندو راجہ کو عطا کرتے ہین[5]،

ہم کو ایک سندھی پنڈت کا نام ملتا ہے جو راجہ داہر کے دربار مین پورا رسوخ رکھتا تھا، وہ مسلمان ہوجاتا ہے، اور یہ درجہ حاصل کرتا ہے کہ اوسکو مولانا اسلامی کا خطاب ملتا ہے، اور محمد قاسم کی طرف سے وہ راجہ داہر کے دربار مین سفیر بنکر جاتا ہے، مولنا اسلامی جب دربار مین قدم رکھتے ہین تو پہلے کی طرح راجہ کی ہندوانہ بندگی نہین بجالاتے ہین، راجہ پہچانتا ہے اور اس گستاخی کی وجہ دریافت کرتا ہے، مولنا فرماتے ہین، "اے راجہ! جب مین تیری رعایا تھا، تو مجھ پر واجب تھا کہ تیری تعظیم بجالاؤن، مگر اب جب مین مسلمان ہوگیا ہون اور اسلام کے بادشاہ کی رعایا ہون تو مجھ سے یہ توقع نہین رکھنی چاہئے کہ مین اپنا سر ایک کافر کے سامنے جھکاؤنگا"، راجہ یہ سنکر آگ ہوگیا، اور کہا کہ اگر تم قاصد بنکر نہ آئے ہوتے تو تمھاری گردن اڑا دیتا، مولنا نے کہا "ایک میرے قتل سے عربونکو کوئی بڑا نقصان نہین پہنچ سکتا، لیکن وہ میرے قتل کا تم سے انتقام لین گے، اور اور جرمانہ وصول کرلین گے[6]"

دیکھو تو ایک نومسلم پنڈت کو اپنے اسلام پر کتنا غرور؟ اور اپنے مسلمان بھائیون کی امداد

---

[1] بلاذری، [2] چچ نامہ ص ۱۵۰، [3] ص ۱۰۰، [4] ص ۱۴۲، [5] ص ۱۶۰، [6] ایضا الیٹ ص ۱۶۵،

وا عانت پر کتنا بھروسہ! اور عام مسلمانون کے ساتھ اپنے حق اور رتبہ کی برابری پر کتنا یقین ہے!!

پھر نظر آتا ہے کہ بھاٹیہ ٹھاکر اور غزنی کے جاٹون نے اسلام کی رضامندانہ اطاعت اختیار کرلی تھی، محمد قاسم امرائے سندھ کے نام عام اعلان کرتا ہے کہ جو چاہے مسلمان ہوکر ہمارا بھائی بن جائے، اور جو چاہے اپنے مذہب پر قائم رہکر امن و امان حاصل کرے، اس اعلان کو سنکر سیاسی کار راجہ داہر کے وزیر نے اپنے خاص معتمدون کو بھیجکر امان حاصل کی، اور اس نے اپنے اخلاص کے ثبوت مین ان مسلمان خواتین کو جو جہاز مین لوٹ لی گئی تھین دربار مین لاکر حاضر کیا،

برہمن آباد وغیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد غالباً برہمنون نے یہ دیکھکر کہ ان کے حریف بودھون نے مسلمانون کے ساتھ ملکر کس قدر فوائد حاصل کیے ہین، انھون نے بھی اپنا ایک وفد مرتب کیا، اور محمد قاسم کے دربار مین پہنچے، محمد نے انکی قدر کی، لیکن برہمنون نے یہ شرط پیش کی کہ ہندو دستور کے مطابق ہمارا قومی درجہ تمام دیگر ذاتون سے بلند رکھا جائے، محمد نے ان کے اس دعوی کی سچائی کی تحقیق کی، اور جب اوسکو اس کے متعلق تشفی ہو گئی تو اس نے اونکا اعزاز کیا، اور انکو تمام عہدون پر سرافراز کیا، برہمنون نے اسکا خاص شکریہ ادا کیا، اور گاؤن گاؤن مین جاکر نئے حکمرانون کے عدل و کرم کے گیت گائے، اور اپنے ہم مذہبونکو اطاعت اور فرمان برداری پر آمادہ کیا، اور جو مساوات حقوق عربون کی بدولت پیدا ہوئی تھی اسکی ہر جگہ جاکر تعریفین کین[۱]،

بااین ہمہ محمد نے اس حقیقت کو فراموش نہین کیا کہ وہ فاتح سے زیادہ ایک مبلغ ہے، چنانچہ اس نے برہمنون کو بھی عام اعلان دیا، کہ جو چاہے وہ اسلام اختیار کرے، اس سے جزیہ معاف ہوگا (مگر ظاہر ہے کہ مسلمانون کی طرح اس پر زکوۃ فرض ہے) اور جو اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہے وہ بخوشی رہ سکتا ہے،

[۱] چچ نامہ ص ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶

"بعضے ازایشان بر اقامت معاودت نمودند و بعضے دل برگزیدہ نہادند و بر کیش اسلام می رفتند"

چچ نامہ کا یہ فقرہ ہے، اسکے ساتھ یہ سنئے:-

ان مین جو مسلمان ہو گیے تھے، وہ غلامی اور جزیہ وغیرہ سے آزاد رہے، اور جو اپنے مذہب پر قائم رہے، ان کے تین درجے قائم کیے گیے، اعلیٰ طبقہ یعنی امرا کے لیے ۴۸ درم، متوسط طبقہ کے لیے ۲۴ درم، اور نیچے طبقہ کے لیے ۱۲ درم ٹکیس مقرر ہوا، اور یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائین وہ اس سے معاف کیے جائین لیکن ان پر مسلمانون کی طرح جزیہ کے بجائے ڈھائی فیصدی زکوۃ ضرور ہی واجب ہو گی (جسکی مقدار جزیہ سے زیادہ ہی رہی) چنانچہ جن لوگون نے اسلام قبول کر لیا تھا، وہ جزیہ سے معاف ہوئے اور جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر رہے انھون نے جزیہ دیا، لیکن انکی زمینین اور جائدادین اون سے لے نہین لی گیئن، بلکہ علی حالہا انکے ہی قبضہ مین رہنے دیگئین[1]

کیا اس اقتباس سے یہ پوری طرح واضح نہین ہوتا کہ فاتح سندھ نے اپنے مذہب کی اشاعت مین کبھی بھی تشدد اور سختی کا استعمال نہین کیا، بلکہ اسنے ہر مذہب کو جائز آزادی عنایت کی، جزیہ کی رقم جو وصول کیگئی وہ حد درجہ معمولی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ ۴۸ درم اور کم سے کم ۱۲ درم موجودہ انگریزی سکون کے مطابق گویا اس نے امرا سے سالانہ دس روپیے، متوسط طبقہ سے سالانہ پانچ روپیے اور غربا سے سالانہ ڈھائی روپیے لیے اور اس سے زیادہ بڑھ نہین سکتا تھا، اسکے مقابلہ مین دیکھو کہ مسلمانون سے جو رقم وصول کیجاتی تھی وہ فی شخص مقرر نہ تھی بلکہ اس کی آمدنی کے اعتبار سے ڈھائی فیصدی لیجاتی تھی جو دس روپیہ سالانہ سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔

[1] چچ نامہ ص ۱۸۲،

اس پر بھی اگر ہمارے آریہ دوست یہ کہین کہ اسی جزیہ کے سبب سے ہندوؤن نے اسلام قبول کرلیا تو اس کے دوسرے معنی یہ ہین کہ ہندوؤنکی نگاہون مین انکا مذہب خود اس قدر کم رتبہ تھا کہ انکے امرار کے نزدیک دس روپیہ سالانہ، متوسطین کے نزدیک ۵ر سالانہ اور غربار کے نزدیک ۲ر سالانہ بھی انکے دہرم کی قیمت سے زیادہ گران تھا، تو یہ مسلمانونکا قصور نہین ؛

محمد نے سندھ سے فراغت کرکے ملک کے دوسرے حصّون مین بھی ہندوؤن کے سامنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی چنانچہ یہی ملتان مین اس نے کیا، مگر کسی ایک کو بھی اس نے اسلام کے قبول کرنے پر مجبور نہین کیا، سندھ کے محدود رقبہ کے باہر سندھ سے متصل جو ایک حقیقی ہندوستان یعنی قنوج کی سلطنت تھی، محمد نے اپنے داعی وہان راجہ کے دربار مین بھی بھیجا چنانچہ ایک ہزار دستہ کی حفاظت مین اس نے راجہ قنوج کے پاس اپنے مبلغ بھیجے کہ اسلام کا ہدیہ قبول کرو، مگر اس نے بدقسمتی سے انکار کیا[1]، محمد کچھ اور آگے کارروائی کرنا چاہتا تھا، مگر اُسکو موقع نہ ملا، اور دربار خلافت کی طلب پر وہ واپس گیا، جب وہ یہان سے جانے لگا، تو اہل سندھ نے اوس کا بڑا ماتم کیا، اور اس کے مجسمے بنا بنا کر یادگار قائم کی[2]۔

(باقی)

---

[1] چچ نامہ ص ۲۰۷

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۰ یورپ،

ملفوظاتِ جلال الدین رومیؒ

(از - پروفیسر نکلسن، کیمبرج)

جس نامور شاعر کی مثنوی اور دیوان شمس تبریز سے تصوف فارسی کے تمام طلبہ مانوس ہین اسکی جانب ایک رسالہ نثر موسوم بہ **فیہ مافیہ** بھی منسوب ہے، رضا قلی خان نے دیوان مطبوعۂ تبریز کے دیباچہ مین اسکا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس مین زیادہ تر معین الدین پروانہ رومی سے خطاب ہے، تین ہزار بیت کے مساوی حجم ہے اور اس کے قلمی نسخہ نایاب ہین، میرے علم مین اب تک اس سے زائد معلومات نہ تھے، پچھلے سال میسیو لوئی مسینانے حلاج پر جو اپنی تالیف شایع کی ہے، اس مین یہ اطلاع درج ہے، کہ قسطنطنیہ مین اس کے دو نسخے موجود ہین،

اس درمیان مین ایک ہندوستانی فاضل، مولوی عبد الماجد (دریاآباد - بارہ بنکی) میرے علم مین تین اور نسخے لائے، جن مین سے ایک کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کا ہے، ایک سرکاری کتبخانہ رامپور کا ہے اور ایک نواب سالار جنگ حیدرآبادی کے کتبخانہ کا، مولوی عبد الماجد کا قصد اس رسالہ کے طبع کرانے کا ہے، اور اس غرض سے انھون نے ان تینون نسخون کی نقلین حاصل کرلی ہین، چند ہفتہ ہوئے انھون نے بکمالِ عنایت کتبخانہ آصفیہ والے نسخہ کی نقل مجھے بھی عنایت کی تھی، مین اس موقع پر بہ مسرت انکی اس عنایت کا، نیز ان کے دیگر اہم خدمات کا، جو وہ میرے زیر ترتیب ایڈیشن

---

[1] مضمون بالا، کیمبرج کے مشہور مستشرق، پروفیسر نکلسن نے، رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن کے صد سالہ جلسہ کے موقع پر پڑھا،

مثنوی کے سلسلہ مین کر رہے ہین، شکریہ ادا کرنا چاہتا ہون،

اس وقت تک میرا خیال یہ ہے کہ فیہ مافیہ سے ضخیم و دقیق مثنوی کی شرح مطالب مین اچھی خاصی مدد ملیگی، لیکن ابھی اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرنا قبل از وقت ہوگا، سردست رسالہ کو دیکھ کر جو سرسری خیالات پیدا ہوئے ہین، انھین بیان کرنا اور اس کے مضامین پر ایک اجمالی نظر کر دینا ہے

یہ امر کہ رسالہ کا موضوع، تصوف ہے، اس کے عنوان ہی سے ظاہر ہے، جس کے لفظی معنی یہ ہین "اس مین ہے جو کچھ اس مین ہے"، یہ عنوان جیسا کہ مسینا نے خیال کیا ہے یقیناً منصور حلاج کی کتاب الطواسین کی ایک عبارت سے ماخوذ ہے، جس مین الفاظ "فیہ مافیہ" سالک فانی فی الحق سے متعلق استعمال کیے گیے ہین، اگرچہ ظاہری معنی کے لحاظ سے بھی یہ عنوان ایسے رسالے کے لیے نہایت موزون ہے، جو اس قدر غیر مرتب و منتشر ہے،

فیہ مافیہ، درحقیقت جلال الدین کے کلام یعنی ان کے اقوال و ملفوظات کا ایک مجموعہ ہے، دیباچہ مین تصریح ہے، کہ الفاظ انکی زبان سے سنکر ("در اثنار مجلس او") ان کے فرزند سلطان بہاؤ الدین ولد نے قلمبند کئے ہین، لیکن خاتمہ مین یہ درج ہے، کہ رسالہ، معین الدین پروانہ کے فراہم کردہ اقوال کا مجموعہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ رسالہ مین بعد جلال الدین کے مرکزی و نمایان حیثیت پروانہ ہی کی ہے، اور وہ چونکہ حسن عقیدت مین باسول[1] سے کم نہین، اس لیے یہ امر اس سے ذرا بھی بعید نہین، جو اس نے اپنے مرشد کے تعلقات یگانگت کی مستقل روداد چھوڑ جانا چاہا ہو، کم ازکم حیدرآبادی نسخہ سے محمد فواد (صاحب "ادبیات و تصوف ترکیہ") کے اس قول کی مطلق تائید نہین نکلتی کہ فیہ مافیہ کو جلال الدین نے تصنیف کر کے پروانہ کے نام معنون کر دیا ہے، رسالہ یقیناً کسی دوسرے شخص کی جمع و تالیف کا نتیجہ ہے، اور اگر دیباچہ (جسکی ابتدا تذکرہ سے ہوتی ہے) جعلی نہین تو اسکا الحاق

[1] جانسن کا مشہور سوانح نویس۔ (مترجم)

یقیناً کسی شخص نے جلال الدین کی وفات کے بعد کیا ہے جو ۶۷۲ھ مین واقع ہوئی، پروانہ کو سزائے موت، اس واقعہ کے ۵ سال بعد اباقہ کے حکم سے ملی،

رسالہ میں جو ملفوظات درج ہین، ان کے استناد مین گفتگو کی گنجایش ہو سکتی ہے، میری رائے مین انکا بیشتر حصّہ صحیح و مستند ہے، گو شاید ہر موقع پر لفظ بلفظ منقول نہ ہو، مثنوی کے ناظرین کو اس مین بہت کچھ مانوس باتین ملینگی، عام موضوع سخن بالکل وہی ہے، نیز طرز بیان وہی ہے، خیال مین وہی زور روانی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گویا آگ کا شعلہ زقند بھرتا جارہا ہے اور اپنی تیزی سے اپنے تئین اور مشتعل کرتا جاتا ہے، براہین منطقی کے بجائے وہی شاعرانہ تخیل کی کارفرمائی ہے اور تشبیہات و تمثیلات کی وہی حیرت انگیز افراط ہے، افسانہ اور حکایات اکثر شامل کیے گئے ہین، جو اگرچہ عموماً بعینہ وہ نہین ہین، جو مثنوی مین مندرج ہین، تاہم ایک حد تک اُن سے ملتے جلتے ہین، ایک معنی کرکے، فیہ مافیہ، توقعات سے فروتر ہے یعنی اگرچہ مثنوی کے تکملہ، نیز ایک حد تک شرح کا کام اس سے نکل سکتا ہے تاہم میرا خیال یہ ہے، کہ مثنوی سے جو سوالات حل طلب پیدا ہوتے ہین، ان کا حل اس سے نہین ہوتا، انکے حل کے لیے ہمکو مصنف کے معتقدات مذہبی سے اس سے زیادہ متعین اور قطعی واقفیت درکار ہے، جتنی مجموعہ ملفوظات سے حاصل ہو سکتی ہے،

ملفوظات جو عموماً پروانہ یا کسی اور کے سوالات کے جوابات ہین کسی مرتب نظام کی صورت مین نہین بلکہ غیر مرتب طور پر صاحب ملفوظات کے آزادانہ خیالات کی رو کا ذخیرہ ہین، اس بناپر تلخیص مطالب بے سود ہوگی، اور اگر تفصیل بیان کیجائے، تو بھی اسکی حیثیت کلید باب سے زاید نہ ہوگی، کتاب کی روح اور نوعیت کا بہترین اندازہ اس طریقہ سے ہو سکتا ہے، کہ چند اقتباسات نقل کردیے جائین لیکن مین جن اقتباسات کا ترجمہ دے رہا ہون وہ قدرۃً مختصر ہین، اور اس لیے اُنسے جلال الدین کے طرز استدلال کا پورا اندازہ نہو سکیگا اس کے لیے بہتر صورت یہ ہے، کہ خود مثنوی کی جانب رجوع کیجائے

ہم لوگ تقریر و تحریر مین فرق کرتے ہین، اور مکالمہ اور تصنیف کو بالکل دو مختلف چیزین قرار دیتے ہین، لیکن جلال الدین کے لیے یہ دونون، ملفوظات ہی کے حکم مین ہین، فرق صرف اسقدر ہے، کہ ایک نثر مین ہے، ایک نظم مین، مثنوی و دیوان دونونکی بابت روایت ہے کہ وہ دوستون کو املا کرتے گیے تھے، اور ان لوگون نے اُسی ارشاد زبانی کو مکتوبی صورت مین جمع کر دیا، جلال الدین کی شاعری، ملفوظات ہی کی روانی و سلاست رکھتی ہے، اور انکے ملفوظات گو انکی شاعری کے ٹکر کے نہین، تاہم ایک شاعر کی زبان سے نکلے ہوئے ضرور معلوم ہوتے ہین، پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے، کہ ایک اتھاہ چشمہ اُبل رہا ہے، اور جو الفاظ مثنوی مین کثرت سے آتے ہین، وہ شاعر کے لیے معانی سے لبریز ہین کہ "این سخن پایان ندارد"۔

اقتباسات ذیل گو سیاق سے علیحدہ ہین تاہم جو شخص عقاید صوفیہ سے مانوس ہے اُسے ان کے سمجھنے مین دقت نہ ہوگی:-

"سخن سایۂ شخص است چون سایہ اورا جذب کرد حقیقت بطریق اولی، سخن بہانہ است آدمی را با آدمی از جزو مناسبت جذب میکند بلکہ اگر صد ہزار معجزہ و کرامات می بیند چون اورا ازان نبی یا ولی، جزوی نباشد تناسب سودے ندارد آن جزو است کہ اور ادر ہوس و بیقراری میدارد، درکاہ اگر از کہربا جزوے نباشد ہرگز سوی کہربا نرود آن جنسیت میان ایشان خفیت است، آدمی را خیال ہر چیز کہ در نظر می آید بسوی آن چیزی برد خیال باغ بباغ خیال دکان بدکان اما درین خیال تزویر پنہان ست نمی بینی کہ فلان جاگاہ میروی پشیمان می شوی ومیگوئی پنداشتم کہ خیر باشد پس این خیالات بر مثال چادر اندر و در چادر کسی پنہانست ہرگاہ کہ این خیالات ازمیان برخیزد وحقایق روی نماید بے چادر، قیامت باشد، یوم تبلی السرائر آنجا کہ حال چنین باشد پشیمانی سود ندارد ہر حقیقت کہ ترا جذب می کند چیزی دیگر غیر آن نباشد ہمان حقیقت باشد کہ ترا جذب کرد

لیکن می گویم کہ درحقیقت کشندہ یکی ست نمی بینی کہ آدمی را صد چیز آرزو است ولیکن اصلش گرسنگی است کہ یکے ست و چون سیر شد میگوید کہ ہیچ نمی خواہم"

"مگو کہ کثیر بہا کردہ ام تو راستی پیشہ کن کہ ہیچ کثرے نماند۔ راستی ہمچو عصائی موسیست و کثر بہا چون سحر ہا چون راستی روی نماید ہمہ را بخورد اگر بدی میکنی یا خود می کنی ضرر بدیگرے نمی رسد، بلیت

مرغے بسرِ کوہ نشست و برخاست　　　بنگر کہ دراں کوہ چہ افزود و چہ کاست"

آدمی اصطرلاب حق است اما منجمی باید کہ اصطرلاب را بداند . . . .

مراد ازین اشارتہا آنست کہ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرمود من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ، ہمچنانکہ اصطرلاب مبین افلاک است وآئینہ اوست ، وجود آدمی کہ لقد کرّمنا بنی آدم اصطرلاب حق است چون حق سبحانہ وتعالیٰ او را بخود عالم گردانید از اصطرلاب وجود خود تجلی بیچون را وجمال حق را بے کیفیت دمبدم می بیند وابداً آن جمال ازین آئینہ خالی نباشد ما،

" یاران سوال کردند کہ از نماز چیزے نزدیکتر بحق راہی ہست فرمود کہ نماز ولیکن نماز ہمین صورت تنہا نیست این قالب نماز است زیرا کہ این نماز اولی و آخر یست ہر چیز کہ در حرف وصوت درآید او را اوّل و آخر بود و آن صورت وقالب باشد جان بیچون وبے نہایت بود او را اول و آخر نباشد آخر این نماز را انبیا پیدا کردند . . . . . . استغراق وبیہوشی جان نماز است کہ این ہمہ صورتہا برون می ماند ونمی گنجد جبریل نیز کہ معنی محض است ہم نمی گنجد چون در وقت استغراق عقل مسلوب است شاید کہ توان گفتن کہ تکلیف برخیزد چنانچہ مجنون را در اوقات جنون تکلیف نیست اگر در روزی چند بار استغراق پیدا شود وعقل مسلوب گردد در آن وقت تکلیف نبود پس معلوم شد کہ جانِ نماز استغراق ست در وحدت"

" تن ہمچون مریم است و یکے عیسیٰ واریم اگر ما را درد پیدا شود عیسیٰ ما بزاید واگر درد نباشد

عیسیٰ ہم ازان کہ راہ نہانی می آمد باز باصل خود رود و ما محروم مانیم،، . . . .

این سخن برائے آنکس است کہ او بسخن محتاج است کہ ادراک کند اما آنکہ بے سخن ادراک می کند باوے چہ حاجت سخن است آخر آسمان و زمین سخن است پیش آنکس کہ ادراک می کند و زائیدہ از سخن است کن فیکون

فیہ ما فیہ مین تین مقامات پر مشہور صوفی حلاج کا ذکر ہے جو انا الحق کا قائل گزرا ہے، اور جسے بغداد مین ۹۲۲ء مین دار پر موت نصیب ہوئی، ان مین سے سب سے زیادہ اہم و مفصل موقع کی عبارت حسب ذیل ہے

"عجب آنکہ کس بالا می پرد و پرش می جنبد چون در انگبین غرق شود ہمہ اجزائے او یکسان گردد ہیچ حرکت نہ کند استغراق آن باشد کہ او در میان نباشد و او را جہد و حرکت نماند ہر فعل کہ ازو آید آن فعل او نباشد اگر ہنوز در آب دست و پائے می زند آنرا غرق نگویند اگر بانگی زند کہ آہ غرق شدم این را نیز استغراق نگویند

آخر این انا الحق گفتن ہم ازین معنی است مردم می پندارند کہ دعوی بزرگ ست، انا العبد دعوی بزرگ است انا الحق تواضع عظیم است آنکس کہ او انا العبد میگوید دو ہستی را اثبات می کند یکے خود را و یکے خدا را اما آنکہ انا الحق میگوید خود را عدم کرد و بباد برداد و می گوید انا الحق یعنی من نیستم ہمہ اوست جز خدا را ہستی نیست و این غایت تواضع و افگندگیست خود را،،

مسیو مسینا نے جس دقت نظر کے ساتھ حلاج کے اصول و عقائد کی تشریح کی ہے، اس سے واقف ہونے کے بعد یہ مشکل ہی سے باور ہو سکتا ہے کہ حلاج کا وہ مسلک تھا، جو اقتباس بالا سے ظاہر ہوتا ہے، جلال الدین کا مسلک جو کچھ بھی ہو، وحدت وجود بہر حال نہ تھا، مین نے اپنی ایک دوسری تصنیف[1] مین اس مسئلہ پر بحث کی ہے، کہ مثنوی کے مصنف کو وحدت وجود کا قائل کہنا کہان تک درست ہو سکتا ہے، اور اس لیے یہان اس بحث کو نہین چھیڑتا، البتہ یہان اس جدید سالہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہون جس سے ظاہر ہوگا کہ جلال الدین ایک خاص حد تک بقا و روح شخصی کے قائل تھے:۔

۱؎ کتاب موسوم بہ ص ۲۰ و ۲۳ Idia of Personality in Sufiism

آدمی یار خود را زود گم میکند نه بینی کہ درین عالم چون با شخصے دوست شدۂ و در نظر تو یوسفیست بیک فعل قبیح از نظر تو پوشیدہ می شود و او را گم می کنی وصفت یوسفی در وصفت گرگی مبدل می شود، کہ در آن زمان او را یوسفی میدیدی اکنون بصفت گرگش می بینی ہر چند کہ صورت او مبدل نشد دہمان است کہ میدیدی باین یک حرکت عارضی او را گم کردی فردا کہ حشر ظاہر گردد و این ذات بذات دیگر مبدل شود چون او را نیک نشناختہ باشی و در ذات وے نیک فرو نرفتہ باشی چونش خواہش شناختن حاصل آنکہ ہمدیگر را نیک نیک بباید دیدن واز اوصاف بد و نیک کہ در ہر آدمی مستعار است، درگذشتن و در عین ذات او رفتن و نیک نیک دیدن کہ این اوصاف کہ مردم از ہمدگر می بینند اوصاف اصلی ایشان نیست ۔

فیہ مافیہ، اگرچہ اغلباً، بحیثیت مجموعی مستند ہے، تاہم بعض مقامات مشتبہ بھی ہین، مثلاً یہ باور کرنا دشوار ہے، کہ جلال الدین نے کبھی یہ الفاظ کہے ہون:۔

"من از کجا و شعر از کجا؟ واللہ کہ من از شعر بیزارم کہ ازین دون تر چیزے نیست، این یاران کہ نزد من می آیند، از بیم آنکہ ملول نہ شوند شعرے می گویم، تا بآن مشغول شوند"

لیکن اس مضمون مین تنقید مقصود نہین، خاتمہ پر دو حکایات درج کرتا ہون، جن سے ظاہر ہوگا کہ جلال الدین بغیر شعر گوئی کے بھی احباب کو خوش دل رکھ سکتے تھے،

حکایت اول، اس ارشاد نبوی کی تمثیل مین ہے، کہ جو شخص دین مین در آتا ہے، اُسے خلاصی نہین ملتی تاوقتیکہ وہ ماسوی سے بالکل آزاد نہ ہو جائے :۔

"معلمے از غایت بے نوائی در زمستان دراعہ کتان پوشیدہ بود مگر خرسے را سیلاب ربودہ بود و میرفت سرش در آب نہان بود کودکان گفتند اینک پوستینی اے استاد برگیر از آب معلم خواست کہ او را برگیرد خرس او را برگرفت کودکان گفتند ای استاد زود باش و پوستین

رابیرون آرو گرنہ بگذار گفت من اورا رہا کردہ ام او مرا نمی گذارد،

دوسری حکایت قانون مکافاتِ عمل پر روشنی ڈالتی ہے، اور اس امر کے ثبوت مین ہے کہ بالفاظ جلال الدین، یہ عالم مثل پہاڑ کے ہین خیر و شر جو کچھ ہمارے منہ سے نکلتا ہے اسی کی صدائے بازگشت سننا پڑتی ہے:-

"شخصے از درخت کسے میوہ میریخت خداوند باغ آمد گفت چرا چنین میکنی از خدا نمی ترسی گفت چرا ترسم درخت ازان خدا و باغ ازان خدا و من بندۂ خدا بندۂ خدا می خورد مالِ خدا گفت ساعتے صبر کن تا ترا جواب گویم فرمود رسن بیارید و اورا بر درخت بندید و می زنید تا جواب ظاہر گردد چوب بسیار بخورد و فریاد برآورد کہ آخر از خدا نمی ترسی مرا بخواہی کشت گفت چرا ترسم تو بندۂ خدا و این چوبِ خدا، چوب خدا می زنم بر بندۂ خدا۔ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔

(۳) ابن رشیق اور المعز

(۳) ابن رشیق کی وفات

مورخین لکھتے ہین کہ اسکی وفات شہر مازر مین (Mazzara) واقع ہوئی جسکی طرف امام[1] مازری منسوب ہین، مازر صقلیہ کے اکثر شہرون کے بعد مسلمانون کے ہاتھ سے نکلا ہے، اور غالبًا اسکی موت کے زمانہ مین اکثر مسلمان ہرطرف سے سمٹ سمٹا کر اور رجار کی فتوحات سے تنگ آآ کر یہان جمع ہوگیے تھے، کہ مازر کسی طرح ہمارے دوست کا مطمح نظر بنسکتا تھا اس لیے کہ دار السلطنت تو بلرم (Palermo) تھا، یون بھی مازر اور اسکا بندرگاہ مرسی علی بالکل مهدیہ کے سامنے ہے گویا یہان پا برکاب ہونے کے لیے سب جمع ہوئے تھے، شریف[2] ادریسی لکھتا ہے کہ افریقیہ کے لوگ عمومًا مرسی علی کی طرف سفر کرتے ہین جو مازر سے ۱۲ میل ہے،

رہا سنہ وفات تو ابن[3] خلکان لکھتا ہے کہ ۴۶۳ھ ہے (ناچیز کہتا ہے اسی سال مسند العراق ابوبکر الخطیب البغدادی کا انتقال ہوا ہے) پھر لکھتا ہے کہ "مین نے ایک فاضل کے قلم سے لکھا دیکھا ہے کہ وہ ۴۵۶ھ مین شہر مازر مین مرا ہے مگر پہلا قول اصح ہے" پھر کوئی ایک سطر آگے لکھتا ہے "قیل انہ توفی لیلۃ السبت غرۃ ذی القعدۃ ۴۵۶ھ" اور مختصر[4] ابناء الرواۃ بابناء النحاۃ مین ہے "مات بمازر فی طلق (فالج) سنۃ خمسین واربعمائۃ" پہلے قول کی بنا پر اسکی عمر ۷۳ سال ہوتی ہے اور دوسرے کے مطابق ۶۶، کشف الظنون کا ۴۵۶ھ دراصل ابن خلکان سے لیا گیا ہے،

اب صاحب لبابؔ کا غلط در غلط قول ملاحظہ ہو، پہلے لکھتا ہے کہ اسکی وفات کا سنہ ۵۶ھ ہے پھر کہتا ہے، "اور بقول ابن خلکان ۴۵۳ھ جو رحلۃ الی صقلیہ کا سال ہے، پہلا قول ہمارے

[1] ابو عبداللہ محمد بن علی المازری الفقیہ المحدث مصنف کتاب المعلم بفوائد کتاب مسلم۔ ابن خلکان ۱ء ۴۸۶۔ [2] نزہتہ المشتاق۔ صقلیہ ۲ء [3] ۱ء ۱۳۳، [4] صقلیہ ۲ء ۲۴۷

نزدیک اصح ہے کہ اکثر مورخین کہتے ہین کہ وہ ستر سال کا ہو کر مرا ہے اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ اس کا سنہ ولادت ۳۸۵ھ ہے واللہ اعلم" ناچیز کہتا ہے اس پوری عبارت مین بجز واللہ اعلم کے اور کوئی جملہ صحیح نہین، بچارے ابن خلکان کو ناحق بدنام کیا ہے اس نے تو بجائے ۴۵۳ھ کے ۴۶۳ھ لکھا ہے اور وہ بھی اسمائے اعداد کے ذریعہ ستین کے معنی کسی لغت مین پچاس کے نہین، پھر یہ جملہ "جو رحلۃ الی صقلیہ کا سال ہے" کہکر ۴۵۳ھ کی اور تائید کرتا ہے کہ سچ مچ سسلی جانے کا یہی سال ہے، پھر وہی ہندوستان بیا دلیل افتاد" ابن خلکان کے اس فرضی قول کو اپنے مخترعہ سنہ ولادت یعنی ۳۸۳ھ کے لیے دلیل گردانتا ہے۔ وھل ھذا الا سفسطۃ دقتہ،

تألیفات

(۱) کتاب العمدۃ فی صناعۃ الشعر و نقدہ اس کتاب کا نام ہی اسکا عنوان ہے، فنون شعر و شاعری پر ایک راویہ جہبذ کی تالیف ہے، اس موضوع پر اس سے پہلے ابن المعتز قدامۃ الکاتب قاضی جرجانی اور ابو ہلال العسکری وغیرہم نے قابل قدر کتابین لکھین مگر عمدہ سے کسی کو کیا نسبت؟ جس طرح ایفائے مباحث تفریع و تنویع ابواب، منصفانہ نقد و جرح، اور استیعاب ادوات کتابہ و شعر العمدہ مین پایا جاتا ہے کسی اور مین اسکی چوتھائی بھی نہین، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین اسکا کئی جگہ[۱] ذکر کیا ہے ایک جگہ اس بات کا ذکر کرکے کہ شعر گوئی کے لیے نشاط و فراغ خاطر ازبس ضروری ہے لکھتا ہے،

"ذکر ذلک ابن رشیق فی کتاب العمدۃ وھو الکتاب الذی انفرد بھذہ الصناعۃ واعطاء حقھا ولم یکتب فیھا احد قبلہ ولا بعدہ مثلہ،

[۱] مصر ۱۳۱۱ھ ص ۳۵۳، ۱، ۴، ۲، ۲، ۳ وغیرہا،

پھر اس سے کچھ آگے چلکر لکھتا ہے، وبالجملة فھذہ الصناعة وتعلمہا مستوفی فی کتاب العمدۃ لابن رشیق، صاحب لباط کہتا ہے یہ ۴۲۵ھ یا اس سے پہلے کی تصنیف ہے، والعھد علیہ

ناچیز کہتا ہے کہ العمدہ میں ہی[1] کہ "میں نے ایک شاعر کی فرمائش پر اگلے ابیات مہدیہ میں خدمت المعز میں پہنچکر کہے تھے" جن میں کا ایک بیت یہ ہے،

الی الملک المعز أبی تمیم ٭ أمر بمن سواء ولا أعیج

یہ واقعہ بہت سے اوہام پیدا کرتا ہے (۱) العمدہ مہدیہ پہنچنے کے بعد لکھی گئی ہے (۲) اور پھر الموذج اور قراضة الذہب شاید مہدیہ یا صقلیہ میں لکھی گئی ہون، وھذا اخلاف المعلوم والمراد (۳) وغیرہ وغیرہ،

ناچیز کے ناقص خیال میں اسکا حل صرف یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت مع ابیات عمدہ کے اتمام کے بعد مہدیہ میں ملائی گئی ہو جو چندان مستبعد نہین جس طرح آیندہ آئیگا کہ کسی نے دعوی کیا تھا کہ العمدہ کے کچھ حصے ابن رشیق نے اسکی کتاب سے چرائے ہین اور خود ابن رشیق نے اس کا العمدہ مین ذکر کیا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات بعد اتمام کتاب ملائی گئی ہے، واللہ اعلم

صقلی[2] نے العمدہ کا مختصر العمدۃ لکھا ہے کما فی الکشف اسی طرح موفق الدین البغدادی[3] نے بھی اسکو مختصر کیا ہے، ابن الابار اپنی کتاب التکملہ لکتاب الصلہ مین بذیل ترجمہ ابوبکر بن السراج النحوی لکھتے ہین[4] کہ انھون نے العمدہ کا مختصر لکھا ہے اور ابن رشیق کی غلطیان بھی دکھائی ہین، ناچیز کہتا ہے کہ نقاد کے اغلاط دکھانے سے کتاب کی اہمیت مین مطلقاً فرق نہین آتا، حمزہ اصفہانی نے کتاب التصحیفات مین کامل المبرد وغیرہ وغیرہ کی غلطیان نکالی ہین اسی طرح

---

[1] ۱۰۱/۱، [2] بقول صاحب لباط ۶۰۵ھ، وہ علامہ ابن القطاع (استاذ ابن بری مصنف کتاب الافعال ہین)، اور کہ یہ کتاب عمدہ کا مختصر نہین بلکہ شرح ہی، [3] کشف الظنون رسم العمدۃ و فوات الوفیات ۲/ ۸، [4] نمبر ۵۶۶ ج ۱ ص ۱۹۱ مطبوعہ اندلس ولفظہ محمد بن عبدالملک الشنتریني یعرف بابن السراج ویکنی ابابکر (الی ان قال) ولہ اختصار فی کتاب العمدۃ لابن رشیق و تنبیہ علی اغلاط فیہا (الی ان قال) توفی بمصر،

ابوعبید البکری نے کتاب التنبیہ علی اغلاط ابی علی البغدادی فی الامالی لکھی ہے، جسکا ایک نہایت عمدہ نسخہ ابھی ابھی بیروت والون کو ملا ہے، حالانکہ اسی ابوعبید نے اسکی ایک شرح مسمے باللآلی بھی لکھی ہے،

العمدۃ کی پہلی جلد تونس مین قریبا ۱۲۸۰ھ مین چھپی تھی، پھر پوری کتاب ۱۳۲۵ھ مین مصر مین چھپ گئی، تین قلمی نسخون سے اسکا مقابلہ کیا گیا ہے جن مین غالبا المکتبۃ الخدیویہ کا نسخہ بھی ہے جو نہایت صحیح و سالم ہے، ابن رشیق نے العمدہ کے آخر مین فنون شعر کے علاوہ اور بھی کئی فنون متعلق ادب سے بحث کی ہے جس سے انسان کو ان علوم کی طول طویل مصنفات سے ایک حد تک مستغنی کردیا ہے، یعنی باب الانساب و ما یتعلق بہا، باب ایام العرب، باب معرفۃ ملوک العرب، باب الخیل و مذکوراتہا، باب اغالیط الشعراء والرواۃ (یہ باب کتاب الصناعتین اور الوساطۃ مین بھی نہایت تفصیل سے ہے،) و باب منازل القمر و انوائہا، اور باب الاماکن والبلدان وغیرہ،

العمدۃ مین ایک اہم واقعہ کا ذکر کرتا ہے یعنی کہ کسی خام علم نے اس پر سرقہ کا دعوی کیا تھا،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک آدمی جس کے مذہب مین جھوٹ نا روا نہین اور جسکو خوف نضیحت بھی نہین مدعی ہے کہ مین نے اس کتاب کے بعض مسائل اس سے لیے ہین، حالانکہ اگر اب بھی وہ اس سے پوچھے جائین تو اسے اپنی لاعلمی ظاہر کرنی پڑیگی، امتحان دعوی کا خاتمہ کردیا کرتا ہے...... مجھے کچھ ضرورت نہ تھی کہ اسکا نام لیکر اپنی کتاب کو ملوث کرون کہ مین کیون پست ہوکر اس کے ساتھ صف مساوات مین کھڑا ہوتا مگر اندیشہ تھا کہ میری خاموشی سے کہین میرا عجز و تقصیر نہ مفہوم ہو الخ

(۲) انموذج الزمان فی شعراء قیروان ہرچند کہ اب اس بیش قیمت کتاب کا کہین سراغ نہین ملتا مگر ہم سے پہلے اکثر علماء کو مل چکی ہے، یہ کتاب العمدہ کے بعد لکھی ہے، باب التکسب بالشعر

ما لانفقة منه میں بدین الفاظ اسکی بشارت دی ہے،

ہمارے عہد کے شعرا اسی قسم کے ہیں الامن شاء اللہ۔ میں اپنے عہد کے شعراء کے ایک طبقہ کو ایک مستقل کتاب میں ذکر کرونگا انشاء

یہ کتاب بہت پہلی ہے اہل اندلس کو بھی ملی ہے تکملہ ابن الابار میں اس کے دو حوالے ہیں۔ ناچیز کہتا ہے کہ قیروان کے ذکر میں میں نے ادبا و شعراء کی ایک فہرست دی ہے، جس میں کے اکثر انموذج سے بالواسطہ ماخوذ ہیں گویا اس طرح اس کتاب کا ایک جزء زندہ ہو گیا الحمد للہ

(۴) قراضۃ الذہب فی نقد اشعار العرب اس کے متعلق ابن خلکان لکھتا ہے وھو لطیف الجرم کبیر الفائدۃ۔ ابن خلکان اور ابن الابار ہر دو کو یہ کتاب ملی ہے دونوں اس سے ناقل ہیں کہ ابن ہانی کی وفات ۳۶۲ھ میں ہوئی ہے مگر ابن الابار نے پہلے ۳۶۱ھ لکھا ہے جس طرح الاحاطہ میں لسان الدین نے بھی لکھا ہے عمدہ میں بدین الفاظ اسکا ذکر آیا ہے،

باب المعانی المحدثۃ۔ میں اس مضمون (متقدم اور متاخر شعراء کے مشترکہ خیالات اور ہر دو طبقوں کے مخصوص مخترع مضامین) پر ایک مستقل تالیف لکھونگا جسمیں متاخرین کے مخترعات اور انکے اور متقدمین کے مابین مشترکات و اتفاق کر دکھاؤنگا،

اس رسالہ کا ایک نسخہ المکتبۃ الاہلیۃ بپاریس (ببلیو تھک نیشنل پارس) بذیل نمبر فہرست ۴۱۷۱ (نہ کہ ۴۱۳۱ جس طرح انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ہے) موجود ہے، اس کے صفحات ۹۲ اور اوراق ۴۶ ہیں، یہ ابو الحسن علی بن ابی القاسم اللواتی کے نام مکتوب کی شکل میں ہے وادلہ

اما بعد اتمع اللہ اخوانک ببقائک وکفاھم الاسواء فیک وجعلنی من بینہم الفداء لک الخ

لہ ۱: ۱۳۴، لہ ۲: ۵، لہ التکملہ نمبر ۸۴۹ ج ۱: ۳۰، لہ ۴: ۴ و ۲: ۲۱۴ – لہ ۵: ۱۸۷، لہ ۶ یہ ایک مجموعہ کی ساتویں اور آخری کتاب ہے، فہرست کے مولف کا خیال ہے کہ یہ سولہویں سے سترھویں عیسوی تک کی نقل ہے،

اس مین تمام اگلے پچھلے شعراء کے سرقات کی قلعی کھولدی ہے،

(۴) کتاب الشذوذ فی اللغۃ اس مین ہر باب کے شواذ جمع کر دئے ہین، بقول صاحبِ بساط پھر خود ہی اسکی ایک شرح بھی لکھی ہے،

(۵) دیوان ابن رشیق۔ ابن خلکان ترجمۂ ابن یعیش شارح مفصل مین لکھتا ہے،

وہ عموماً یہ عینیہ ابیات ابن رشیق کی طرف منسوب کرکے پڑھتے تھے (تم ذکر ہا) مگر مجھے اس کے دیوان مین کہین نہ ملے،

ناچیز کہتا ہے اسی طرح یاقوت نے ابن رشیق کے ترجمہ مین اس عینیہ کے کچھ ابیات فسخ الملح سے نقل کیے ہین، پھر لکھتا ہے کہ یہ پورا عینیہ مجھے کہین نہین ملا۔ حالانکہ یہ دس ابیات کا عینیہ العمدۃ (۲ء ۱۳۱) مین موجود ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دیوان مین اسکا تمام کلام نہین، دیوان کے کچھ مقتبسات تالیف ابومحمد عبداللہ بن یحیی بن حمود الحرمی (؟) مع مقتضبا کلام مہیار دیلمی ابوالحسن الصقلی اور ابن الحکاک المکی کتبخانۂ اسکوریال کی فہرست مرتبہ درنبورغ مین بذیل نمبر ۴۶۱ موجود ہے، اماری نے مجموعۂ تواریخ صقلیہ مین اسکا کچھ اقتباس دیا ہے،

(۶) میزان العمل فی تاریخ الدول بقول چلپی اس مین ہر بادشاہ کے ایام حکومت گنائے ہین بس،

(۷) شرح موطا امام مالک کما فی الکشف،

(۸) تاریخ قیروان کما فی الکشف

(۹) الروضۃ الموشیۃ فی شعراء المہدیہ بقول صاحب بساط یہ مہدیہ مین لکھی ہے۔

(۱۰) کتاب المساوی فی السرقات الشعریۃ۔ بساط

(۱۱) مختصر الموطا کذا فی البساط مگر اندیشہ ہے کہین شرح موطا کو مختصر الموطا نہ سمجھ لیا ہو،

(۱۲) انموذج اللغۃ،

رسائل ردّ وجرح معاصرین

(۱۳) رفع الاشکال ودفع المحال

(۱۴) ساجور الکلب

(۱۵) نجح الطلب

(۱۶) قطع الانفاس

ان پانچ رسائل کا صاحب فوات الوفیات نے ذکر کیا ہے،

(۱۷) مسح الملح ونسخ الملح یاقوت نے اس سے کچھ ابیات نقل کیے ہین

(۱۸) نقض الرسالۃ الشعوذیۃ والقصیدۃ الدعیۃ

(۱۹) الرسالۃ المنقوضۃ

از البساط

صاحب بساط الصلاح الصفدی سے ناقل ہے،

"وقفت علی ھذہ المصنّفات والرسائل جمیعھا فوجدتھا تدلّ علی تبحرہ فی الادب واطلاعہ علی کلام الناس ونقلہ لمواد ھذا الفن وتبحرہ فی النقل"

میرے یا ابن رشیق کے چند اوہام

"چھوٹا منھ بڑی بات"

(۱) فصل المضاف بین المضافین، ابن رشیق العمدہ[1] مین اپنے استاذ عبدالکریم کی عبارت نقل کرتا ہے "ھذا المنھج واشرف ما وقع فیہ الوصف" مگر خاموشی کی وجہ سے اسکی ذمہ داری ابن رشیق پر عائد ہوتی ہے، دو مضافون کا ایک مضاف الیہ پر وارد کرنا چونکہ آجکل کے اچھے اچھے مصریون اور شامیون کا معمول ہے اس لیے تنبیہ ضروری تھی، کتاب سیبویہ مین ہے[2]

[1] ۲×۲۰۴ - [2] ۲۲/۹ - [3] بولاق ۱×۹۰ - ۹۲

وما جاء فی الشعر قد فصل بینہ وبین المجرور (وأنشد ابیاتا ثم قال) وقول الاعشی الاعلالۃ او بداھۃ قادح (البیت) فھذا اقبح ویجوز فی الشعر علی ھذا مررت بخیر وافضل من ثم .... وقال الفرزدق

یامن لمن عارضا أسر بہ   بین ذراعی وجبھۃ الاسد -

قریب قریب یہی بیان مفصل مین بھی ہے،

(۲) الخطا فی الروایہ - سیف الدولہ کے مشہور مضادیہ ابیات جن مین قوس قزح کی صفت ہے یتیمۃ الدہر[1] اور الشریشی[2] وغیرہ مین اُسی کی طرف منسوب ہین، ثعالبی کے الفاظ یہ ہین انشدنی ابوالحسن محمد بن محمد الافریقی المتیم لسیف الدولہ فی وصف قوس قزح وھو احسن ما سمعت فیہ علے کثرتہ الخ - مگر ابن رشیق نے العمدہ[3] مین انکو ابن الرومی کی طرف منسوب کیا ہے - ثعالبی متقدم العصر، مشرقی ہونے، اور بہ سلسلۂ سند روایت کرنے کے باعث قابل ترجیح ضرور ہے، مین جزما کچھ نہین کہہ سکتا مگر یہ ضرور ہے کہ ابن رشیق کا یہ قول خلاف ارجح بلکہ شاذ ہے،

(۳) الخطاء اللغوی - سیف مشرفی منسوب بہ مشارف یمن یا شام ہے، یا منسوب بہ مشرف (وضبط ایضا مختلف فیہ) جو یمن کا کوئی قریہ ہے یا کوئی لوہار ہے یہ اقوال معجم ما استعجم اور معجم البلدان مین بذیل مشرف ومشارف بالتفصیل مذکور ہین، مگر ابن رشیق نے العمدہ[4] مین لکھا ہے،

سیف مشرفی منسوب بہ مشرف جو یمن کا ایک قریہ ہے جہان تلوارین بنتی تھین،

مگر اس آدمی کا قول جو اسکو مشارف الشام یا مشارف الریف کی طرف منسوب بتاتا ہے علماء کے نزدیک ناقابل التفات ہے ہرچند کہ بعضون نے ایسا ہی کہا ہے،

ناچیز کہتا ہے کہ ہرچند مشہور قول کی تضعیف کی کوئی وجہ نہین لکھی شاید اس لیے کہ لوہا

---

[1] ۱ × ۱۹۰ - [2] ۲ × ۹ - [3] ۳ × ۱۸۴ - [4] ۲ × ۱۸۰،

چونکہ ہند سے آتا تھا اس لیے تلوارین یمن ہی مین بننی چاہئیں نہ کہ شام مین مگر یہ صحیح نہیں اس لیے کہ تلوارین شام کے آل غسان کے دارالسلطنت بصری کی طرف بھی منسوب کیجاتی ہین کما قال الحماسی

صفائح بصری اخلصتہا قیونہا ومطردا من نسج داؤد مبہما

خیر مجھے تو یہاں ابن رشیق سے بحث ہے نہ مشارف سے نہ مشرف سے، آئیے ہم دکھاتے ہین کہ وہ خود ہی اپنے شعر مین مشرفی کو منسوب بہ مشارف لکھتا ہے اور طرّہ یہ کہ یہ شعر بھی العمدہ[1] ہی مین ہے جو سراسر پچھلے قول کی خلاف ورزی ہے،

وقد نازعت فضل الزمام ابن نکبۃ هو السیف لا ما اخلصتہ المشارف

فقولہ ولیس قول من قال..... لشیٔ الخ هذا القائل هو ابن اخت خالتہ

رحمہ اللہ وارسل علی حضرتہ شآبیب الرحمۃ والرضوان انہ قریب مجیب

علم الکلام

مولنا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بعہد کی ترقیان اور تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہوگئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے قیمت

"منیجر"

[1] ۱۵۲ء ۱ -

مترجمات

ہالینڈ اور مشرقی علوم

تمام یورپین ممالک مین ہالینڈ اس حیثیت سے خاص امتیاز رکھتا ہے، کہ ایک چھوٹی سی سلطنت ہونے کے باوجود اس نے مشرقی علوم کی تکمیل و تحصیل اور مشرقی کتابون کی طبع واشاعت مین تنہا تمام یورپ کو شکست دیدی ہے، ہالینڈ کے ماتحت جزائر ہند یعنی جاوا وغیرہ کے تین کرور مسلمان زندگی بسر کر رہے ہین، اور ان مین اچھی خاصی تعداد عرب نسل کی یادگار ہے، دمشق کے عالم محمد کرد علی کی درخواست پر ہالینڈ کے مستشرق پروفیسر ہوٹسما نے جن کے نظریۂ عمر خیام و حسن بن صباح پر پچھلے معارف مین بحث ہو چکی ہے، اور جن کی کوشش سے زبدۃ النصرۃ، تاریخ یعقوبی، کتاب الاضداد انباری وغیرہ شایع ہو چکی ہین، حسب ذیل مضمون لکھا ہے،

ہالینڈ مین عربی تعلیم کی ابتدار اور اسکی ترقی کا زمانہ سولھوین صدی عیسوی کے اخیر سے شروع ہوا جس مین ہالینڈ کے صوبجات متحدہ کی جمہوریت کا سنگ بنیاد رکھا گیا پہلے یہ جمہوریت پروٹسٹنٹ مذہب نے اسپین کی کیتھولک حکومت کا مقابلہ کرکے پیدا کی تھی، اس لیے سب سے پہلے پروٹسٹنٹ مذہب کی مذہبی تعلیم کے لیے عربی زبان کی طرف توجہ کیگئی یعنی کتاب مقدس کی تفسیر کا درس دیا گیا عبرانی زبان، اور دوسری سامی زبانون بالخصوص عربی زبان کی تعلیم دیگئی،

اہل ہالینڈ کے جو عام تجارتی تعلقات بلاد مغربیہ (مراکش، جزائر، طرابلس) اور مشرق سے

کے باشندون کے ساتھ قائم تھے وہ بھی عربی زبان کے سیکھنے کا ایک سبب بنگئے، پروفیسر تھامس اربینوس جنھون نے ۱۶۲۴ء مین بہ مقام لیڈن وفات پائی، اس دور کے بانی تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ انھون نے عربی زبان کی کافی تعلیم جو ان کے زمانے کے لحاظ سے نہایت عجیب وغریب تھی، حاصل کی تھی، اور چونکہ ان کے زمانے مین عربی زبان کی مطبوعہ کتابین نہایت نادر الوجود تھین، اس لیے انھون نے مشرق کے سفر کا پختہ ارادہ کرلیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ انکو مجبورًا اپنے سفر کا رُخ بدل دینا پڑا، اور وہ مشرق کے بجائے ونیس (بندقیہ) مین پہنچ گئے، تاہم پیرس وغیرہ مین اونکو جزائر اور مراکش کے عربون سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور عربی زبان کی بہت سی کتابین ان کے ہاتھ آئین جنکی وجہ سے اونکی معلومات مین وسعت پیدا ہوگئی اور جب وہ لیڈن واپس آئے تو ۱۶۱۳ء مین ایک کتاب عربی اور لٹین زبان کی نحو گرامر پر شایع کی، ۱۶۱۵ء مین حکایات لقمان کو شایع کیا، اور شیخ مکین کی تاریخ عام کی طبع واشاعت کا سامان کیا جو انکی وفات کے بعد ۱۶۲۵ء مین شایع ہوئی، انھون نے ان کتابون کی طبع واشاعت کے لیے لیڈن مین خود ایک مطبع بھی قائم کیا جو باوجود تغیرات زمانہ کے اب تک قائم ہے،

پروفیسر موصوف کے شاگرد یعقوب گولیس ان سے بھی زیادہ خوش قسمت تھے کہ ہالینڈ کے صوبجات متحدہ سے جو تبلیغی مشن (۱۶۲۲ء - ۱۶۲۴ء) مین مراکش گیا اوس مین وہ بھی شریک تھے، اسکے بعد انھون نے مشرق کی بھی سیاحت کی، ان کے بھائی پیٹرس شام کے عیسائی گروہ رہبانیت کرملیہ مین داخل ہوئے اور مشرق مین اپنی پوری عمر بسر کردی، اور عیسائی مذہب کی کتابین عربی زبان مین ترجمہ کین لیکن یعقوب نے اپنے زمانۂ وفات یعنی ۱۶۶۶ء تک لیڈن ہی مین قیام کیا، اور عربی زبان کی تعلیم دیتے رہے، انھون نے ایک عربی لاطینی لغت بھی چھاپ کر شایع کیا اور فرغانی کی کتاب الفلک کے طبع و اشاعت کی تیاری کی جو ۱۶۶۹ء مین چھپکر شائع ہوئی دوران

سیاحت مین اونھون نے جو عرب دوست پیدا کر لیے تھے، یا جو عرب کبھی کبھی خود ہالینڈ مین آجاتے تھے ان سے انھون نے عمر بھر تعلقات قائم رکھے، اور اپنے مخصوص کتب خانے اور یونیورسٹی کی لائبریری کے لیے کافی اہتمام کے ساتھ ہمیشہ عربی کی کتابین خریدتے رہے، چند دنون کے بعد گولیس کے تلامذہ مین وارنیر کا جو قسطنطنیہ مین ہالینڈ کا وزیر تھا، انتقال ہوگیا تو یونیورسٹی کی فہرست کتب (مجموعہ؟) مین اور بھی زیادہ اضافہ ہوگیا کیونکہ انھون نے اپنی تمام عربی، فارسی، اور ترکی کتابون کا جنکا زیادہ تر حصہ مشہور ماہرِ کتب حاجی خلیفہ کے کتب خانے سے تعلق رکھتا تھا یونیورسٹی پر وقف کر دیا[1]،

گولیس کے تلامذہ مین اے رلانڈ بھی شامل ہے جو اٹھارھوین صدی کے آغاز مین اوترخت کی یونیورسٹی مین پروفیسر تھا، اور جغرافیہ اور فلسطین کے آثار قدیمہ پر بہت سی کتابین لکھی تھین، اور مذہبِ اسلام کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی تھی جو عیسائی تعصب کی آمیزش سے بالکل پاک تھی

[1] یہ ایک نہایت عجیب اتفاقی بات ہو کہ حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون نے قسطنطنیہ مین ریاضیات، طبعیات اور جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم ایک ہالینڈی عالم سے حاصل کی تھی، جو مشرقی زبانون کے سیکھنے کے لئے یہان آیا تھا، اس نے خود اسلام قبول کرلیا، اور جب حاجی خلیفہ کی وفات ہوئی، اور انکی کتابین فروخت ہوئین تو انکا زیادہ تر حصہ ہالینڈ کے سفیر نے خرید لیا، اور یہی کتابین ہین جنکو اس نے لیڈن یونیورسٹی پر وقف کیا، چونکہ یہ ایک بہت بڑے عالم یعنی کاتب چلپی کی منتخب کردہ کتابین تھین، اس لیے کتابون کا یہ ایک ممتاز ذخیرہ تھا جو لیڈن مین جمع ہوگیا، کاتب چلپی پر ہالینڈ کا یہ احسان ہو اس نے اسکو ایسے علوم سکھائے جن سے ترک بالکل ناواقف تھے، لیکن کاتب چلپی نے بھی اس احسان کا یہ معاوضہ ادا کیا کہ ہالینڈ کو عرب اور اسلام کے علوم کا ایک ایسا ذخیرہ دیا جس سے ہالینڈ کے لوگ بالکل ناآشنا تھے، (مسترجم عربی)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد علمی کتابین تصنیف کی تھین لیکن پروفیسر رلانڈ کے بعد گذشتہ صدیون کے لحاظ سے عربی تعلیم کی طرف توجہ کم ہوتی گئی، کیونکہ مشرق کے ساتھ گذشتہ زمانے مین جو تجارتی تعلقات قائم تھے وہ کم ہو گئے اور عربی قومون سے میل جول کا موقع شاذ و نادر ہی ملنے لگا، چنانچہ اس کے بعد تحصیل علوم مشرقیہ کے لیے ایک متنفس نے بھی مشرق کا سفر اختیار نہین کیا اور مشرقی زندگی کے ساتھ عملی تعلقات بہت کم ہو گئے صرف مذہبی علمار کی ایک جماعت ایسی تھی جو کتاب مقدس کے سمجھنے کے لیے عربی زبان کو مفید سمجھتی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور اسے شولٹنس لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہین (۱۷۲۹ء - ۱۷۵۰ء) جنھون نے عبرانی الفاظ کو ان کے اصل عربی کی طرف لوٹا دیا اور اس طریقہ سے توراة کی تمام مشکلات کا حل کرنا ممکن ہو گیا، اُن کے فرزند اور ان کے پوتے دونون کے دونون عربی کے پروفیسر تھے اور دونون نے اس زمانہ کے اور مستشرقین کی طرح اسی کی روش اختیار کی، شولٹنس نے (۱۷۳۲-۱۷۵۵) بہارالدین کی سیرت صلاح الدین کو چھاپکر شایع کیا، اس کے بعد انیسوین صدی کے آغاز مین فرنچ مستشرقین کی جماعت کے اندر سے ایک نور سلوسٹر ڈی ساسی کی صورت مین ظاہر ہوا، اور اس نے ہالینڈ مین علوم مشرقیہ کے چراغ کو بالکل گل کر دیا، اور وہ تقریبًا جرمن علمائے مشرقیات کے مقابلہ سے عاجز و درماندہ ہو گیا، اس بنا پر ہاماکیر ہنکس، اور جوئنبول وغیرہ اساتذہ عربیت کے متعلق مین کچھ نہین کھونگا، گو ان مین اخیر یعنی جوئنبول نے متعدد کتابین مثلاً تاریخ ابی المحاسن اور مراصد الاطلاع بھی شایع کی ہین،

ہالینڈ مین عربی زبان کا حقیقی محرک صرف لیڈن یونیورسٹی کا پروفیسر دوزی (۱۸۲۰ء - ۱۸۸۳ء) تھا، جسکی نسبت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عربی زبان کی تعلیم کے بدلے، جو پروفیسر جوئنبول سے متعلق تھی، اسکو تاریخ عام کا درس دینا پڑتا تھا، دوزی نے سب سے پہلے "اسپین مین تاریخ عرب" کی طرف توجہ کی اور مطبوعات کی ایک سیریز مثلاً عبدالواحد مراکشی (۱۸۴۷ء - ۱۸۸۱) کی کتابون اور

اور ابن عذاری کی (۱۸۴۹-۱۸۵۱) بیان المغرب اور قرون وسطی مین اسپین کے چند سیاسی اور ادبی تاریخ کے مباحث، (طبع دوم ۱۸۶۰ء) اور تاریخ مسلمانان اسپین کی اشاعت سے اس موضوع کو واضح کیا اس نے صرف اسپین مین تاریخ عرب ہی پر اپنے مباحث کو محدود نہین رکھا بلکہ ۱۸۴۵ء مین ایک طویل لغت (معجم!) عربون کے لباسون کے متعلق بھی شایع کیا، اور اپنے آخر عمر (۱۸۷۷ء-۱۸۸۱ء) مین عربی لغات (معاجم!) کا ایک ذیل شایع کیا جو تمام یورپین مستشرقین (مستعربین!) کیلئے ایک نہایت اہم کتاب ہے، اسی طرح اس نے ۱۸۶۳ء مین تاریخ اسلام پر ایک نہایت اہم کتاب ہالینڈ کی زبان مین لکھی، اور شوفین نے فرنچ زبان مین اسکو منتقل کیا، اور میرا خیال ہے کہ عربی مین بھی اس کا ترجمہ ہوا، اس کے بعد دی خوئی اور یونگ کے کارنامے ہین"

اس کے بعد شیخ کرد علی لکھتے ہین:۔

"مشرقی علوم کی ان خدمات کے سلسلے مین اہل ہالینڈ اس حیثیت سے بھی مستحق مبارکباد ہین کہ انھون نے عربی زبان کی کتابونکی اشاعت کے لیے اس وقت ایک مطبع قائم کیا، جب مشرق قریب کے تمام شہرون مین عربی زبان کا ایک مطبع بھی موجود نہ تھا،

ہالینڈ مین اس دور کے بانی ارپینوس ہی نے حکومت کی اعانت سے اس مطبع کو بھی لیڈن مین قائم کیا، اس کے بعد مختلف لوگ یکے بعد دیگرے اس کو چلاتے رہے، لیکن ۱۸۱۲ء مین جوہان

[1] پروفیسر دی خوئی جسنے ۱۹۰۹ء مین وفات پائی، تاریخ تجارب الامم، العیون والحدائق، تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ مسعودی کا شایع کرنیوالا ہی، انکے علاوہ سلسلۂ جغرافیہ نویسان عرب کی جن مین حسب ذیل کتابین ہین اصطخری، ابن حوقل، مقدسی، ابن فقیہ، ابن خرداذبہ، ابن رستہ، ابن قدامہ، ابن واضح یعقوبی اس نے اشاعت کی، انکی فہرستین تیار کین، انکے حواشی لکھے ان کتابونکی اشاعت نے ہالینڈ کی دستار افتخار مین شرف و امتیاز کا طرہ لگادیا ہی، پروفیسر یونگ نے کتاب المشتبہ ذہبی، کتاب الانساب مقدسی، لطائف المعارف ثعلبی، کتاب الخراج ابن آدم، وغیرہ کتابین شایع کی ہین (مترجم عربی)

برل اس کے مہتمم مقرر ہوئے پھر انکا لڑکا اس کا مالک ہوا، اس کے بعد اس نے اسی نام سے ایک کمپنی کی شکل اختیار کر لی جسکو آج اس کے ایک حصہ دار مسٹر جی، پلنیرج چلا رہے ہین آج تک اس مطبع مین تقریبًا مشرقی زبانون بالخصوص عربی زبان کی ساڑھے تین سو کتابین چھپ چکی ہین اور ان مین عربی کی نصف کتابین جو چھاپی گئی ہین وہ حسن طباعت کا بہترین نمونہ ہین یہ مطبع مشرقی زبانون مین سے مصری زبانون یعنی ہیروغلیفی حروف اور مصری کاہنون کی زبان اور انکی عوام کی زبان اور قبطی زبانون کی اور سامی زبانون مین اشوری، بابلی، عبرانی، آرامی، سریانی، سامری، حبشی، اور عربی زبانون کی اور ترکی زبان اور آرین زبانون مین فارسی سنسکرت کی اور ملایا، جاوی، چینی اور جاپانی وغیرہ زبانون کی کتابین چھاپتا ہے،

یورپ اور امریکہ کے مستشرقین نے اسی مطبع پر اپنا اعتماد قائم کیا ہے، یہان تک کہ جن ممالک (مثلاً جرمنی اور انگلستان) مین بھی جہان عربی کے بہترین مطابع قائم ہین، وہان بھی علمائے مشرقیات اسی مطبع پر اعتماد کرتے ہین،

اس مطبع کی مطبوعات نہایت گران قیمت ہوتی ہین، کیونکہ وہ صرف علمائے مشرقیات اور اکاڈمیون کی ضرورت کے موافق نہایت کم تعداد مین چھاپی جاتی ہین،

جن مصنفین کی کتابون اور رسالون کو اس مطبع نے شایع کیا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہین

ابن سینا، فارابی، جاحظ، غزالی، طبری، یعقوبی، ابن اثیر، خوارزمی، بلاذری، مقدسی، ذہبی، اصطخری، ابن حوقل، ابن فقیہ، ابن رستہ، ہمدانی، ابن تغری، بردی، حجی، مسعودی، دینوری، ادریسی، ابن قتیبہ، ابن بدرون، ابن ہشام، ابن قیسرانی، ابن خطیب الدہشہ، ابن مسکویہ، ابن الانباری، ثعالبی، شیرازی، بخاری، ابن حزم، اصفہانی، سجستانی، مقریزی، مقری، ابن آدم، ابن خرداذبہ، ابن منقذ، ابن سعد، ابن سعید، ابن قوطیہ، ابن ولاد، ابن الحاق، رازی، ارسطو، ہیونی

رامہرمزی، اور ابن جبیر وغیرہ اکابر مصنفین اسلام،

سب سے آخر کتاب جو مطبع برل چھاپ رہا ہے، وہ موسوعات اسلامیہ یعنی انسائیکلو پیڈیا دی اسلام ہے، اور وہ تین علمی زبانون یعنی جرمن، انگلش، اور فرنچ مین شایع ہورہی ہے، اب تک اس انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین اخیر حرف آئی (ی) تک پہنچے ہین، اور اس تقریب سے چھبیسوین جزو (کراسہ؟) مین اسلام پر بحث کی ہے، یورپ کے مشہور علمائے مشرقیات اس انسائیکلو پیڈیا کے دست و بازو ہین، اور بعض ہندوستانی اور جزائری بھی اس مین شریک ہین،

اس مطبع نے ایک معقول تعداد شعراء کے دواوین کی بھی شایع کی ہے، مثلاً حماسہ بحتری دیوان ابی فراس، دیوان عبید بن الابرص، مفضلیات، ہاشمیات، صریع الغوانی دیوان حسان بن ثابت، قطامی، نقائض جریر و فرزدق وغیرہ

جس طرح لیڈن عربی اور مشرقی کتابون کو چھاپتا ہے اسی طرح ہالینڈ کا شہر ہارلم فارسی ڈاک کے ٹکٹ چھاپتا ہے، اور ایک ایسے چھوٹے سے ملک مین جہان تقریباً پانچسو مطبع، چودہ ہزار چھاپنے والے مزدور، اور گیارہ سو اخبار اور رسالے ہون یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین،

جغرافیانہ حیثیت سے ہالینڈ اگرچہ مشرق سے دور ہے، لیکن مشرق کے لیے وہ جو کتابین چھاپ رہا ہے، اور اس کے ساتھ جو بہترین لٹریری تعلقات قائم کرتا ہے اس نے اسکو مشرق سے قریب تر کردیا ہے،

(غرائب الغرب لکرد علی)

(مولوی عبدالسلام ندوی)

تلخیص و تبصرہ

ریاست بڑودہ مین کتبخانے

ٹائمز نے اپنے ایجوکیشنل سپلیمنٹ (۱۵ مارچ ۱۹۲۸ء) مین ریاست بڑودہ کے دیہی کتبخانونکی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:-

"قریباً ۲۰ سال کا عرصہ ہوا کہ مہاراجہ بڑودہ نے ہندوستان مین پہلے پہل مفت جبریہ تعلیم کی ابتدا کی تھی، علاوہ اس کے ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اپنی ریاست مین انھون نے ریاستی امدادی کتبخانے جابجا قائم کیے جن سے ہر شخص بلا کسی دشواری کے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اول الذکر مثال کی تقلید تو کسی قدر ہندوستان کے دیگر صوبجات اور بعض بعض ریاستون مین کیگئی ہے، لیکن، ایسے کتبخانون کا رواج ابھی تک کہین نہین ہوا ہے، تحقیقاتی کمیشن جو جنگ کے بعد دیہاتی تعلیم کی رپورٹ پیش کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عیسائی مشنریون نے ابتدائی تعلیم کے عام کرنے مین بہت کچھ کام کیا ہے لیکن عام کتبخانون کے رواج دینے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اسی کمیشن نے ریاست بڑودہ کی سبق آموز مثال بیان کرتے ہوئے وہان کے کتبخانون کے اعداد و شمار اور حالات بھی بیان کیے ہین، ریاست مذکور رقبہ مین انگلستان کے علاقہ ویلز سے کچھ ہی بڑی ہے اسکی کل آبادی قریباً ۲۱۲۶۰۰۰ ہے، اس مین ۳۴ قصباتی اور ۵۰۹ دیہاتی کتبخانے اور ۹۰ دارالمطالعہ ہین، ان سب پر اسی ہزار روپے خرچ کئے جاتے تھے جن مین سے ۲۳ ہزار

گورنمنٹ کی طرف سے اور ۵۰ ہزار ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ملتا تھا، بقیہ رقم پبلک پوری کرتی تھی، بہت سے دیہاتون مین کتبخانون کا خرچ شادی کے روپیون سے چلتا ہے، جنکا دینا اس خوشی کی تقریب مین اپنے اپنے مقامی کتبخانون کے لیے لوگون کو ناگوار نہین ہوتا۔ بعض کتبخانے جو دومنزلہ ہوتے ہین وہ نیچے کی منزل کرایہ پر دیدیتے ہین اور اس طرح ان کے خرچ کا ایک حصہ نکل آتا ہے، انکی آمدنی کا سب سے عام طریقہ فراہمی چندہ ہے لیکن اکثر کام چونکہ لوگ اعزازی طور پر کرتے ہین اس لیے اخراجات بہت زیادہ نہین ہوتے "،

" مہاراجہ بڑودہ نے اسکی ابتدا اپنی نج کی ۲۰ ہزار کتابون سے کی جو اب بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہین، اس کے انتظام کے لیے اس نے مسٹر ڈبلو۔ اے بارڈن ایک امریکن کا انتخاب کیا جنھون نے قلیل عرصہ مین جابجا دار المطالعے قائم کیے، ہندوستان مین سفری کتبخانون اور سب سے پہلا لائبریری اسکول رائج کیا، کتبخانون کے قواعد وضوابط بالکل طرز جدید پر ہین، کتابون کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق بلاکسی سے مانگے ہوئے لے سکتا ہے یہی طریقہ امریکہ مین عام طور پر رائج ہے اور اب انگلستان مین بھی روز بروز ترقی کر رہا ہے "،

" یہان کی ایک نمایان خصوصیت علاوہ کثیر ذخیرۂ کتب کے بچون کے لیے ایک کھیل کا کمرہ ہے، جس مین ہر قسم کے قصے کہانی اور دلچسپ لطیفون کی کتابین ہوتی ہین، علاوہ ان کے طرح طرح کے کھیل کود اور دوسری دلچسپیون کے سامان بھی ہوتے ہین، وقتاً فوقتاً اسکول کی بعض جماعتین آتی ہین اور وقت کا ایک حصہ ان دلچسپیون مین صرف کرتی ہین، بچون کو یہان کا رہنا اسکول کے کمرون کی طرح گران نہین گذرتا بلکہ انھین گھر کی سی فضا نظر آتی ہے، اسی سے ملحق ایک دار المطالعہ نسوان بھی ہے اور یہ دونو شعبے ایک خاتون مہتمہ کتبخانہ کے زیر نگرانی ہین،

کتابین دینے کا یہ طریقہ ہے کہ کتابون کے بکس مقامی کتبخانون، مدرسون، کارخانون

یا کسی اور معتبر شخص کے پاس بھیجدیے جاتے ہین تاکہ وہ اپنے گرد و نواح مین قاعدہ مقررکے مطابق وٗنون کو تقسیم کردے، اس پر بھی ناخواندہ طبقہ کی تعلیم کا یہ انتظام ہے کہ ہر دیہات مین لوگونکو دلچسپ لکچر، سینما، برقی لیمپ، تصویرون اور ہزارون دوسرے طریقون سے تعلیم دیجاتی ہے، اس کے لیے کسی مذہب و قومیت، نسل و رنگ کی قید نہین، ہرکہ ومہ، امیر و غریب، سیاہ اور سفید یکسان فائدہ اٹھا سکتا ہے،

اسلام کی سادگی
اور
افریقہ مین اوس کی ترقی

معارف کے اخبار علمیہ مین مدت ہوئی کہ اس کا تذکرہ آیا تھا کہ انگلستان مین "پیپلس آف آل نیشنس" یعنی "اقوام عالم" کے نام سے مسلسل جلدون مین ایک تاریخی سلسلہ شائع ہورہا ہے جس مین دو باتین خاص طور سے ممتاز ہین، ایک تو یہ کہ ہر قوم کے تمدن، لباس، اور شکل و صورت کو تصویرون کے ذریعہ سے نمایان کیا ہے، اور دوسری یہ کہ قومون کی صرف گذشتہ تاریخون کا ذکر نہین، بلکہ ان کے موجودہ حالات اور انقلابات کا ذکر بھی ہے، ہمنے مشرق وسطی اور شمالی افریقہ کی جلدین ایک دوست کے ہان سے منگوا کر دیکھین، مشرق وسطی کے ذکر مین آذر بائجان کا حال وہان کے نوجوان کارکنون کے فوٹو، پارلیمنٹ کا نقشہ بعض کارخانون کی تصویرین دلچسپ تھین، مگر حالات و سوانح کے ذکر مین عمق نظر اور استقصار نہ تھا، عمومی معمولی اور سطحی باتین تھین، مارچ ۱۹۲۴ء کے نمبر مین سنگاپوری معاصر "دی مسلم" نے کتاب مذکور کے مراکش کے سلسلۂ بیان مین سے اوس کے تیسوین نمبر، صفحہ ۷۵۶۲ سے حسب ذیل اقتباس نقل کیا ہے،

"شمالی افریقہ مین اسلام نے اس قدر استحکام حاصل کر لیا ہے، اس کے مقابلہ مین

عیسائیت بدست دپا معلوم ہوتی ہے، عیسائی مورخین جنھون نے تیس برس تک وہان کام کیا ہے، اور جنھون نے وہان کے لوگون کا اعتماد اور ہردلعزیزی حاصل کرلی ہے، وہ اعتراف کرتے ہین کہ انکی وہان کی روداد مایوس کن ہے، اور انکی چند کامیابیان بھی تشفی بخش نہین ہین،

صحرا کی جنوبی سمت مین بت پرست قبائل مین عیسائیت نہین بلکہ اسلام اپنے نئے نئے معتقد پیدا کرتا چلا جاتا ہے مذہب اسلام تمام تر اسقدر سادہ اور سہل مذہب ہو کہ جسکو ناتعلیم یافتہ دماغ بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ" خدا کے سوا کوئی معبود نہین، اور محمد اوسکا پیغمبر ہے، یہی اسکا کل عقیدہ ہے، کتنا سادہ اور کھلی اور صاف توحید ہے، جو شرک کی ہر قسم کو خواہ وہ بتون کی شکل مین ہو، یا تجسم صفات، یا پوپیت کی صورت مین ہو، سب کا انکار کرتی ہے، جو شخص اس کلمہ کو پڑھ لیتا ہے وہ دفعۃً ایک مسلمان بن جاتا ہے اس کے ہر قسم کے اخلاقی قوانین، اور سیاسی احکام اوس کے قرآن نامی کتاب مین موجود ہین، جو اُسکے پیغمبر کی زبان سے نکلے ہوئے ربانی الفاظ ہین اسمین تمام باتین سخت، پوری وضاحت کے ساتھ قطعی اور طے شدہ صورت مین، اور عقلمندانہ مذکور ہین اس مذہب مین خیال کا کوئی جزنہین ہے، اور نہ ناقابل فہم اسرار ہین جیسے رومن کیتھولک کلیسا کے تبرکات، اور نہ تثلیث کا مسئلہ ہے، اور نہ پیچیدہ، دقیق عقائد والٰہیات ہین صرف ایک خدا اور اُسکی کتاب ہے، جو اس کے احکام پر مشتمل ہے،

قرآن کا لہجہ بت پرستی، ارتداد، شرابخواری اور چند ناپاک چیزون کے کھانے کے خلاف نہایت سخت ہے، اور وہ اپنے پیروؤن سے اپنے طرق عبادت اور مختلف طریقہا ئے طہارت کا مطالبہ کرتا ہے"

اس اعتراف کی قدر وقیمت کوئی ہمارے آریہ دوستون سے پوچھے، کیا اسلام کی جو سادگی افریقہ
مین اسکی ترقی کا باعث ہو رہی ہے وہ سادگی پرست ہندوستان مین مؤثر نہ ہوگی! ہوگی، مگر کیون کر؟
سادہ زندگی مسلمانون کے ہاتھون!

عربون کے اکتشافات

مصر کے علمی مشاہیر مین احمد زکی پاشا کا نام اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ یہ جدید تعلیم کے باوجود
اپنے اسلاف کی تاریخ سے عمیق دلچسپی رکھتے ہین، عربی زبان کی نایاب کتابون کی تلاش، حفاظت
اور اشاعت اونکی زندگی کا بہترین مشغلہ ہے، اور اسی سلسلہ مین وہ عربونکی تحقیقات اور ایجادات
کے متعلق مضامین بھی لکھتے رہتے ہین، ابھی حال مین مصر کے اخبار الاہرام مین انھون نے ایک مضمون
لکھا ہے جس مین وہ لکھتے ہین،

"مین نے جن باتون کو کہا ہے، او بار بار دہرایا ہے، اور مستند واقعات سے انکی تائید
کی ہے، اور تاریخی سندون، اور صحیح حوالون کے ذریعہ اونکا ثبوت بہم پہنچایا ہے، وہ حسب ذیل ہین:

(۱) اہل یورپ سے صدیون پہلے اہل عرب اندھون کا طریقہ تعلیم اور ان کے لیے ایک
خاص خط ایجاد کیا تھا،

(۲) اہل یورپ سے صدیون پہلے، اہل عرب ہی تھے جنھون نے فن پروازکی طرف توجہ کی تھی اور اسکے
متعلق غور وفکر کیا تھا، اور اسکو تجویز اور خیال کے میدان سے عمل کی صورت مین منتقل کرنیکی کوشش کی تھی

(۳) مرض النوم کی دریافت کا فخر بھی عربون ہی کو ہے، اس بیماری کا نام اونھون نے "نُوَام"
رکھا تھا، اور یہ اس وقت جب ہنوز یورپ اپنی جہالت کے خواب سے بیدار نہین ہوا تھا،

(۴) دریائے نیل کے سرچشمون کی جغرافی تحقیق اور مشاہدہ سب سے پہلے انھین نے کیا، اور
انکا حال ذاتی معائنہ کے علم سے بیان کیا،

(۵) اسی طرح امریکہ کے دریافت کا فخر بھی اونھین کو حاصل ہے، اور انھون نے دو دفعہ وہان پہنچنے کی کوشش کی پہلی دفعہ پرتگال کے پایہ تخت لشبونہ سے اور دوسری دفعہ بحر اطلانٹک کے ساحل مغربی سوڈان کے شہر غانہ سے، ایک مقابل سرزمین کے وجود کا تخیل ان کے ذہن مین صرف عقلی اور منطقی طریقہ سے آیا تھا، اور وہ طریقہ اس طریقہ سے بہتر تھا جس پر کولمبس چلا، کیونکہ کولمبس نے اس سرزمین کا پتہ علم اور تحقیق سے نہین، بلکہ محض بخت و اتفاق سے پالیا، کیونکہ اوسکا نظریہ جسکو اس نے ملکہ ازبلا کے سامنے پیش کیا تھا یہ تھا کہ وہ سمندر مین پچھم طرف ٹھیک چلا چلے گا تو ہندوستان پہنچ جائیگا لیکن وہ ہندوستان کے بجائے امریکہ پہنچ گیا، اور اس کو مغربی ہندوستان سمجھا، کولمبس کے ہمراہیون مین ایک مسلمان ریتش نامی تھا، اس نے خود اس سرزمین کی حالت اور کیفیت بیان کی ہے اور اس نے بھی اس کا نام "مغربی ہندوستان" رکھا ہے،

احمد زکی پاشا ان مسائل کو مدت سے پیش کر رہے ہین، اور وقتاً فوقتاً ان کے لئے اثنائے مطالعہ مین جو دلیلین ان کو ملتی رہتی ہین ان کو شایع کرتے ہین،

اندھون کی تعلیم کا جو طریقہ مسلمانون نے ایجاد کیا تھا، اور اسکے متعلق جو دلیلین پاشا موصوف نے پیدا کی تھین مدت ہوئی کہ ہمنے **الندوہ** مین انکا ترجمہ چھاپا تھا،

فلسطین

فلسطین یعنی ملک شام کا وہ حصہ جو براہ راست برطانیہ کے ماتحت ہے اور جہان مسٹر بالفور کے عہدنامہ کے موجب یہودیون کا قومی وطن بنا قرار پایا ہے، اور جسکا مرکزی شہر یروشلم یعنی بیت المقدس ہے وہ کوئی بڑا قطعۂ ملک نہین، وہ زمانہ گذر گیا جب رچرڈ شیر دل شاہ انگلستان نے دھن، صلیب پرستی کے جذبہ مین اسپر چڑھائی کی تھی، اور اسکی یہ اہمیت تھی کہ یہ عیسائیون کے نجات

کا مولد اور مدفن ہے، اب اسکی اہمیت لارڈ جارج کرزن اور بالفور کی نگاہون مین صرف اس لیے ہے کہ یہ نہر سوئز کا کنارہ ہے جس پر فوج رکھکر اس سوئز کی نگہبانی خوب ہوسکتی ہے جو عیسائی برطانیہ کی مشرقی شہنشاہی کی نجات دہندہ ہے،

یہ قطعۂ زمین چار ضلعون پر منقسم ہے، پہلا ضلع **جنوبی** ضلع ہے جس مین حسب ذیل تحصیلین ہین، غزہ، خان یونس، بئرسبع، مجدل، خلیل، دوسرا ضلع **قدس** ویافا ہے، اس مین یہ تحصیلین ہین، بیت المقدس، بیت لحم، بیت حالا، رام اللہ، اریحا، یافا، رملہ، تیسرا ضلع **رملہ** ہے، اس کی تحصیلون کے نام یہ ہین، نابلس، طول کرم، جنین، بیسان، چوتھا ضلع شمالی ضلع ہے جس کے ماتحت یہ تحصیلین ہین، حیفا، زمارین، عکا، ناصرہ، طبریہ، صفد،

باشندگان فلسطین کی تعداد سرکاری مردم شماری کے مطابق ۱۸۲، ۵، ۷ ہے جن مین بڑی تعداد عرب مسلمانون کی ہے، یعنی ۵۹۰،۷۹۰ مسلمان عرب ہین، ۷۳۰۲، ۷۴ عیسائی اور ۸۳۰۲، ۸۴ یہودی ۷،۰۲۸ دروزی مسلمان، ۱۶۳ اسامری یہودی، ۲۶۵ بہائی، ۵۶ اثیمی ہین،

تعلیم کے لحاظ سے یہ بہت پیچھے ہے، یہان ۳۱۱ سرکاری مدارس ہین جن مین ۷۷۰۰ لڑکے اور ۳۰۳۴ لڑکیان تعلیم پاتی ہین، اور ۶۳۹ استاد اور استانیان مصروف تدریس ہین، کل ۱۰ فیصدی حصہ یہان لکھ پڑھ سکتا ہے اور ۹۰ فیصدی ان پڑھ ہے، یہ تعداد گو بہت کم ہے، تاہم یہ دیکھکر کہ یورپ کی ایک نہایت کمزور اور غیر متمدن قوم ترکی کے زیر سایہ اس نے ۱۰ فیصدی تعلیم حاصل کرلی، اور ہندوستان یورپ کی سب سے بڑی اور متمدن ترین شہنشاہی کے زیر سایہ اس کے برابر بھی تعلیم مین اب تک ترقی نہ کرسکا، تسلی ہوتی ہے،

اخبارِ علمیہ

چونٹیان اور چیونٹے ہمیشہ ہمارے ارد گرد گھومتے نظر آتے ہین، سائنس نے اس ننھے سے جانور کے مطالعہ مین اپنا بہت وقت صرف کیا ہے، لیکن پھر بھی اس طلسم کے راز کو دریافت نہ کرسکی، ایک معمولی چیونٹی نے ایک تجربہ گاہ مین اپنے سے ۲ ہزار گنا زیادہ بھاری بوجھ اٹھا لیا، اگر انسان اسی تناسب سے بوجھ اٹھا سکے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ۲۷۵ ٹن کا وزن نہایت ہی سہولت سے اٹھا سکتا ہے، یعنی ریل کے آٹھ بھرے ہوئے ڈبے، اس سے زیادہ اندازہ ایک مشہور ماہر حیاتیات نے لگایا ہے کہ اگر ایک شخص کا وزن ۱۱ سٹون ہے اور وہ مور ناتوان کے تناسب سے قوت کا مالک ہو تو وہ دنیا کے دو بڑے انجن اپنی پیٹھ پر رکھ کر جہان چاہے لیجا سکتا ہے،

جنوبی پیسفک کے ایک جزیرہ سموا کا ایک تار مظہر ہے کہ جزیرۂ ٹونگا مین ایک پرانا کچھوا ملا ہے جسکی پیٹھ پر مشہور سیاح کپتان کک کا نام اور ۱۷۷۳ء کندہ ہے، اب سے ۱۵۰ برس پہلے جبکہ کپتان مذکور نے یہ کچھوا پایا تھا، یہ بڈھا ہوچکا تھا، کیونکہ اس کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت اندھا تھا، اس خبر نے ہم کو یہ بھی بتایا ہے کہ یہ جانور ہزار سالون تک زندہ رہتا ہے،

فرانس کے ایک کلیہ طبیہ مین علم جراحت کا ایک خاص طریقہ سے سبق دیا اور مشاہدہ کرایا جاتا ہے، جراحت گاہ کی چھت شیشہ کی ہے، لڑکے خاموشی سے اس کے گرد بیٹھ جاتے ہین، اور پورا تجربہ

دیکھتے ہین، وسط سقف مین ایک آواز کو پھیلانے والا آلہ لگا ہوا ہے، استاد جو کچھ کہتا ہے، وہی آواز بالاے بام پہنچکر پھیل جاتی ہے اور ہر لڑکا اپنے اسباق کو سن لیتا ہے،

اس وقت تمام دنیا کے جواہرات کا مجموعی وزن ۲۴ ٹن ہو، ان مین سے ۵۰۰۰۰ پونڈ گذشتہ چالیس سالون کے عرصہ مین افریقہ کی کانون سے نکالے گیے ہین، برزیل نے ۵۰۰۰ پونڈ جواہرات سے شرکت کی، اور ہندوستان نے ۶۰۰۰ پونڈ کا حصہ لیا،

جاپان کے گذشتہ زلزلے نے یوکوہامہ کے سمندر کی تہ کو اتنا بلند کردیا ہے کہ وہان جہاز نہین آسکتے، جزیرۂ اوشیما اپنے ۸ ہزار بلند پہاڑ کے ساتھ غرق و نیست و نابود ہو گیا اور ایک دوسرا جزیرہ جو ۳۰ میل لمبا اور ۱۵ میل چوڑا ہے پانی کے باہر نکل آیا ہے، لوگون کا خیال ہو کہ یہ زلزلے اس وقت تک نہین رکینگے جب تک کہ جاپان کی سطح ہمالیہ کی چوٹی کے برابر بلند نہ ہو جائے اور اس بلندی تک پہنچنے کے لیے کم از کم دس لاکھ سالون کی ضرورت ہے، اور اس عرصۂ طویل مین جاپان ہر وقت زلزلہ کا شکار بنا ہوا ہے،

ایک فرانسیسی انجینیر گاسنن اپنے کا دعویٰ ہے کہ افریقہ کے صحراے اعظم مین پانی کی بڑی مقدار موجود ہے اور گہرے کنوین کھود کر اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے، اگر یہ دعویٰ سچ ثابت ہوا تو عالم فلاحت مین ایک انقلاب پیدا ہو جائیگا،

مشہور سائنس دان ڈاکٹر سٹن منز کا خیال ہے کہ جس طرح گذشتہ زمانہ مین یورپ مین مشرق سے

اگر لوگون نے حکومت کی ہے اسی طرح ایک صدی کے بعد ایک مشرقی قوم ہی پھر برسر حکومت ہوگی یہ قوم سلویک ہے،

سنہ ۱۹۲۳ء کے طبعیات اور کیمیا کے نوبل انعامات کا اعلان ہوگیا ہے، اول الذکر ڈاکٹر آر، ملے، ہیلیکن ڈائرکٹر کلیفورنیا انسٹیٹیوٹ پاساڈینا کو ملا ہے، اور مؤخر الذکر پروفیسر الیف، پریگل کو، الیف، پریگل، اسٹریا کی کارل فرنزنس یونیورسٹی کے استاذ کیمیا ہین،

امریکہ کے تاریخ طبعیات کے عجائب خانہ مین منگولیا کے صحرائے گوبی سے ۲۵ ایسے انڈے آئے ہین جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ...... اسالون کے ہین اور انھون نے نوسل کی صورت اختیار کر لی ہے،

فرانس کے محکمہ حرب نے ایک توپ بنائی ہے، جسکا عنقریب گاوریز مین امتحان کیا جائیگا یہ توپ ۶۹ فٹ لمبی ہے، اس کا قطر ۱۲ انچ ہے، ۹۰۰ پونڈ کے گولے ۷۵ میل سے پھینکتی ہے، یہ توپ در اصل جرمنی کی سنہ ۱۹۱۸ء کی اس توپ کا جواب ہے جو ۷۰ میل سے پیرس پر بم گراتی تھی،

ریل کے حادثات نے ہمدرد ماہرین علوم کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایسے اسباب پیدا کر دین جنکی وجہ سے ایسے واقعات پھر رونما نہ ہون، اس کوشش مین وہ ایک حد تک کامیاب ہوگیے ہین، لاسلکی سلسلہ نے ایک گاڑی کو دوسری گاڑی سے ملا دیا ہے، دوسرے خود ان ریلون مین بجلی کے ذریعہ یہ صلاحیت پیدا کر دیگئی ہے کہ وہ خود ہی اپنے سگنل گرا لیتی ہے، اپنی

لائن مقرر کرلیتی ہے اور خود ہی اپنے آنے کی آیندہ اسٹیشن پر اطلاع دیتی ہے ، واپسی کے وقت وہ سگنل کو اٹھاتے اور لائن کو بدستور صحیح و صاف کرکے چلی جاتی ہے ،

یون توکلون کے ذریعہ اکثر کام انجام دئے جاتے ہین ، مگر حال مین ریاستہائے امریکہ کے محکمۂ جنگلات نے درختون کے جمانے اور بیج بونے کی جو مشین ایجاد کی ہے وہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے ؛ یہ مشین روزانہ ۱۲۰۰۰ سے ۱۵۰۰۰ درخت تک لگا سکتی ہے ، اس کے لیے ۳ آدمیون اور دو گھوڑون کی ضرورت ہے ، یہ مشین خود یہ بھی بتاتی ہے کہ دوسری کیاری کہان پر ہونی چاہئے ، علاوہ ازین اسی مین دو خانہ ایسے بنے ہوئے ہین جنسے ساتھ ہی ساتھ پانی اور کھاد بھی ڈالی جاسکتی ہے ،

گذشتہ جنگ نے جن لوگون کو ممکن گمنامی سے منصّۂ شہرت پر لاکر کھڑا کردیا ان مین ڈاکٹر مزرک اولین صدر جمہوریہ زیکو سلیو یکیا ہے ، اس کی زندگی اس طرح شروع ہوئی کہ ابتداءً وہ ایک لوہار کی دکان پر معمولی خدمات کی انجام دہی پر مامور تھا ، طلب علم نے اس کو مقامی مدرسہ کے استاذ سے دوچار کردیا ، یہ سلسلہ برابر جاری رہا ، تاآنکہ ۱۸۸۲ء مین اس نے پریگ یونیورسٹی سے ڈاکٹر کی سند حاصل کی ، اس وقت سے برابر ترقی کرتا رہا تاآنکہ اب ملک کے بلندترین مقام عزت پر ہے ،

ونسیز و منایلی نامی مصور نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے ، جس سے تصاویر بڑی کیجاسکتی ہے ،

ادبیات

کلام شاد

جناب سید علی محمد خان شاد عظیم آبادی

۱- تمناؤن مین الجھایا گیا ہون | کھلونے دیکے بہلایا گیا ہون
۲- ہون اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ | ادھر سے مدتون آیا گیا ہون
۳- نہین اُٹھتے قدم جانب دیر | کسی مسجد مین بہکایا گیا ہون
۴- دل مضطر سے پوچھ اے رونق بزم | مین خود آیا نہین لایا گیا ہون
۵- سویرا ہے ابھی اے شور محشر | ابھی بیکار اُٹھوایا گیا ہون
۶- ستایا آکے پہرون آرزو نے | جو دم بھر آپ مین پایا گیا ہون
۷- نہ تھا مین معتقد اعجاز مے کا | بڑی مشکل سے منوایا گیا ہون
۸- لحد مین کیون نہ جاؤن منہ چھپائے | بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہون

۹- کہان مین اور کہان اے شاد دنیا
کہان سے مین کہان لایا گیا ہون

انوار مہیر

(مرسلۂ ڈاکٹر اقبال)

بہار و بوستان و سبزہ و نسرین نمیخواہم | لب جوی و لب جام و لب نوشین نمیخواہم

زخون بہمن و دی شد چو رنگین روی فروردین — بساط لالۂ گلزار فروردین نمی خواہم

ازین گلزار خاکی می نچینم نرگس و نسرین — فلک زادم بجز گلدستۂ پروین نمی خواہم

چو فرہاد از دلِ خارا برآرم چشمۂ شیرین — چو خسرو جامِ مے از لعبت شیرین نمی خواہم

زصید کبک و دُرّاج و کبوتر گو بہ نامردان — کہ من غیر از عقاب و جُرّہ و شاہین نمی خواہم

جو بیذق ہست گو فرزین نباشد در بساطِ من — چو فرزین می توانم ساختن فرزین نمی خواہم

کشاورزم بزن مطرب سرودی از کشاورزی — حدیث تخت تاج و افسر زرّین نمی خواہم

اگر منت نہند از بہر باغ خلد و حور عین — بہار باغ خلد و وصل حور عین نمی خواہم

بیا تا یک جہان نو تنیر از بہر خود سازم — کہ این گیتی و این گردون آئین نمیخواہم

حسیّات جُوش

جناب شبیر حسن خان صاحب جوش ملیح آبادی

آنکھین ہتھیلیون سے مل، نیند ہی چشم ناز مین — بھر دے حنا کا رنگ بھی نرگس نیم باز مین

چھیڑون کبھی جو رات کو، تارون سے خون ٹپک پڑے — درد بھرا ہوا ہے وہ، دل کے شکستہ ساز مین

کعبۂ بیخودی ہے یہ، سجدے کرلے دل حزین — واہین دریچے عرش کے گردرہِ حجاز مین

میرے گدازِ عشق کا تجھ پر اثر ہوا ضرور — ناز کا رنگ آچلا میرے دلِ نیاز مین

آتے ہی دل سے تا لب، پھونک دیا مجھی تمام — کیسی دہک رہی تھی آگ عشق کے حرف راز مین

دیکھ ادھر بھی غزنوی! تیرا لقب ہے "بُت شکن" — نقش بنے ہوئے ہین کچھ سنگ درِ ایاز مین

"دیکھنا ٹوٹنے پہ ہے جُوش کا دل بھی عنقریب"

ذکر تھا کل یہ حسن کے خلوتیان راز مین

باب التقریظ والانتقاد

ینابیع المسیحیة

از

مولوی ابو الجلال صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

مدت ہوئی کہ ایک پادری صاحب نے جو ایران مین تبلیغ مسیحیت کا فرض انجام دیتے تھے، اونھون نے ینابیع القرآن کے نام سے ایک بے سروپا کتاب فارسی زبان مین لکھی تھی، جس مین یہ دکھایا تھا کہ قرآن کی تعلیمات کا ماخذ کیا کیا مذاہب اور کون کون کتابین ہین، عیسائیون مین اس کتاب کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ اُنھون نے اوسکا متعدد زبانون مین ترجمہ شایع کیا، صوبہ متحدہ کے پادری گورنر سر ولیم میور صاحب نے بنفس نفیس اوسکا انگریزی "سورس آف دی قرآن" کے نام سے ترجمہ کیا، پنجاب کریسچین بک سوسائٹی نے اوسکو اردو مین منتقل کیا، مسلمانون نے بھی اس کے جوابات دئے، لیکن یہ جوابات دفاعی تھے یعنی یہ محض اسلام اور قرآن پر عیسائیون کے اعتراضات کی مدافعت تھی، اسکا بہترین جواب حملہ آورانہ تھا، چنانچہ مصر کے ایک عالم نے "الدیانة المسیحیة والدیانة الوثنیة" کے نام سے ایک کتاب بڑی تلاش سے لکھی، جس مین تمام مسیحی عقاید کو یہ دکھایا ہے کہ وہ مصر، یونان اور روم کے بت پرستون سے ماخوذ ہین، اور اس کے بعد اس نے یہ کیا ہے کہ انجیل کے تمام عمدہ اقوال کو حوالون سے ثابت کیا ہے کہ یہ بدھ کے اقوال سے ماخوذ ہین،

ہندوستان مین اسکا کوئی حملہ آورانہ جواب نہین دیا گیا تھا، حالانکہ خود عیسائی کتابون مین

اس کا مسالہ بہت کافی موجود ہے، گبن نے چھٹی صدی کی مسیحیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس پر بہت کچھ مواد فراہم کردیا ہے، ہندوستانی ارباب قلم مین جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اس بناپر کہ اُنھون نے اسکو اپنی زندگی کا کام بنالیا ہے، اس قسم کے مسائل پر انکو کافی عبور حاصل ہے، اور اسکا نتیجہ انکی جدید تصنیف ینابیع المسیحیۃ (عیسائی مذہب کے سرچشمے) ہے، اور انھون نے اس تصنیف سے اسلامی ہندوستان کا ایک بڑا فرض عیسائیون کا ادا کیا ہے،

خواجہ صاحب نے اس کتاب کو خدا کے شہر مکہ مین بیٹھ کر مسیحیون کے لیے لکھا ہے، اس کتاب کا ملخص یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نبی آخرزمان صلعم کا پیش خیمہ تھے، مسیحیت اپنے اصلی رنگ مین صرف اسلام کی تمہید تھی، مگر حضرت مسیح کے بعد، آفتاب پرستون اور یونانی الہیات کے پیرؤن نے، اصل و تمہید مین بے انتہا بیگانگی پیدا کردی حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتین کہنا ہے، مگر تم اسکی برداشت نہین کرسکتے لیکن تو روح حق" جب آئیگی تو تم کو تمام سچائی کی راہ بتائیگی،"

جناب مسیحؑ تک روح القدس ہمیشہ ایک ایسے شخص کے منھ سے بولی جو خدا کا نبی ہوا کیا ہے، لیکن جناب مسیح کے بعد یہ عقیدہ ایجاد کرلیا گیا کہ اب روح قدس ایک جماعت یعنی کلیسا کے منھ سے بولیگی، مسیحیت کے روشن خیال فضلاء پر اب اچھی طرح واضح ہوگیا ہے، کہ موجودہ کلیسا کے بانی جناب مسیحؑ نہ تھے، یورپ مین، کلیسا کے عقائد درسوم کی اصلاح و ترمیم کے لیے فضلائے مسیحیت کی جد وجہد شروع ہوگئی ہے، اس لیے جناب خواجہ صاحب غیر مناظرانہ انداز مین، اس کتاب کے ذریعہ سے دنیا کو اصلی مسیحیت یا اسلام کی طرف بلانا چاہتے ہین،

اس مقصد کے لیے انھون نے کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین انھون نے واقعات کو پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ اب فضلائے مسیحیت کا، نہ تو بائیبل پر عقیدہ رہا نہ جناب مسیحؑ کی

الوہیت پر، نہ مسئلہ کفارہ پر، اس باب کے چند واقعات ہمارے لیے بھی دلچسپ ہین،

۱- زبور کی اکثر دعائین خصوصاً زبور نمبر ۵۸، گذشتہ جنگ عظیم تک عیسائی کتاب الصلوٰۃ کا لازمی جزتھی، لیکن عین میدانِ جنگ مین، عیسائی ضمیرون نے اعتراف کیا کہ یہ دعائین الحاقی ہین لہذا اب یہ دعائین کتاب الصلوٰۃ سے نکال دی گیئن،

۲- جولائی ۱۹۱۷ء مین آرچ ڈیکن آف کنٹربری کی صدارت مین، بمقام کنٹربری، کلیسا کا دربار ہوا آج تک جب کوئی پادری ڈیکن بنایا جاتا تھا، تو اس سے چند سوال کے جواب ضرور لیے جاتے تھے ان مین سے ایک سوال یہ تھا،

کیا آپ جو کچھ نئے پرانے عہدنامجات مین ہے ان سب کو بلاتصنع قبول کرتے ہین،

جواب دینا ہوتا تھا "ہان" اس اقرار کے لئے اب پادری تیار نہین اس لیے اس اجلاس مین سوال کے الفاظ بدل دیئے گیے،

"کیا آپ نئے پرانے عہدنامہ کی وہ تمام باتین مانتے ہین جو مختلف حصص مین اور مختلف طریق پر خدا کے اس الہام کو لائین جسکی تکمیل عیسیٰ مسیح مین ہوئی۔

ڈین آف کنٹربری نے اعتراض کیا کہ یہ سوال کتب مقدسہ کے الہامی ہونے پر زور نہین دیتا: ڈین مذکور کی تجویز کے مطابق اس سوال کی صورت حسب ذیل لفظون مین بدل دی گئی،

کیا آپ قبول کرتے ہین کہ نئے اور پرانے عہدنامجات کے صحائف مقدسہ خدا کی طرف سے ہین"

اس پر کرائسٹ چرچ کے ڈین نے کہا

"یہ تو اسی سوال کی دوسری شکل ہے جسے ہم بدلنا چاہتے ہین"،

بالآخر رائے لی گئی صرف ۵ رائین ڈین آف کنٹربری کے موافق اور ۴۳ مخالف آئین، بڑے ردوقدح کے بعد اصل تجویز منظور ہوئی ہے۔

۳- ۹ اگست ۱۹۱۷ء مین گرٹن کالج کیمبرج مین ایک دلچسپ جلسہ ہوا جس مین چوٹی کے پادری موجود تھے، سوال یہ تھا کہ "مروجہ کلیسا کا بانی مسیح ہے" صرف ایک پادری جے۔ آر ونکنس کے علاوہ سب کا جواب نفی مین تھا،

۴- انگلستان کے اکثر پادریون کو الوہیت مسیح سے انکار ہے ڈین کارلائل کے نزدیک الوہیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر انسان ایک گونہ مظہر خدا، اور ہر بانی مذہب، اخلاق خداوندی کا جلوہ گاہ رہا ہے، اسی طرح حضرت مسیح مین، خدائی اخلاق نے اعلی و بے عدیل پیمانہ پر ظہور کیا، لیکن بعض پادریون کو تو جناب مسیح کے نعوذ باللہ "عقلمند آدمی" ہونے مین بھی شبہہ ہی،

مسیحیت کے بنیادی عقائد و رسوم جو اصل مذہب (اسلام) کو اسکی تمہید (مسیحیت) سے الگ کرتے ہین، چند ہین واقعۂ صلیب، عقیدۂ کفارہ، عشائے ربانی کی رسم، اور تثلیث دوسرے باب مین خواجہ صاحب نے دکھایا ہے کہ تمام باتین، متھرا (سورج) پرستون سے اخذ کی گئین:۔ مثلاً

ہر آفتاب پرست مذہب نے ایک انسان کو "سورج دیوتا" کا اوتار تسلیم کیا ہے یہ اوتار ہمیشہ بن باپ پیدا ہوا ہے، ان سب کی پیدائش ۲۵۔ سے ۲۸ دسمبر تک ہوتی ہے، جناب مسیح علیہ السلام کی پیدائش بھی انھین ایام مین فرض کیجاتی ہے،

ایسٹر سے دو ایک دن پہلے منجمون کو ایسا نظر آتا ہے کہ آفتاب صلیب پر چڑھا ہے، ایسٹر کے بعد بہار کا موسم شروع ہوتا ہے، اور نئی زندگی کا دور آتا ہی اس لیے سورج دیوتا کے اکثر اوتارون نے بھی انھین ایام مین صلیب پائی ہی، اور ان کے صلیب پانے کے دو تین دن بعد زندگی کا نیا دور شروع ہو گیا، ایران کے متھرا پرستون اور آئرلینڈ کے قدیم باشندون کا یہی عقیدہ تھا،

سال مین آفتاب کی تین حالتین ہوتی ہین، جن سے تین موسم پیدا ہوتے ہین، تین موسم آفتاب پرستون کے تین دیوتا ہین، یہین سے تثلیث کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے، غرض اسی طرح

عیسائیون کے ہر عقیدہ اور ہر رسم کو لیکر اُن کو آفتاب پرستون کے افسانون کے ساتھ مقابلہ کیا ہی،

تیسرے باب مین مسیحیون کی مذہبی اصطلاحون کا ماخذ بتا کر چوتھے باب مین مسیحی کلیسا کے اصلی معمار جناب پولوس اور قسطنطین اول کے اصلی مذہب اور مقصد کی تشریح کی ہی، قسطنطین نے اپنے معبود (آفتاب) کا نام مسیح رکھکر اور سارے عقائد مسیح کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دئے، اور جناب پولوس کا طریقۂ کار ان کے اس مقولہ سے ظاہر ہے،

مین یہودیون کے لیے یہودی بنا، تاکہ یہودیون کو کھینچ لاؤن جو لوگ شریعت کے ماتحت ہین ان کے لیے شریعت کے ماتحت بنا، اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا، اور بے شرع لوگون کے لیے بے شرع بنا، تاکہ بے شرع لوگون کو کھینچ لاؤن، کمزورون کے لیے کمزور بنا تاکہ کمزورونکو کھینچ لاؤن، مین سب آدمیون کے لیے سب کچھ بنا ہوا ہون تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤن اور مین سب کچھ انجیل کی خاطر کرتا ہون تاکہ اورون کے ساتھ اس مین شامل ہون

یہ وہی جناب پولوس ہین جنھون نے جناب مسیح کی زندگی بھر ان کے ساتھ عداوت رکھی، اور انکی وفات کے بعد آکر، ایک رویا کا قصہ سنایا، اور اپنے لیے یہوداہ اسکریوطی (جناب مسیح کو پکڑانے والا مجرم حواری) کی جگہ حاصل کی اور زندگی بھر شریعت کی مخالفت کرتے رہے، اور جن کے طرز عمل پر دیگر حواریون کو اعتراض رہا،

جس کلیسا کا بانی جناب پولوس جیسا، ہمہ صفت آدمی ہی، اسے اگر اسقف اعظم آرچ بشپ آف یارک نفرت انگیز بتاتے ہین تو اس مین ان کا کیا قصور ہے؟

پانچوین باب مین جناب خواجہ صاحب نے سچی اور اصلی مسیحیت کے جلوۂ تام یعنی اسلام کی خوبیون پر روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عملی حیثیت سے (مذھب محبت) اسلام ہی ہے،

زبان کی گرفتون کو الگ کر دینے کے بعد یہ کتاب ہر حیثیت سے قابل قدر اور مفید ہے۔ اسلام

کی جو تشریح خواجہ صاحب نے کی ہو اس کا صرف اندازِ بیان انوکھا ہے، ورنہ حقیقت قدیم ہے۔۔۔
عیسائیون کے دین کی ابتری اور تباہی کا نقشہ کھینچکر وہ اکثر فرماتے ہین:۔

تو کیا اس علیم و حکیم خدا کا یہ فرض نہ تھا کہ اسکی طرف سے کوئی نبی، آکر انسان کو غلطی سے نکالے

اس مین شک نہین، کہ مسیحیت کی تعلیم، بت پرستون اور آفتاب پرستون کے خیالات کے ساتھ اس قدر مخلوط ہو گئی تھی کہ بغیر ایک نبی کے اسکی اصلاح ناممکن تھی لیکن ہر اصلاح کے لئے نبی کی ضرورت نہین ہوتی، خواجہ صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان ان جملون کو لکھتا تو لہجہ مین بہت زیادہ تعمیم پیدا نہ ہونے دیتا، کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہو، مگر عربی عبارتون مین کاتب نے اکثر ترمیم کردی ہے،

قرآن مجید نے اہلِ کتاب سے مناظرہ کرنے کا ایک اصول بتایا ہے، وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
ینابیع المسیحیۃ اس قسم کے جدال بالحکمہ کی بہترین نظیر ہے، اس کتاب کو دیکھکر ایک عیسائی بھی اچھی طرح تسلیم کرے گا، کہ حضرت مسیحؑ کی عظمت ایک مسلمان کے دل مین مسیحیون کے بڑے سے بڑے پادری سے زیادہ ہوتی ہے، اور اگر تعصب سے کام نہ لے تو مسیحیت کا اصلی نور، اسلام اور مسلمان ہی کے سینہ مین نظر آئیگا۔ ہم مسلمانون کو مشورہ دینگے کہ اس کتاب کو ضرور خریدین بلکہ اسکو خرید کر اپنے عیسائی دوستون کو ہدیہ دین:۔ قیمت قسم اول عہ قسم دوم عہ پتہ مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور،

ملا اشرف ماژندرانی

کے

مضمون پر استدراک

از

مولوی محمد محفوظ الحق صاحب بی اے، کلکتہ

معارف کے دسمبر نمبر مین ملا اشرف ماژندرانی کے جو حالات شایع ہوئے ہین، اس مین مضمون نگار (مولوی سید کاظم) کو سہو ہوا ہے جسکی تصحیح ضروری ہے، وہ تحریر فرماتے ہین :-

"..... ملا صاحب کا وطن جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ماژندران ہے، چنانچہ ایک اعتماد الدولہ العدل العالیہ خلیفہ سلطان کی تعریف مین جو قصیدہ ہے اس مین حسب ذیل شعر پایا جاتا ہے :-

گر از اصفاہان پدید آمد چو گل طبع کمال   خاستہ چون سرو موزون "اشرف" از ماژندران

اس سے ماژندران جائے پیدائش اور **اصفہان** جائے تکمیل فن معلوم ہوتی ہے".....

مندرجہ بالا شعر سے مضمون نگار صاحب نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح نہین، شاعر کا ہرگز یہ مطلب نہین کہ ماژندران میری جائے پیدائش اور اصفہان جائے تکمیل فن ہو، بلکہ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ جس طرح اصفہان سے کمال **اسمٰعیل** جیسا صاحب فن پیدا ہوا اسی طرح ماژندران سے **اشرف** جیسا صاحبِ کمال نکلا، مذکورۂ بالا شعر مین صرف شاعرانہ تعلق ہے اور اشرف کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگر اصفہان کو خلاق المعانی کمال اسمٰعیل پر ناز ہے تو ماژندران کو اشرف کی ذات پر فخر ہے!

مطبوعاتِ جدیدہ

قواعد الصرف اور قواعد النحو۔ ہمارے عربی مدارس مین صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم عموماً چھوٹی چھوٹی فارسی کتابون کے ذریعہ سے دیجاتی ہے، یہ طرز تعلیم اس عہد کی یادگار ہے، جب فارسی مسلمانانِ ہند کی تقریباً مادری زبان تھی، اب صرف ونحو کی ایسی کتابون کی سخت ضرورت ہے جو اردو مین لکھی گئی ہون، طرز بیان آسان اور سہل ہو، قواعد کے استنباط کے لیے محض استقرار سے کام نہ لیا جائے، یہ فرض استاد کا ہونا چاہئے کہ موقع ہو تو قواعد کا استخراج طلبہ ہی سے کرائے، اس قسم کی متعدد کتابین لکھی گئی ہین منجملہ ان کے قواعد الصرف اور قواعد النحو مین اس ضرورت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہی،

جناب مولوی محمد شبیر صاحب اپنی کامیابی پر مبارکباد کے مستحق ہین، جناب مولویصاحب کو ہم مشورہ دینگے کہ قواعد الصرف کی آیندہ اشاعت مین چند خاص باتون کی اصلاح ضروری ہی "نفی جحد بہ لم" کے بیان مین اتنا بتا دینا ضروری ہی کہ "حروف شرط، لمّا اور طلب ونہی کی علامتین بھی مضارع کے لفظ مین وہی تغیر پیدا کرتی ہے جو لم کا خاصہ ہین" اسی طرح "لن" کے بیان مین اتنا اور بتا دینا چاہئے کہ ان کے اور اذن بھی لن جیسے لفظی تغیرات پیدا کرتے ہین ۲میزان الصرف کی پیروی چھوڑ کر، لن کی بحث کو لم سے مقدم کر دینا چاہئے تاکہ لم، لائے نہی، اور لام امر کے یکسان عمل کو ایک ساتھ سمجھایا جا سکے :-

صفحہ ۲۱ "ضمیمہ افعال" کے بجائے قدیم اصطلاح "شبہ فعل" یا اسکا کوئی مناسب ترجمہ ہونا چاہئے صفحہ ۲۲ مین اگرچہ "ثلاثی مجرد" اور "غیر ثلاثی مجرد" کے الفاظ قائم رکھنا ضروری ہین تو ان اصلاحونکی تشریح بھی یہین کر دینی چاہئے، کیونکہ یہ تشریح پہلے نہین گذری دونون کتابونکی قیمت دس دس آنہ پتہ: مقرشی کتب خانہ

مکاتیب نواب محسن الملک و نواب وقار الملک، نواب محسن الملک مرحوم اور نواب وقار الملک مرحوم کی ادبی اور ملکی خدمتین ہماری نشاۃ ثانیہ کے اہم اسباب سے ہین، منشی محمد امین صاحب زبیری مارہروی مہتمم صیغۂ تاریخ بھوپال تشکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے ان بزرگون کے خطوط کو یکجا جمع کرکے محض ایک ادبی فرض انجام نہین دیا ہی، بلکہ ہندوستان کے آیندہ مؤرخ کے لیے ایک گران بہا ذخیرہ مہیا کردیا ہے، ان خطوط کی اشاعت سے محض انکی قومی خدمات، اور علی گڈھ کے حالات، پر روشنی نہین پڑتی، بلکہ ریاست نظام اور انڈیا آفس کی پر پیچ سیاست باہمی بھی آئینہ ہوجاتی ہی، اور اکثر ان دشواریون کا بھی پردہ اٹھ جاتا ہی، جن سے حیدرآباد مین ان کو دوچار ہونا پڑا، کم عمر نواب اور کم عمر مدار المہام کی امداد کے لیے حضوری اور دیوانی کونسلون کے قیام کے متعلق ان دو بزرگون مین جو سخت اختلاف رائے تھا، ان خطوط سے اسکی بھی تشریح ہوجاتی ہے، اور ہمارے لیے اس مین یہ بھی سبق ملتا ہے کہ سیاسی پارٹی فیلنگ اور کسی فرض منصبی کے متعلق سخت مخالفت کے باوجود، دو شخص آپس مین کس طرح ایک دوسرے کے قابل اعتماد سچے دوست رہ سکتے ہین، یہ مجموعہ نواب محسن الملک کے ساٹھ مکتوبات اور نواب وقار الملک کے ۷۳ خطوط پر شامل ہی، ممکن ہو تو ابھی اور خطوط کے اضافہ کی ضرورت ہی کاش کاغذ اور طباعت مین بھی ان بزرگونکی عظمت کا لحاظ رکھا گیا ہوتا، پتہ:- دفتر ظل السلطان بھوپال، قیمت عہ

جزیرۂ مورشیس اور اسلام، جزیرۂ مورشیس کو بدبخت مزدوران ادشکر کی بدولت ہندوستان کا ایک ایک گاؤن جانتا ہی، کیا مسلمانون کو یہ بھی معلوم ہی کہ یہان غریب الدیار اسلام کی کیا حالت ہے؟ مورشیس اور اسلام ایک مختصر رسالہ ہے جسے پورٹ لوئس، مورشیس کے امام مولانا قاری حکیم عبداللہ رشید صاحب خلف ملا نواب رشدی صاحب نے تصنیف کیا ہے، اس کتاب مین جزیرۂ مذکور کا جغرافیہ، مختصر تاریخ، ہندوستانی قلیون کی حالت، مسلمانونکی باہمی خانہ جنگی، اوقاف کی بدانتظامی، انکی تعلیم کی حالت، غرض ان تمام تباہ حالیون کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جن سے مسلمان وہان دوچار ہین،

ان صفحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مورشیس کی طرف توجہ نہ کیگئی تو عنقریب اسلام کو یہان ایک نہایت شرمناک شکست یا تباہی اٹھانی پڑیگی، مورشیس مین ۴۰ ہزار مسلمان ہین، وہان کے چند مسلمانون نے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے جو مسلمانون کی عام مالی حالت کی بدولت ہندوستانیون کا منتظرِ کرم ہی، بہرحال یہ کتاب عبرت پذیر مسلمانون کے مطالعہ مین ضرور آنی چاہئے، ٹائٹیل پیج پر جزیرہ کا نقشہ اور کتاب کے اندر بھی چند ضروری تصویرین ہین، قیمت صرف ۱۰ ر خلافت پریس جیکب سرکل بمبئی ملا مین چھپی ہے، غالباً یہین سے ملسکتی ہے:

سیرت مصطفیٰ کمال پاشا، یہ کتاب اصل مین مولوی فاضل امین محمد سعید اور کریم خلیل ثابت کی محنتون کا نتیجہ ہے، جسے غلام ربانی صاحب لودھی علیگ نے اردو مین منتقل کیا ہے پاشا موصوف کے حالات مین ہماری زبان مین متعدد کتابین لکھی گئی ہین، ان مین یہ کوئی ممتاز نہیین، البتہ جنگ عظیم کے بعد سے صلحنامہ لوزان تک ترکی قوم اور مصطفیٰ کمال پاشا کی جدوجہد کی تفصیلی تاریخ اس مین موجود ہے، اور یورپ کی زہر آلود تبلیغ کے اثر سے پاک ہے، قیمت عصہ پتہ منیجر شرکت ادبیہ متصل اسلامیہ ہائی اسکول امرتسر،

اکابر قوم، جناب اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی نے اس کتاب مین علماء، فقراء، صوفیہ، امراء اور سیاسی رہنماؤن غرض مسلمانون کے ہر طبقہ کا احتساب کیا ہی، دیوبند، علی گڑہ، ندوہ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ غرض مسلمانون کا ہر کام اس احتساب کی زد مین آیا ہی، احتساب اچھی چیز ہی، مگر برائیون کے ساتھ اچھائیون کا بیان بھی مصلح کا فرض ہی، تاکہ اصلاح کا راستہ تو کھلے، یہ مفاسد ضرور صحیح ہین، لیکن للہ یہ تو بتائیے کہ اصلاح کی کیا صورت ہے؟ کیا اس کے لئے ہم اکابر قوم کی دوسری جلد کا انتظار کرین، قیمت ۶ ر پتہ :- صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین (پنجاب)
